وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

الاسماء الحسنٰی

تفسیر و تشریح

خطبات بندیالوی

جلد ہشتم

اللہ رب العزت کے

70

حسین اور دلنشین ناموں

کی تفسیر و تشریح پر مشتمل

40

خطبات کا مجموعہ

محمد عطاء اللہ بندیالوی

مؤلف

محمد عطاء اللہ بندیالوی

ناشر

جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ

سرگودھا پاکستان

جلد ہشتم

نام کتاب: خطباتِ بندیالوی جلد ہشتم

نام مولف: محمد عطاء اللہ بندیالوی

ناشر: شعبہ نشرواشاعت جمعیت اشاعت التوحید والسنت سرگودھا

تعداد باراول: 1100

تاریخ اشاعت: ستمبر 2020ء

قیمت ----------

کمپوزنگ وڈیزائننگ: مولانا ابوہریرہ (اُتراء)
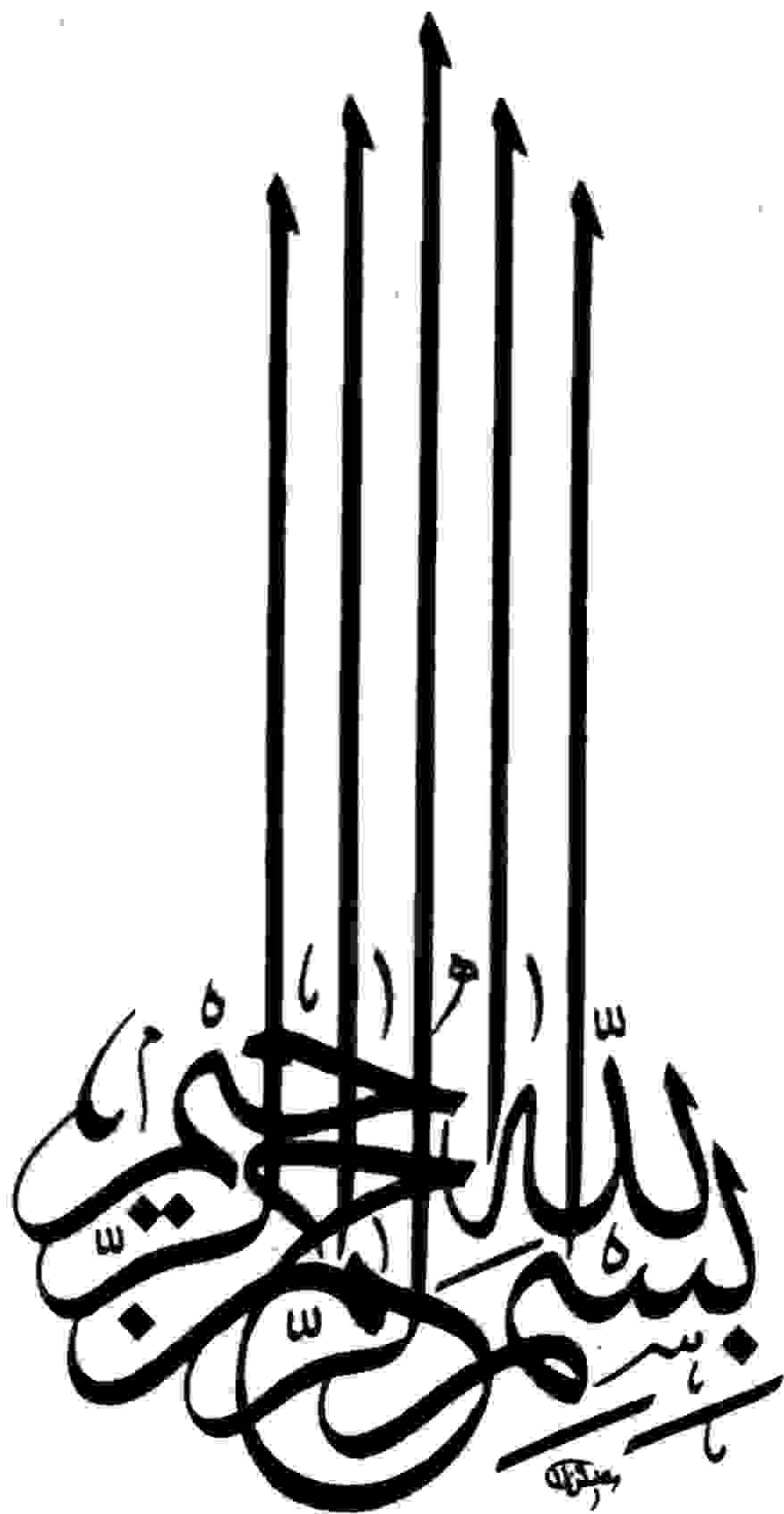
جدۃ : ۱۲ شوال الکرم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

وَلِلّٰهِ

الْاَسْمَآءُ

الْحُسْنٰی

فَادْعُوْهُ

بِهَاص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے جنہوں نے ان کے ہاں حاضر ہو کر قرآنی علوم کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کیا۔ مگر ان کے تلامذہ میں ایک ایسی منفرد شخصیت ہے کہ جس نے حدیث نبوی کے جواہر پارے بھی مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیے۔

☆ جو اشاعت التوحید والسنت کے تاحیات مرکزی نائب امیر رہے۔

☆ جن کی تدریسی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دار العلوم دیوبند کے چند مدرسین کچھ وجوہات کی بنا پر دیوبند سے چلے گئے اور طلبہ ان مدرسین کے علاوہ کسی اور سے پڑھنے پر رضا مند نہیں ہو رہے تھے۔۔۔ دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند سے پنڈی گھیپ تشریف لائے اور انہیں یہ کہتے ہوئے اپنے ساتھ دیوبند لے گئے کہ دار العلوم کی مسند تدریس آپ کے بغیر سجتی نہیں۔

☆ دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں ہزاروں علماء کرام کی موجودگی میں اسٹیج پر جن کی دستار بندی کی گئی۔

☆ جو بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور مشکوٰۃ کے شارح ہیں۔۔۔ التبیان جن کی شاہکار تفسیر ہے۔

☆ میں انہیں علم کا پہاڑ کہوں۔۔۔ معلومات دینیہ کا دریا کہوں۔۔۔ مسند تدریس کا بادشاہ کہوں۔۔۔ محدث کبیر کہوں۔۔۔ وقت کا رازی کہوں۔۔۔ دین کا شمس

کہوں۔۔۔

واقعی وہ اسم با مسمّٰی تھے۔۔۔۔۔۔ میری مراد۔۔۔۔۔۔۔ میرے حدیث کے استاذ، شیخ التفسیر والحدیث مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

خطبات بندیالوی کی آٹھویں جلد کا انتساب ان کے نام کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں۔

محمد عطاء اللہ بندیالوی

8 ذوالحج 1441ھ

بروز جمعرات 30 جولائی 2020ء

تقدیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ذمہ دار اور سنجیدہ خطیب کو یہ پریشانی لاحق رہتی ہے کہ آنے والے جمعۃ المبارک میں خطبہ کے لیے کس عنوان اور موضوع پر گفتگو کروں۔ موضوع کے تعین کے بعد اس کی تیاری کے لیے بڑی محنت اٹھانا پڑتی ہے، کتب خانے کی سہولت موجود ہو تو مختلف کتب کی ورق گردانی کے بعد۔۔۔ قرآن کی مختلف تفاسیر۔۔۔ احادیث کی کتب اور شروحات اور تاریخ وسیرت کی کتب کے مطالعہ کے بعد کہیں جا کر خطبہ کے لیے مواد مہیا ہوتا ہے۔

کسی عنوان پر تقریر کی تمہید باندھنا [illegible] سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔۔۔ موضوع کے مطابق دلائل وبراہین کی تلاش۔۔۔ واقعات وتمثیلات کا چناؤ۔۔۔ موقع محل کے مطابق مناسب اشعار کا انتخاب۔۔۔ ان سب کے لیے بڑی تگ ودو کی ضرورت ہوتی ہے۔

مجھے جامع مسجد سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں خطابت کے فرائض ادا کرتے ہوئے تقریباً پینتالیس سال کا طویل عرصہ بیت گیا ہے۔۔۔ ان پینتالیس سالوں میں۔۔۔ میں نے ہر جمعہ کے خطبہ کے لیے مکمل تیاری کی ہے۔۔۔ قرآن کی تفاسیر۔۔۔ احادیث نبوی۔۔۔ اقوال صحابہ۔۔۔ غرضیکہ کئی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس موضوع کو سامعین کے کانوں تک پہنچایا۔

عام خطباء کے برعکس میری عادت اور طریقہ کار رہا ہے کہ جمعۃ المبارک کے خطبات کے لیے موضوع کا انتخاب کرتے ہوئے ایسے وسیع موضوع کا چناؤ کرتا ہوں جسے

کئی خطبات میں قسط وار تسلسل کے ساتھ بیان کیا جاسکے۔

ان موضوعات میں بعض موضوع ایسے بھی منتخب ہوئے جسے میں نے تین سالوں کے خطبات جمعہ کا موضوع بنائے رکھا۔۔۔اسی عادت کو مدنظر رکھ کر کچھ سال قبل میں نے خطبات جمعہ کے لیے اسماء حسنیٰ کی تشریح وتفسیر کا موضوع تجویز کیا۔۔۔میں نے تقریباً تین سال کے جمعہ کے خطبات میں۔۔۔اللہ رب العزت کے ناموں میں سے ایک ایک نام پر مفصل گفتگو کی۔۔۔میں سمجھتا ہوں اور تجربہ اس پر شاہد ہے کہ کسی مستقل اور سلسلہ وار موضوع کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا جائے تو جمعہ کے سامعین کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسرے جمعہ کا خطبہ سننے کے لیے وہ بڑے ذوق وشوق سے آتے ہیں۔

جمعۃ المبارک کے خطبات میں میرے بیان کیے گئے موضوع اسماء حسنیٰ کی تشریح وتفسیر کا مجموعہ خطبات بندیالوی کی آٹھویں اور نویں جلد میں پیش خدمت ہے۔

اللہ رب العزت کے حسین اور روح پرور ناموں میں سے ہر نام کا معنی، مفہوم اور تشریح قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ آپ ان جلدوں میں پڑھیں گے۔

میرا خیال تھا کہ تقریباً ایک صد اسماء حسنیٰ کی تشریح پر مشتمل ایک جلد شائع کریں گے مگر اس عنوان سے جب کام کا آغاز کیا تو وہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا جسے ایک جلد میں سمونا ممکن نہیں رہا۔اس لیے اب خطبات بندیالوی ہشتم کے ساتھ خطبات کی جلد نہم بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔

دونوں جلدوں میں اللہ رب العزت کے اسماء حسنیٰ سے تقریباً ایک سو اٹھائیس ناموں کی تفسیر وتشریح سے آپ مستفید ہوں گے۔

میری یہ کاوش اگرچہ خطبات کے نام سے ہے اور انداز بھی خطیبانہ ہے مگر یہ صرف علماء اور خطباء کے لیے مفید نہیں ہوگی بلکہ عوام الناس بھی اس سے بھرپور استفادہ کریں گے کیونکہ میں نے جہاں مقررین ومبلغین کے ذوق کا خیال رکھا ہے وہاں عام لوگوں کے لیے

بھی انتہائی مفید اور معلوماتی ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ جسے پڑھ کر وہ اپنے عقائد کی درستگی کا سامان کر سکیں گے۔

اسماء حسنیٰ پر مشتمل خطبات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ حقیقت ذہن میں رکھیے کہ یہ باقاعدہ اور مستقل تصنیف نہیں ہے جس میں تصنیف وتالیف کی نزاکتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو بلکہ خطبات کی صورت میں ایسا مجموعہ ہے جس میں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے لفظی ترجمہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ خطیبانہ رنگ میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا مفہوم بیان کر دیا گیا ہے۔

اسماء حسنیٰ کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے ظاہر بات ہے جگہ جگہ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہو گی۔۔۔ آپ اللہ رب العزت کے اسماء حسنیٰ میں۔۔۔ اَلسَّمِیْعُ۔۔۔ اَلْعَلِیْمُ۔۔۔ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔۔۔ اَلْقَادِرُ۔۔۔ اَلْقَدِیْرُ۔۔۔ اَلْخَبِیْرُ۔۔۔ اَلْبَصِیْرُ۔۔۔ اور ان جیسے کئی اور ناموں کی تشریح پڑھیں گے تو آپ کو اپنی جماعت کے مسلک کی حقانیت پر عین الیقین ہو جائے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اشاعت التوحید والسنت کے عقائد ونظریات اور مشن سے تعلق رکھنے والے خطباء، مقررین اور طلبہ ایسے خطبات کے متمنی رہتے ہیں جن میں انہیں اپنے مسلک ونظریہ کی اشاعت کے لیے مؤثر اور مدلل مواد مل سکے۔

میں نے اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق جماعتی احباب کی اس تمنا اور خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔ اس کوشش میں، میں کتنا کامیاب ہوا ہوں یہ آپ کی رائے پر منحصر ہے۔

مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ ہمارے جماعتی علماء، مقررین، طلبہ اور کارکنان اور ان کے علاوہ وسیع الظرف علماء کرام اور احباب میری اس محنت کو تحسین کی نظر سے دیکھیں گے۔

میری اس کاوش میں جو خوبی اور حسن آپ کو نظر آئے وہ سب میرے پالنہار،

مہربان اور رحیم داتا کی عنایت، کرم اور فضل ورحمت ہے۔۔۔جس نے اپنی قدرت ومہربانی سے مجھ جیسے حقیر بلکہ احقر، کم علم اور کم فہم کو اس کی توفیق بخشی۔۔۔ بنی آدم خطا ونسیان اور غلطیوں کا مجسمہ ہے۔۔۔آپ کو کسی جگہ تحریر اور کوئی بات قرآن وحدیث کے خلاف نظر آئے۔۔۔یا کتابت کی غلطی سے کوئی جملہ کچھ سے کچھ بن گیا ہو۔۔۔تو اس غلطی کو اچھالنے اور موردِ تنقید بنانے کے بجائے اصلاح اور خیر خواہی کے جذبہ سے مجھے مطلع فرمائیں۔۔۔ ان شاء اللہ آپ کی نشاندہی کی قدر کرتے ہوئے دوسرے ایڈیشن میں آپ کے شکریہ کے ساتھ اس غلطی کی اصلاح کردی جائے گی۔

اگر میں یہاں ایسے حضرات کا شکریہ کے ساتھ تذکرہ نہ کروں تو ناانصافی ہوگی، جنہوں نے اس کاوش کو آپ تک پہنچانے میں میرے ساتھ تعاون فرمایا۔ جامعہ ضیاء العلوم کے شیخ الحدیث اور مفتی مولانا محمد آصف مدظلہ نے پروف ریڈنگ کرنے میں بھرپور ساتھ دیا اور کتاب کا مقدمہ تحریر کرکے اس کی افادیت میں اضافے کا باعث بنے۔

جامعہ ضیاء العلوم کے مدرس مولانا مفتی عبدالباسط صاحب، مولانا رشید احمد صاحب اور جامع مسجد حنفیہ بلاک 25 کے مدرس مولانا حافظ ضیاء اللہ صاحب نے بھی کتاب کے اکثر حصے کی پروف ریڈنگ میں میرا ساتھ نبھایا۔

میں خصوصی طور پر ماہنامہ ضیائے توحید کے ناظم دفتر مولانا ابوہریرہ صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کی تمام ترکمپوزنگ اور ڈیزائننگ کی۔ اللہ رب العزت ان تمام حضرات کو اپنی رحمت سے نوازے۔ آمین

میں قارئین کرام کی خدمت میں بڑی عاجزی کے ساتھ درخواست کروں گا کہ بیماریوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے مصنف کے لیے دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں۔۔۔ آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو ان شاء اللہ میں خطبات بندیالوی کی دسویں جلد کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔ ان شاء اللہ

تقدیم وتقریظ

مولانا مفتی محمد آصف صاحب

(شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ضیاء العلوم سرگودھا)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِهٖ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سورت الاعراف:180)

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْماً مِائَةً اِلَّا وَاحِداً مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ:199)

نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل عبد اور معبود، خالق اور مخلوق کا رشتہ اور تعلق مسخ ہو چکا تھا، جہالت و نادانی، اوہام وخرافات کا شکار ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے مکمل ناواقفیت اور بے خبری کا دور دورہ تھا یا اگر کہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت موجود تھی تو انتہائی ناقص۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کی مخلوقات کو شریک بنا لیا گیا تھا۔۔۔۔ایک طرف مخلوقات کی بہت سی خصوصیات اور نقائص کے ساتھ اللہ رب العزت کو متصف کیا گیا تھا اور دوسری طرف اس کی بہت ساری صفات خاصہ اور کمالات الوہیت مخلوقات کو عطا کر دی گئی تھیں۔۔۔۔دور جاہلیت کی اکثر گمراہیوں کا سرچشمہ یہی کمزوری تھی۔۔۔۔اور اس کا نتیجہ

شرک جلی۔۔۔قبور پرستی اور بت پرستی کی صورت میں برآمد ہوا۔۔۔پھر جہاں کہیں نبوت کی تعلیمات کے فیض سے کسی درجہ میں معرفتِ صحیحہ اور توحید کا نور پایا جاتا تھا وہاں اس کی تصحیح اور نظم وضبط کا کوئی سامان نہیں تھا۔۔۔۔نیز عبد ومعبود کے رشتہ کے استحکام اور دوام کی کوئی صورت نہ تھی۔۔۔۔ یہ رشتہ نہایت کمزور۔۔۔۔ بے روح۔۔۔افسردہ بلکہ بے جان ومردہ ہوگیا تھا۔۔۔جس میں یقین کی طاقت تھی نہ محبت کی حرارت۔۔۔نہ عبد ومعبود کا راز ونیاز تھا۔۔۔نہ سازِ دل کا سوز وساز۔۔۔نہ اپنے فقر واحتیاج کا احساس تھا نہ خدا کی صفتِ جود۔۔۔قدرت کاملہ اور خزانہ غیب کی وسعت کا علم۔

آسمانی مذاہب سے تعلق رکھنے والی قوموں میں بھی ایسے افراد گنے چنے رہ گئے تھے جو ہر وقت خدا کو یاد کرتے ہوں۔۔۔۔اس کو حاضر وناظر سمجھتے ہوں اور اس سے ایسا زندہ محسوس اور جذباتی تعلق قائم رکھتے ہوں کہ اسی کو اپنا حقیقی کارساز اور مشکل کشا۔۔۔ دستگیر اور فریادرس سمجھتے ہوں اور ان کو اللہ کی محبت وشفقت پر ایسا ناز ہو جیسا کہ کم ازکم ایک بچے کو اپنی ماں پر یا کسی غلام کو اپنے آقا اور طاقتور بادشاہ پر ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا اعجاز یہ ہے کہ ایک طرف تو عبد ومعبود کے رشتہ اور تعلق کو عقیدۂ توحید کے ذریعہ سے صحیح کیا۔۔۔اس کو تمام آمیزشوں اور آلائشوں سے پاک کیا۔۔۔ جاہلیت کے مشرکانہ خیالات وتوہمات کا خاتمہ کیا۔۔۔ پھر عقائد۔۔۔ عبادات۔۔۔ معاملات۔۔۔اخلاقیات۔۔۔اور فرائض واحکام سے اس رشتۂ عبد ومعبود کو منظم کیا۔۔۔ دوسری طرف اس تعلق کو ایسا استحکام اور دوام بخشا کہ جن لوگوں کی شان تھی لَا یَذْكُرُوْنَ اللهَ اِلَّا قَلِیْلًا (وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں) ان کی شان یہ ہوگئی اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ (کہ وہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں) اور جو لوگ صرف سخت مصیبت اور جان کے خطرے کے وقت ہی اللہ کو پکارنے کے عادی تھے وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (اور جب دریا کی

طوفانی موجیں سائبانوں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اللہ ہی کو پکارتے ہیں) ان کی شان یہ ہوگئی تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (رات کے وقت بھی ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں اور خوف وامید کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں)

عبد ومعبود کے رشتہ کے استحکام اور دوام کے لیے نبی کریم ﷺ نے جو ذرائع اختیار کیے ان میں ذکر اللہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے ذکر اللہ کی جس طرح تاکید فرمائی اور اس کے جو فضائل ومنافع بیان فرمائے، اس کے جن اسرار وحکم کو واضح کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ محض ایک فریضہ اور ضابطہ نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کی ایک بنیادی ضرورت۔۔۔ فطرتِ انسانی کا ایک خاصہ۔۔۔ روح کی غذا اور دل کی دوا ہے۔

پھر ذکر اللہ رب العزت کے جو صیغے اور الفاظ تلقین فرمائے وہ توحید کی تکمیل کرنے والے، عبدیت کے قالب میں روح ڈالنے والے، زندگی کو سکینت وسرور سے اور فضا کو برکت اور نورانیت سے بھرپور کرنے والے ہیں۔ اِس ذکر میں اگرچہ ہر وہ چیز شامل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا استحضار ہو اور ہر وہ کام داخل ہے جو غفلت سے آزاد کرنے والا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک بڑی جامع اور تفصیلی شکل یہ بھی ہے کہ بندہ عظمت اور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کو یاد کرے اور ان کو اپنا وظیفہ بنائے۔

حقیقی معنوں میں اللہ پاک کا نام یعنی اسم ذات صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ''اللہ'' البتہ اس کے صفاتی نام سینکڑوں ہیں جو قرآن واحادیث میں وارد ہوئے ہیں انہی کو اسماء حسنیٰ کہا جاتا ہے یہ سارے اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ کے صفات کمال کے عنوانات اور اس کی معرفت کے دروازے ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا الآية'' اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں بس انہی ناموں سے اللہ کو

پکارو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کیے کی سزا ملے گی۔ یعنی جن ناموں کے معانی تمام معنوں سے اچھے ہیں وہ اللہ ہی کے نام ہیں۔ ان سے مراد وہ الفاظ ہیں جو صرف صفات پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اس ذات پر دلالت کرتے ہیں جو ان صفات کمالات کی حامل ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا وسیلہ دے کر دعا مانگنا جائز بلکہ مستحب ہے، نیز اس آیت میں ایسے لوگوں سے تعلق رکھنے سے منع کیا گیا ہے جو اللہ کے ناموں میں الحاد اختیار کرتے ہیں۔ الحاد کا معنی ہے حق سے مڑ جانا اور جو چیز حق نہیں ہے اُسے حق کی فہرست میں شامل کرنا۔ یہاں ان لوگوں سے مراد مشرک ہیں جنہوں نے اللہ کے ناموں کو اصل مصداق سے موڑ کر اپنے معبودانِ باطلہ اور بتوں کو ان ناموں سے موسوم کر دیا اور ان ناموں میں حروف کی بھی کمی بیشی کر لی جیسے مثلاً اللہ سے اللات، العزیز سے العزیٰ وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفسیر کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ یُلْحِدُوْنَ کا معنی یکذبون سے کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ نام رکھ دیئے جو اللہ نے اپنے لیے اختیار نہیں کیے نہ کتاب اللہ میں آئے اور نہ ہی احادیث مبارکہ میں ان کا تذکرہ ہے اور نہ ہی اجماع امت سے ثابت ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اللہ رب العزت کے نام توقیفی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کا نام جواد ہے سخی نہیں ہے، عالم ہے عاقل نہیں ہے، رحیم سے رقیق نہیں ہے۔ اسی طرح خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ دوسری آیت میں وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کو خادع، ماکر یا مکار نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو خالق کہا جا سکتا ہے۔ لیکن خَالِقُ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيْرِ (بندروں اور

سوروں کے خالق) نہیں کہا جاسکتا۔

مطلب یہ کہ کسی صفت کے موجود ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام خود نہیں بنایا جاسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو صرف انہی ناموں سے پکارا جائے گا جو بطور تعظیم کے قرآن وحدیث میں آئے ہیں اور جہاں صرف تقابلی طور پر آئے ہیں اظہار عظمت مقصود نہیں جیسے وَهُوَ خَادِعُهُمْ یا مَکَرَ اللّٰہُ وغیرہ تو ایسے ناموں سے اللہ کو نہیں پکارا جاسکتا۔

بخاری و مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جس نے ان کو محفوظ کیا وہ جنت میں جائے گا۔

حضرات علماء کرام کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ اسماء الٰہیہ صرف ننانوے میں منحصر نہیں ہیں کیونکہ تتبع اور تلاش کے بعد قرآن وحدیث میں اس سے بہت زیادہ تعداد مل جاتی ہے۔ اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا صحیح مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ جو بندہ ان اسماء الٰہیہ کے مطلب اور مفہوم کو سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین کرے گا جن کے یہ اسماء عنوانات ہیں وہ جنت میں جائے گا یا دوسرے لفظوں میں مختصر یوں کہا جائے کہ جو بندہ اِن اسماء حسنیٰ کے تقاضوں پر عمل کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مَنْ اَحْصَاهَا کا معنی مَنْ حَفِظَهَا سے کیا ہے اور بعض روایات میں لفظ ہی حَفِظَهَا استعمال ہوا ہے۔ اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بندہ ایمان اور عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس کے ننانوے نام محفوظ کرلے اور ان کے ذریعہ اس کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا۔

یہی وہ حقائق ہیں جن کو زیر نظر کتاب خطبات بندیالوی کی جلد ہشتم ونہم میں نہایت تفصیل کے ساتھ دلنشین اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے اور تمام تر تفصیلات کی

بنیاد قرآن کریم۔۔۔صحیح احادیث۔۔۔معتبر شروحات۔۔۔علماء متقدمین کی تحقیقات اور مصنف علام مدظلہ کے اپنے طویل مطالعہ اور تجربہ پر رکھی گئی ہے۔ یہ کتاب محض اسماء حسنیٰ سے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کے ترجمہ اور تشریح کا نام نہیں ہے بلکہ یہ استاذی مکرم حضرت مولانا علامہ عطاء اللہ بندیالوی صاحب مدظلہ العالی کے صحیح فہم قرآن وحدیث فکر ونظر اور ذوق سلیم کا نتیجہ ہے جنہوں نے کامل الفن اساتذہ سے (جن میں حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان، شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین، مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی اور شیخ التفسیر مولانا محمد امیر بندیالوی رحمہم اللہ تعالیٰ سرفہرست ہیں) قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا اور پھر سالہا سال ان موضوعات پر درس دیا، فراغت کے بعد سے اب تک دعوت وارشاد اور تحریر وتصنیف کے کام میں مشغول ہیں اور اس طرح انہیں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے ذہن ودماغ، فہم واستعداد اور ان کی ضرورتوں اور الجھنوں سے گہری واقفیت کا موقع ملا اور "كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ" (لوگوں سے ان کی عقل واستعداد کے مطابق کلام کیا کرو) کی وصیت پر عمل کرنے کی توفیق ملی۔ پھر ذوقی طور پر اس موضوع (اللہ رب العزت کی توحید ذات وصفات جن کے اسماء حسنیٰ عنوانات ہیں) کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص مناسبت عطا کی ہے جس کی وجہ سے یہ موضوع آپ کے لیے صرف علمی اور ذہنی نہیں بلکہ ذوقی اور فطری بن گیا ہے۔ ان تمام وجوہ سے آپ کو اس موضوع پر لکھنے کا حق حاصل تھا جس کو آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بخوبی ادا کیا ہے اور اردو زبان میں اس موضوع پر ایک جامع، مفید، مؤثر اور دلپذیر ذخیرہ تیار ہو گیا۔

پھر اللہ رب العزت نے استاذ محترم کو فیصلہ کن اور جچی تلی بات کرنے اور دوسروں کو سمجھانے کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے وہ بھی اس کتاب میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ نیز احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے ایسی شائستہ، منصفانہ اور متوازن کلام کی گئی ہے کہ مخالفین

بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اِس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ہمارے اسلاف کی جو تحقیقات اور اسرار و معارف عربی زبان میں اور ضخیم کتابوں میں تھے اور اردو دان طبقے سے مکمل چھپے ہوئے تھے اس کتاب نے ان تک رسائی آسان کر دی ہے اور ان تحقیقات میں اس زمانہ کے ذہنوں کی تشفی کا جو سامان ہے وہ کسی انصاف پسند سے مخفی نہیں ہے۔ اس بنا پر اس کتاب کی افادیت اور علمی قدر و قیمت اور بڑھ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مفید کام کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب میں اسماء حسنیٰ کے اسرار و معارف کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے لوگوں کو اپنے عقائد کی اصلاح کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقی اور زندہ و تابندہ تعلق قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد آصف عفی عنہ

6 ذوالحجہ 1441ہجری

فہرست

فہرست

اللہ کے حسین ناموں کی تشریح

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِہَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَآئِہٖ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الاعراف:180)

اور اللہ کیلئے ہیں سب نام اچھے، پس اسکو اس کے ناموں سے پکارا کرو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔

سامعین محترم! میرا ارادہ ہے کہ جمعۃ المبارک کے خطبات میں اللہ رب العزت کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک ایک مبارک اور مقدس نام پر تفصیلی روشنی ڈالوں اور مدلل گفتگو کروں۔

آپ حضرات نے اگر توجہ سے اور پوری یکسوئی سے میری معروضات کو سنا تو آپ کو دلی تسکین بھی نصیب ہوگی اور آپ کا دل و دماغ اس معطر اور مشک بار عنوان سے تروتازہ بھی ہو جائے گا۔

اللہ رب العزت کا ایک ایک مبارک نام اپنے اندر کس قدر مٹھاس، حلاوت، تسکین اور روحانیت لئے ہوئے ہے اس کا صحیح احساس ایک مومن اور موحد ہی کو ہوسکتا

ہے۔

اتنی بات تو آپ جانتے ہیں کہ دعا (پکار) عبادت کا ایک اہم جز ہے بلکہ اسے نبی اکرم ﷺ نے عبادت کا مغز اور نچوڑ کہا ہے "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ" پکار ہی عبادت ہے۔

قرآن نے بھی اس حقیقت کی جانب واضح اشارہ فرمایا ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (المومن:60)

تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول کروں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے اعراض کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

ایک دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرة:186)

میرے پیغمبر! جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں (تو کہہ دو) کہ میں قریب ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اسکی پکار کا جواب دیتا ہوں۔

غور فرمایئے! کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہربان ذات کس قدر کریم ورحیم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنے حضور درخواست کرنے، مانگنے اور سوال کرنے کا ڈھنگ اور طریقہ بھی سکھا دیا ہے تا کہ بندے جب اس کے حضور دست سوال دراز کریں تو اُن کی درخواست اور گزارش کو قبولیت کے شرف سے نوازا جائے۔ بھلا درخواست اور سوال سننے والے سے بہتر مانگنے اور درخواست کرنے کا ڈھنگ اور طریقہ کوئی دوسرا کیسے سکھا سکتا ہے؟

پکارنے کا طریقہ جس ہستی نے قرآن میں بار بار کہا مجھے پکارو اس نے پکارنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا۔

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الاعراف:180)

اور اللہ کیلئے ہیں نام اچھے تو انہی ناموں کے ذریعہ اسے پکارا کرو ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل:110)

(میرے پیغمبر ﷺ) آپ فرما دیجئے کہ تم (اللہ تعالیٰ کو) اللہ کے نام سے پکارو یا رحمان کے نام سے تم اسے جس نام سے بھی پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔

سامعین محترم! ان دونوں آیتوں سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آئی کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ میرے تمام نام جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں سب خوبصورت، حسین اور اچھے نام ہیں اور مجھے انہی ناموں سے پکارو۔ انہی ناموں کا وسیلہ اور واسطہ دیکر اپنی گذارشات اور حاجات میرے سامنے رکھو۔ میں تمہاری پکاریں اور فریادیں سنوں گا بھی سہی اور قبول بھی کروں گا۔

انبیاء کرام علیہ السلام کا طریقہ دعا قرآن وحدیث کے پڑھنے سے یہ حقیقت سمجھ آتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جب کسی مصیبت میں پھنسے، انہیں جب کوئی مشکل پیش آئی جب انہیں ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے دعا مانگی اور پکارا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اس کے ذاتی اور صفاتی ناموں سے پکارا اور اپنی التجا پیش کی۔

سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہوئے یہ دعا فرمائی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرۃ:127)

اے ہمارے پروردگار! ہماری (یہ محنت) قبول فرما یقیناً تو ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

سیدنا زکریا علیہ السلام نے اپنے بڑھاپے میں۔۔۔ بڑھاپا بھی انتہاء درجے کا، پھر بیوی کے بڑھاپے اور بانجھ ہونے کے باوجود بیٹے کیلئے یوں دعا کی: رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (آل عمران:38)

میرے پالنہار عطا کر مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بے شک تو سننے والا ہے دعاء کا۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ (انبیاء:89)

میرے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑنا اور بہترین وارث تو آپ ہی ہیں۔

سیدنا ایوب علیہ السلام نے کتنے برس بیماری و مصیبت میں گذارے۔ بڑے صبر کے ساتھ دکھ جھیلتے رہے کسی قسم کا شکوہ اور شکایت زبان پر نہیں آئی اور کوئی مطالبہ نہیں کیا اور رب العالمین کی بارگاہ میں یوں التجا کی:

اَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (انبیاء:83)

مولا! مجھے تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام رب کے سامنے یوں التجا کرتے ہیں:

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ (اعراف:155)

تو ہی ہمارا کارساز ہے ہمیں معاف فرما دے اور ہم پر رحم فرما اور تو بہترین معاف کرنے والا ہے۔

امام الانبیاء ﷺ پر جب مشرکین کی زیادتیاں، ہٹ دھرمیاں اور ظلم و بربریت کی انتہاء ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ دعا سکھائی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (زمر:46)

اے میرے اللہ زمین و آسمان کے خالق غیب اور حاضر کو جاننے والے تو ہی اپنے بندوں میں اس چیز کا فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔

غزوہ بدر تاریخ اسلام کا اہم ترین غزوہ ہے، یہ حق و باطل کے مابین پہلا اور فیصلہ کن معرکہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ قلیل اور غیر مسلح ساتھیوں کے ہمراہ ایک مسلح اور جنگجو لشکر کے مقابلے میں تھے۔

آپ ﷺ نے اس نازک، مشکل اور کٹھن وقت میں کیسے دعا مانگی اور کن لفظوں میں اپنے پروردگار کو پکارا۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ (ترمذی: کتاب الدعوات)

اے زندہ و جاوید! اے منتظم کائنات! میں تجھ ہی سے تیری رحمت کا سوالی ہوں۔

امام الانبیاء ﷺ کی ایک دعا مسند احمد میں ہے ذرا اسے سماعت فرمائیے۔

أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ

(مسند احمد، بیہقی: کتاب الدعوات)

یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے ہر اس نام (کے توسل سے) جو تیرا نام ہے اور ہر ایسے نام سے جو تو نے اپنے لئے پسند فرمایا یا جس نام کو تو نے اپنی کتاب (قرآن) میں نازل فرمایا یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا یا تو نے اس نام کو اپنے علم غیب (کے خزانے) میں اپنے پاس محفوظ رکھا۔

سامعین گرامی قدر! اللہ کے مبارک اور مقدس اور معظم اور محترم ناموں کے وسیلے سے دعا مانگنے کو امام الانبیاء ﷺ نے مستحسن قرار دیا ہے۔

ایک شخص کو سنا کہ وہ یوں دعا کر رہا تھا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

اے اللہ! میں تجھ سے اس وسیلے کے ساتھ دعا مانگتا ہوں کہ میں نے گواہی دی ہے کہ تو ہی اللہ ہے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے بے نیاز جو نہ خود کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہم سر ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس کی دعا سن کر فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ سَاَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی (ترمذی: کتاب الدعوات)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے وسیلے سے دعا کی ہے جب اس کے وسیلے سے دعا کی جائے تو اللہ قبول کرتا ہے اور اگر کچھ مانگا جائے تو عطا کرتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے ایک شخص کو یوں دعا مانگتے ہوئے سنا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ بے شک تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی بہت احسان کرنے والا ہے، آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا اور عظمت وجلال والا ہے اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور قائم رہنے والے۔ آپ ﷺ نے اس شخص کی دعا کے

ان الفاظ کو سن کر فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ دَعَا اللّٰہَ بِاسْمِہِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی (ابوداؤد: کتاب الصلوۃ: باب الدعاء)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میرے جان ہے اس شخص نے بڑے عظیم نام (کے وسیلے) سے دعا کی ہے جب اس نام کے ذریعے دعا کی جائے تو اللہ اسے قبول کرتے ہیں اور جب اس کے نام کے ذریعے مانگا جائے تو اللہ عطا کرتے ہیں۔

حضرات گرامی قدر! میری گفتگو سے یہ بات سمجھ آتی ہے، اور میرے بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وتبارک سے جب بھی دعا کی جائے، یا درخواست پیش کی جائے، یا اسے پکارا جائے تو اس کو اس کے ذاتی اور صفاتی ناموں کے ساتھ پکارا جائے۔ جیسے اللہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے اور جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عمل سے واضح ہے اور جیسے امام الانبیاء ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ثابت ہے اسی بات کی آپ ﷺ نے امت کو تلقین فرمائی ہے۔ انبیاء کرام علیھم السلام کی دعاؤں سے اور قرآن کی تعلیم کردہ مناجات سے امام الانبیاء ﷺ کی مانگی ہوئی اور تلقین کی ہوئی دعاؤں سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جس مقصد کیلئے دعا کی جائے اس کے مطابق اللہ کے صفاتی نام کا وسیلہ اختیار کیا جائے، بلکہ اللہ کی اس صفت پر مکمل ایمان اور یقین رکھا جائے۔

مثلاً: جب اللہ سے رزق کی فراخی وکشادگی کا سوال کیا جائے اور حلال روزی کیلئے درخواست پیش کی جائے تو اس کو یا رازق، یا رزّاق، یا باسط اور انت خیر الرازقین کے صفاتی نام سے پکارا جائے۔

جب اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ اور بخشش مانگی جائے تو یا توّاب، یا غفور، یا غفّار، غافر الذنب کے صفاتی اسماء سے درخواست کی جائے۔

جب اللہ سے شفا کی درخواست کرنی ہو تو یا شافی، یا انت شافی کے صفاتی نام سے

التجا کی جائے۔

جب اللہ سے رحم وکرم مانگنا ہو تو پھر یا رحیم، یا رحمان، یا کریم کے نام کے ساتھ دہائی دی جائے۔

گناہوں کی پردہ پوشی کیلئے یا ستار کے نام کے ساتھ، حفظ وامان کے سوال کیلئے یا حافظ، یا حفیظ اور خیر الحافظین کے نام کے ساتھ۔ جود وکرم کیلئے یا جواد کے نام کے ساتھ اور دعا کی قبولیت کیلئے اور اپنی التجا اور فریاد رسی کیلئے یا مغیث اور یا مجیب الدعوات کے صفاتی ناموں کے وسیلے سے التجا کی جائے۔

عزت وتکریم کی خواہش کیلئے یا عزیز۔ فضل ورحمت مانگنے کیلئے یا ذاالفضل، عدل وانصاف کی طلب کیلئے یا حاکم، خیر الحاکمین، احکم الحاکمین۔ سلامتی اور امن کیلئے یَاسَلَامُ یَا مُؤمِنُ۔ انعام الٰہی مانگنے کیلئے یَا مُنْعِمُ۔ نفع کی درخواست کیلئے یَا نَافِعُ۔ بلندی درجات کیلئے یَا رَافِعُ یَا رَفِیْعُ یَا رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ۔ دلوں کی ثابت قدمی کیلئے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ یَا مُثَبِّتَ الْقُلُوْبِ۔ احسان ومہربانی اور بھلائی کی طلب کیلئے یَا مَنَّانُ یَا مُحْسِنُ۔ سیدھے راستے پر قائم رکھنے کیلئے یَا رَاشِدُ یَا رَشِیْدُ کے صفاتی ناموں کے وسیلے سے دعا مانگنی چاہیے۔

کیا اللہ کے صرف ننانوے نام ہیں؟

عوام الناس بلکہ خواص تک کا عام خیال یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے 99 نام ہیں۔

اس خیال کی بنیاد اور دلیل وہ احادیث ہیں جو اس سلسلہ میں نقل کی جاتی ہیں۔ میں پہلے وہ حدیثیں آپ کو سنا دیتا ہوں۔

سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ اِسْماً مِائَۃً اِلَّا وَاحِداً مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ

الْجَنَّةَ (بخاری: کتاب التوحید)

بے شک اللہ کے 99 نام ہیں (یعنی) ایک کم سو جو شخص ان کو یاد رکھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یاد رکھیے! بخاری کی روایت میں ۹۹ ناموں کی تفصیل اور فہرست موجود نہیں ہے۔ اہلسنت کے ہاں حدیث کی دوسری معتبر ترین کتاب مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَّتِسْعِيْنَ اِسْماً مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ (مسلم، کتاب الدعوات: باب فی اسماء اللہ)

اللہ کے 99 نام ہیں جس نے ان کو یاد رکھا وہ جنت میں داخل ہوگا بے شک اللہ طاق ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔

ان دو کتابوں کے علاوہ ترمذی "کتاب الدعوات ما جاء فی عقد التسبیح بالید" میں اور سنن ابن ماجہ "کتاب الدعاء باب اسماء اللہ عزوجل" میں اور دارمی ونسائی میں بھی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث مبارکہ کو نقل کیا گیا ہے۔

بلکہ مصنف عبدالرزاق سے لے کر ابونعیم اصفہانی اور دیلمی تک محدثین نے اس حدیث کو تواتر سے اپنی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے۔

ابن عطیہ اندلسی نے اپنی تفسیر المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث متواتر روایت ہے۔ مگر اس حدیث میں 99 ناموں کا ذکر نہیں ہے۔

99 ناموں کا تذکرہ اور 99 ناموں کی فہرست سنن ترمذی "باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید" کی ایک روایت میں ہے، سنن ابن ماجہ میں "کتاب الدعاء" کے اندر ایک روایت ہے، صحیح ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ناموں کا تذکرہ ہے، صحیح ابن حبان نے "کتاب الاحسان" میں اسماء الٰہی کو شمار کیا ہے۔

طبرانی نے اور مستدرک حاکم نے کتاب الایمان میں ۱۹۹ اسماء الٰہی کو شمار کرنے کی کوشش کی ہے۔

مگر آپ یہ سن کر حیران بھی ہونگے اور متعجب بھی کہ ہر محدث کے شمار کردہ نام دوسرے محدث کے شمار کردہ ناموں سے مختلف ہیں۔

کیا یہ بات قابل غور نہیں کہ ترمذی کی بیان کردہ فہرست میں اللہ رب العزت کا ایسا نام جسے قرآن نے نوسو سے زیادہ مرتبہ ذکر کیا ہے یعنی الرّب موجود نہیں ہے۔

چنانچہ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف المعلی بالآثار، جلد 6 ص 281 میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی 99 ناموں والی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کے شمار کرنے کے بارے میں حدیث میں مختلف روایات آئی ہیں ان روایات میں سے کوئی بھی صحت کے معیار پر پوری نہیں اترتی اس لئے اسماء الٰہی قرآنی آیات ہی سے اخذ کیے جائیں اور جو نام نبی اکرم ﷺ سے صحیح روایات سے ثابت ہوں انہیں لیا جائے۔

مشہور محدث امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام الانبیاء ﷺ کے ۱۹۹ اسماء الٰہی والے فرمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

اللہ رب العزت کے ناموں کو ۹۹ کے عدد میں محدود کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ۹۹ ناموں کے علاوہ اللہ کا اور کوئی نام نہیں ہے بلکہ ارشاد نبوی ﷺ کا اصل مقصد یہ ہے کہ جس شخص نے ۱۹۹ اسماء الٰہی کو حفظ کرلیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

گویا حدیث میں ان اسماء الٰہی کو یاد کرنے والے کو دخول جنت کی خوشخبری دی جا رہی ہے نہ کہ ان اسماء کی تعداد کی خبر دی جارہی ہے۔ (نووی)

سامعین گرامی قدر! میں آپ کے سامنے کچھ ایسی روایات رکھنا چاہتا ہوں جن

سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء گرامی صرف ۹۹ نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک دعا حدیث کی کتابوں میں منقول ہے:

اے اللہ! میں آپ کی رضا کے ذریعے آپ کی ناراضی سے پناہ مانگتا ہوں اور آپ کی معافی کے ذریعے آپ کی سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور میں آپ کی ذات سے آپ ہی کی پناہ مانگتا ہوں میں آپ کی تعریف وثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''لا احصی ثناء علیك'' سے استدلال کیا ہے کہ اگر آپ تمام اسماء الٰہی کا شمار اور احاطہ فرما لیتے تو اللہ رب العزت کی تمام صفات کا بھی احاطہ کر لیتے پھر آپ اللہ کی تعریف بھی کامل فرما لیتے۔ کیونکہ اللہ کی صفات اس کے اسماء ہی کا بیان ہے۔

طبرانی کی ایک روایت بھی سن لیجئے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ عرض کیا بَیا رَسُوْلَ اللهِ! عَلِّمْنِیْ اِسْمَ اللهِ الْعَظِیْم

مجھے اللہ کا اسم اعظم سکھا دیجئے۔ آپ ﷺ کے سکھانے سے انہوں نے یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاَسْمَائِكَ الْحُسْنٰی كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ

میرے اللہ میں تجھ سے سوال کرتی ہوں تیرے تمام اسماء حسنیٰ کے وسیلے سے جو میں جانتی ہوں اور جو میں نہیں جانتی۔ (طبرانی، جلد: ۲، ص: ۸۲۹)

احادیث کی چند کتابوں میں اسماء الٰہی کو شمار کر کے جو ۹۹ کا عدد پورا کیا گیا ہے، معلوم ایسے ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں

(جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے) مگر انہیں شمار نہیں کرایا (یا چند ناموں کو بطور مثال بتایا ہوگا) مگر ان ناموں کو یاد کرنے اور محفوظ کرنے پر جنت کی بشارت ہے اس لئے لوگوں نے خود ہی ۹۹ ناموں کی تلاش شروع کردی اب چونکہ ہر جستجو کرنے والے نے اپنے ذوق جستجو کے مطابق تلاش سے کام لیا اس لئے اسماء الہی میں ان کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا۔ کچھ نام ایک محدث نے ذکر کئے تو وہ نام دوسرے محدث نے ذکر نہیں کئے۔

اور اس کی بالکل وہی صورت بن گئی کہ اسم اعظم کیا ہے؟ اور شب قدر کون سی رات ہے؟ اور جمعہ کے روز قبولیت دعا کی گھڑی کونسی ہے؟

آج تک امت کے کسی فرد کو حتمی اور یقینی طور پر معلوم نہ ہوسکا کہ اسم اعظم کونسا ہے؟ اور شب قدر کونسی رات ہے؟ اور جمعہ کے دن قبولیت کی ساعت کون سی ہے؟

یہی صورت اللہ رب العزت کے ۹۹ ناموں کی ہوئی کہ اللہ نے ان متعدد ناموں کو پوشیدہ رکھا ہے اپنے تمام اسماء میں تاکہ لوگ اسے تمام اچھے اچھے ناموں سے پکاریں۔

(احکام القرآن ابن عربی جلد: ۲ ص: ۳۴۰)

ہمارے نزدیک ان تمام الجھنوں کا حل یہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید میں وللہ الاسماء الحسنی آیا ہے مگر تعداد کا کوئی ذکر نہیں، اس لئے حدیث میں ۹۹ کا عدد کثرت سے کنایہ سمجھا جائے گا۔

اس لئے جتنے بھی حسین ترین نام ہیں وہ سب کے سب اللہ کیلئے ہیں۔ خواہ وہ قرآن کی آیات کے اندر ہوں یا احادیث کی کتب میں ہوں۔ چاہے وہ مرکب ہوں یا مفرد۔ خواہ وہ نام افعال سے لئے جائیں یا بطور اسماء آئے ہوں، خواہ وہ ۹۹ ہوں یا کئی سو ہوں، سب نام الہی حسین ہیں، جمیل ہیں، محبوب ہیں، پیارے ہیں، دلپذیر اور دلپسند ہیں، روح کی غذا ہیں، آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، دل کا سرور ہیں۔

یاد رکھیئے! اسماء حسنی دراصل صفات الٰہیہ ہیں۔ ایک ایک نام اکی کئی کئی صفات کو

ظاہر کرتا ہے۔

حدیث میں اللہ کے ناموں کو یاد کرنے والے کیلئے جنت کی بشارت آئی ہے۔
وہاں لفظ ذکر ہوا ''احصاھا'' جس کا معنی بعض روایات ہی میں موجود ہے۔ ''حفظھا'' (مسلم) یعنی جس نے ان ناموں کو یاد کرلیا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ''احصا'' کے معنی یہ ہیں کہ دعا مانگنے والا صرف چند ناموں پر اکتفاء نہ کرلے بلکہ جملہ اسماء کو پڑھ کر دعا مانگے۔

''احصا'' کا ایک معنی ''من عقلھا'' کے ہیں یعنی جو اسماء الٰہی کے معنی میں تدبر اور غور فکر کرتا رہے۔

اور اسماء الٰہیہ کے معنی ومفہوم کو خوب سمجھ لے:

احصاھا کے ایک معنی عمل کرنا کے بھی ہیں۔ یعنی اسماء الٰہیہ کے معنی کو دل ودماغ میں راسخ کر کے اپنا عقیدہ اس کے مطابق بنائے۔

مثلاً جو شخص یا رحمان یا رحیم کہے تو وہ اللہ کی صفت رحمت کو ذہن میں رکھے۔

یا غفار کہے تو ذہن میں رہے کہ وہ بخشنے کی صفت سے مالا مال ہے۔

یا سمیع کہے تو یاد رکھے کہ غائبانہ پکاروں کو سننے والا وہی ہے۔ یا رزاق کہے تو عقیدہ یہ ہو کہ ہر ایک کا روزی رساں وہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی روزی رساں نہیں ہے۔

جو یا قدوس کہے تو پھر یہ عقیدہ رکھے کہ وہ جملہ نقائص سے اور شریکوں سے پاک اور منزہ ہے۔

یاد رکھیئے! ''مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ'' کا مطلب محض زبانی یاد کرلینا نہیں ہے بلکہ اسماء الٰہیہ کی اس طرح محافظت اور نگہداشت کرنا ہے کہ صفات الٰہیہ کا تصور بدن کی رگ رگ میں سما جائے۔

اللہ کا ہر صفاتی نام اس کی کسی نہ کسی صفت کا اظہار ہے۔ ''من احصاھا'' اور

"من حفظها" سے مقصود یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی ہر صفت اور ہر وصف کو اسی کی ذات میں بندر کھا جائے اور اس کی کوئی صفت مخلوقات میں سے کسی کے اندر نہ مانی جائے۔

اسماء الہیہ، صفات الہیہ محض برکت والا وظیفہ نہیں ہے جن کو صرف وردا ورذکر ہی سمجھ لیا جائے، بلکہ یہی وہ بنیادی قدریں ہیں جن کے گرد سارا اسلام گردش کرتا ہے۔ انہی سے اللہ کا صحیح اور حقیقی تصور پیدا ہوتا ہے۔ انہی سے توحید کے گلشن کو سیرابی ملتی ہے وہ توحید جو دین کا بنیادی پتھر، شریعت اسلامیہ کا مرکزی نقطہ، اسلام کی روح، جنت کی ضمانت، بخشش کا پروانہ، رحمت کی نوید، قرآن کا دعویٰ، بعثت انبیاء کی غرض، نجات کا سبب، تخلیق کائنات کی وجہ ہے۔

اللہ رب العزت کیلئے اسماء حسنیٰ کا تذکرہ مندرجہ ذیل سورتوں میں ہوا ہے۔

- سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۰
- سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۱۰
- سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۸
- سورۃ حشر آیت نمبر ۲۴

خطباء حضرات ان آیات کو سامعین کے سامنے تلاوت فرما کر ان کا مفہوم اور تفسیر بیان فرمائیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اللہ کے حسین ناموں کی تشریح

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَائِہٖ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الاعراف:180)

اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب نام اچھے پس اسے انہی ناموں کے ساتھ پکارو جو لوگ اس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو وہ عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیں گے

سامعین محترم! اللہ رب العزت کے بے شمار نام ہیں جنہیں اسماء الحسنیٰ کہا گیا ہے۔ حُسنیٰ کے معنی حسین، بہترین اور خوب ترین کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں کو حُسنیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان ناموں کو جس پہلو اور جس زاویے سے بھی دیکھا جائے ان میں سراپا عمدگی اور دلربا حسن نظر آتا ہے۔

مشہور مفسر فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اللہ کی ذات بابرکات سب سے اعلیٰ، سب سے بلند و برتر، سب سے بڑی، تمام صفات سے موصوف اور تمام عیوب و نقائص سے منزہ اور پاک ہے۔ تو جو ذات ہم صفت موصوف ہو اس کے نام بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں کیونکہ ذات اسماء اور صفات ہی کے ذریعہ مشخص اور متصف ہوتی ہے۔

اللہ کے صفاتی نام تو بے شمار ہیں مگر ذاتی نام صرف ''اللہ'' ہے۔ جس کا معنی ومفہوم ہے ایسی ذات جو تمام کمالات وصفات کی جامع اور تمام نقائص وعیوب سے پاک ہے۔ یہ نام تمام صفاتی ناموں کا جامع ہے۔ تمام صفاتی نام اسی ذاتی نام سے متعلق ہیں۔ قرآن مجید میں یہ نام 2699 مرتبہ آیا ہے۔ قرآن میں اتنی کثرت سے کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا جتنی کثرت سے اسم اللہ استعمال ہوا ہے۔

اسم مبارک اللہ۔۔۔۔۔۔ اللہ رب العزت کے تمام ناموں میں عظیم اور عظمت والا ہے اور اکثر علماء کے نزدیک یہی نام اسم اعظم کا درجہ رکھتا ہے۔۔ کیونکہ یہ نام اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا جامع ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوۃ میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک قول نقل فرمایا ہے: اَلْاِسْمُ الْاَعْظَمُ ھُوَ اللّٰہُ لٰکِنْ بِشَرْطِ اَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰہُ" وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِکَ سِوَی اللّٰہِ (مرقات، جلد:۵ ص:۷۵)

اسم اعظم اللہ ہی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ جب تو اللہ کو اس مبارک نام سے اس طرح پکارے کہ تیرے دل میں کسی اور کا خیال تک نہ آئے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: وَاِنَّ اسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰی ھُوَ الْجَامِعُ لِجَمِیْعِ مَعَانِی الْاَسْمَاءِ الْحُسْنٰی وَالصِّفَاتِ الْعُلٰی

اللہ کا یہ ذاتی نام تمام اسماء حسنی (صفاتی) اور تمام بلند صفات کے مفہوم کو جمع کرنے والا ہے۔ (بدائع الفوائد، جلد:۲ ص:۲۴۹)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ علیہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام صفاتی نام اللہ رب العزت کی ذات کی کسی ایک صفت اور ایک وصف اور ایک کمال کو واضح اور اجاگر اور ثابت کرتے ہیں مثلاً: صفت رحمت کو یا رحمن یا رحیم واضح کر رہے ہیں۔ قدرت کی صفت کو اجاگر کرنا ہو تو یا قدیر، ربوبیت کے لیے یا رب، صفتِ تخلیق کو یا خالق کے ساتھ نمایاں کریں گے، السمیع صفت سماعت کو، الغفار صفتِ مغفرت وبخشش کو۔۔۔۔۔ غرضیکہ اللہ کے

سب نام اس کی مختلف صفات پر دلیل اور نشان ہیں ان میں سے کوئی ایک نام ایسا نہیں ہے جو اللہ کی تمام صفات کا احاطہ کر سکے۔ صرف اللہ ہی ایسا مبارک نام ہے جو تمام اسماء حسنی کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ (لغت کی مشہور کتاب تاج العروس، جلد: ۱، ص: ۴۷ ۳ میں بھی یہی لکھا ہے) یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالی کی صفات وکمالات کا تذکرہ آیا ہے اس کا آغاز عام طور پر اسم ذات اللہ ہی سے ہوا ہے۔ اللہ کے ساتھ باقی اسماء حسنی کا بیان وتذکرہ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے اجمال کی تفسیر یا متن کی تشریح ہو رہی ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ تمام اسماء حسنی اسم ''اللہ'' ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور یہ قاعدہ اور قانون اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ منسوب الیہ (جس کی طرف نسبت کی گئی ہو) منسوب سے افضل ہوتا ہے۔ پھر اس قاعدہ سے ثابت ہوا کہ اصل موصوف اسم اللہ ہے جو تمام اسماء حسنی میں سے افضل واعظم ہے۔

آیئے! میں آپ کے سامنے ایک دو آیتیں پیش کرتا ہوں جہاں باری تعالی نے اپنے صفاتی ناموں کا آغاز اپنے ذاتی نام اللہ سے فرمایا ہے۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ (22) هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (23) هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الحشر: ۲۲ تا ۲۴)

ان آیتوں میں اللہ کی صفات (الوہیت، مالک، سبحان، سلامتی، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست، دباؤ والا، صاحب عظمت وکبریائی، خالق وباری، مصور وعزیز وحکیم) کا آغاز اسم اللہ ہی سے ہوا ہے۔ اسی طرح آیۃ الکرسی کو پڑھ لیجیے وہاں بھی تمام صفات الہیہ کا آغاز اللہ کے ذاتی نام سے ہی ہوا ہے۔

سورہ حم المومن کی ابتداء میں اللہ کی صفات عالیہ کو ''تنزیل الکتاب من اللہ'' سے

شروع کیا گیا ہے۔

اللہ کے اسم اعظم ہونے کی دوسری وجہ

اللہ کے اسم اعظم ہونے کی دوسری وجہ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ اسم یعنی اللہ۔۔۔۔اللہ رب العزت کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ باقی اسماء بعض اوقات مخلوق کے لیے بھی بولے جاتے ہیں جیسے ''رؤف رحیم'' سورہ توبہ میں امام الانبیاء ﷺ کے لیے بطور صفت استعمال ہوا۔ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔۔۔۔۔۔ہر انسان کے لیے استعمال ہوا اور خود رب العزت نے استعمال فرمایا۔ ''ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ'' مشرکین و کفار کے لیے بولا گیا۔ اسی طرح عزیز، مصور، علیم، حلیم، حکیم، ولی، علی وغیرہ غیر اللہ کے لیے بھی مستعمل ہیں مگر اللہ کا اسم مشرکین و کفار بھی غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں ہے: هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (مریم:65)

تم کسی ایسی شخصیت کو جانتے ہو جو اللہ کی ہم نام ہو یعنی ''هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ مَنِ اسْمُهٗ اللّٰهُ سِوَى اللّٰهِ'' کیا تو ایسی ذات کو جانتا ہے جس کا نام اللہ ہو سوائے اللہ رب العزت کے۔

علاوہ ازیں اللہ کے صفاتی نام گن کر کہا جاتا ہے کہ یہ سب اللہ کے نام ہیں مگر اس طرح کبھی نہیں کہا جاتا کہ اللہ رحمان کا نام ہے یا اللہ خالق کا نام ہے یا اللہ رحیم کا نام ہے۔ پھر ثابت ہوا کہ تمام اسماء حسنیٰ میں عظیم و برتر اور اکبر نام اللہ ہی ہے۔

اللہ کے اسم اعظم ہونے کی تیسری وجہ

علمائے کرام نے اس پر بڑی بحث اور گفتگو کی ہے کہ اللہ کا یہ ذاتی نام کسی سے مشتق ہے یا غیر مشتق ہے۔ کچھ علماء کا خیال یہ ہے کہ اللہ کا نام مشتق ہے ''إلہ'' سے۔۔۔۔اَلَہَ یا لَہُ جس کا معنی ہے عبادت کرنا، معبود ہونا۔ اس اعتبار سے اللہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہی معبود حقیقی ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ قرآن میں إلٰہ کا لفظ معبود کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے

اپنے بیٹوں سے دریافت فرمایا میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ بیٹوں نے جواب میں عرض کیا: نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ (بقرہ: ۱۳۳)

ہم عبادت کریں گے تیرے الہ کی اور تیرے آبا وجداد کے الہ کی۔ ہر پیغمبر اپنی قوم سے کہتا رہا ۔۔۔۔۔ "اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ" اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارے لیے الہ اور کوئی نہیں ہے۔

کچھ علماء کا خیال یہ ہے کہ الہ کا معنی ہے حیرت زدہ ہونا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بندہ جب اللہ رب العزت کی عظمت وجلال میں اور اس کی شان واوصاف میں غور کرتا ہے تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔

میری اور آپ کی حقیقت کیا ہے جو لوگ اہل معرفت تھے جنہوں نے اس کا قرب پانے کے لیے ریاضتیں کیں، برسوں کے مشاہدے اور مراقبے اور اس کی ذات کے بارے میں غور وفکر کے بعد اقرار کرنے لگے:

مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالی نے یہ بات کتنی مبنی برحق فرمائی ہے

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم
وز ہر چہ گفتہ اند وخواندہ ایم شنیدہ ایم
دفتر تمام گشت بہ پایاں رسید عمر
مایم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اردو کا ایک شاعر کہتا ہے

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
میں جان گیا تیری پہچان یہی ہے

کچھ علماء کا کہنا ہے کہ اللہ "لاہ" سے ماخوذ ہے بمعنی بلند اور محبوب، چونکہ اللہ انسانی

آنکھ سے پوشیدہ ہے اور ہر اس چیز سے بلند وبالا ہے جو اس کے لائق نہیں ۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ...... سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ اس پر دلیل ہے۔

کچھ علماء کا خیال ہے کہ اللہ کا لفظ "وَلَاهٌ" سے بنا ہے جس کا معنی ہے بچے کا خوف زدہ ہوکر ماں کی طرف لپکنا، چونکہ مخلوق کا ایک ایک فرد اپنے مصائب، دکھ اور پریشانیوں میں گھبرا کر اللہ کی طرف لپکتا ہے، اس لیے اسے اللہ کہتے ہیں۔ (دیکھئے لغت کی مشہور کتاب لسان العرب، جلد: ۱۳، ص: ۴۶۹)

علماء راسخین کا کہنا یہ ہے کہ لفظ اللہ ذات واجب الوجود کے لیے علم (شخصی نام) ہے اور کسی لفظ سے ماخوذ اور مشتق نہیں ہے۔ جس طرح اللہ کا لفظ کسی سے ماخوذ نہیں ہے اسی طرح اس سے کوئی دوسرا لفظ بھی ماخوذ نہیں ہے۔ گویا کہ جو شان ومقام اور مرتبہ مسمّٰی کا ہے وہی درجہ وعظمت اسم کی بھی ہے۔ مسمّٰی کی شان اور صفت ہے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (نہ اس نے جنا نہ اسے کسی نے جنا، نہ اس سے کوئی نکلا اور نہ وہ خود کسی سے نکلا) یہی شان اس کے نام کی بھی ہے۔ نہ اس کے نام سے کوئی بنا اور نہ اس کا نام کسی لفظ سے بنا۔ ہاں ہاں جس طرح اس کی ذات کسی سے نہیں بنی اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والا لفظ اللہ بھی کسی دوسرے لفظ سے نہیں بنا۔

بڑی عجیب بات ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کا ادراک کرنے سے انسانی عقل عاجز اور درماندہ ہے اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والے نام کی حقیقت کو پانے سے بھی انسانی عقلیں حیران اور پریشان ہیں۔

کسی نے کہا یہ لفظ سریانی ہے، کسی نے کہا عربی ہے، کسی نے کہا یہ وصف اور مشتق ہے، کسی نے کہا علم ہے۔۔۔۔ جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ لفظ اللہ عربی زبان کا لفظ ہے اور علم ہے جو کسی دوسرے لفظ سے ماخوذ نہیں ہے۔۔۔ امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اللہ کا اسم اعظم یہی نام

ہے۔(رد المحتار، جلد:۱ص:۵)

تفسیر خازن میں ہے :ھُوَ اِسْمٌ عَلَمٌ خَاصٌ لِلّٰہِ تَعَالٰی تَفَرَّدَ بِہٖ الْبَارِیُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی لَیْسَ بِمُشْتَقٍ وَلَا یَشْرَکُہٗ فِیْہِ اَحَدٌ

سامعین گرامی! کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کی ذات بھی کسی سے نہیں نکلی اور اس کا نام بھی کسی لفظ سے ماخوذ نہیں ہے۔اس کی واحدانیت اس قدر ظاہر باہر اور واضح ہے کہ مشرکین نے ہر دور میں معبودانِ باطلہ کے لیے طرح طرح کے نام اور اوصاف وضع کر رکھی تھیں مگر آج تک کسی مشرک نے اپنے جھوٹے معبود کا نام اللہ نہیں رکھا،لہٰذا یہ نام (اللہ) اپنے وجود میں شروع سے آخر تک بے مثل اور بے نظیر رہا ہے۔

مشرکین نے چھوٹے چھوٹے معبود بنا رکھے تھے۔ان سے پوچھا جاتا ان کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہو؟ ان کے نام کی نذر و نیاز کیوں دیتے ہو؟ ان کے آگے سجدہ ریزیاں کیوں کرتے ہے؟ جواب میں مشرکین کہتے :ھٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ (یونس:18) یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (زمر:3) یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔

اللہ رب العزت کے تمام اسماء حسنیٰ میں یہ خصوصیت صرف اللہ کے نام کو حاصل ہے کہ اس پر تائے قسم وارد ہوتی ہے۔یعنی بولتے ہیں تاللہ۔۔۔ورنہ حرف تا بمعنی قسم اور کسی اسم پر وارد نہیں ہوتا۔

☆ یہی نام ہے جس پر الحمد کا استعمال ہوتا ہے۔الحمد للہ رب العالمین۔کسی دوسرے نام پر الحمد کا استعمال نہیں ہوتا۔اَلْحَمْدُ لِلْخَالِقِ ۔اَلْحَمْدُ لِلرَّحْمَانِ یا اَلْحَمْدُ لِلسَّمِیْعِ نہیں بولا جاتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح یہ اسم (اللہ) مسمی (جس ذات کا نام ہے) کی ذات وصفات سب پر حاوی ہے اور اس نے تمام صفات کو گھیر رکھا ہے اسی طرح لفظ الحمد بھی تمام

صفات وکمالات کا جامع ہے۔ اس لیے کامل ترین اسم کے لیے کامل صفت (الحمد) کی ضرورت تھی۔

☆ اللہ ہی وہ عظیم اور مقدس نام ہے جس کے آخر میں حرف میم شامل کیا جاتا ہے اور وہ حرف ندا کا کام دیتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ (اے اللہ)

قرآن مجید میں کئی ایسی دعاؤں کا تذکرہ ہے جو اسی اسم مقدس کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (آل عمران:26)

ایک اور دعا کا تذکرہ ہوا: قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (زمر:46)

اے اللہ! زمین وآسمان کو پیدا کرنے والے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں میں فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ کی اکثر دعائیں بھی اسی نام سے شروع ہوتی ہیں۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ الْمَنَّانُ بَدِيعُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ (ابوداود: باب الدعا)

یااللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ ہر حمد وخوبی تیرے لیے ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو یکتا ہے تیرا کوئی شریک نہیں بڑے انعامات کا عطا کرنے والا آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے والا عزت وکرم کا مالک، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اے قائم رہنے والے۔

قرآن مجید نے مشرکین مکہ کی ایک دعا کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے میدانِ بدر کی جانب جاتے ہوئے مانگی: وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ

عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (انفال:32)

اے اللہ! اگر یہ (نبی) حق ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا دردناک عذاب بھیج دے۔

مشرکین مکہ کی اس دعا سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ اللہ کی ذات کے قائل تھے اور اسے مصائب میں پکارتے بھی تھے۔ وہ اپنے معبودوں کو اللہ یا اللہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارا خالق، رازق، مالک، محی، ممیت، مدبر کون ہے تو وہ جواب میں کہتے تھے اللہ ہے۔ وہ اپنے معبودوں کو شفیع غالب سمجھ کر پکارتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے۔

اسم اللہ کی ترکیب لفظی اسم اللہ ایسا مبارک، حسین، مقدس اور بامعنی ہے کہ اگر اس میں سے کوئی حرف گرا دیا جائے پھر بھی اس کا معنوی حسن برقرار رہتا ہے۔ مثلاً: اللہ کے شروع سے الف گرا دیا جائے تو للہ رہ جائے گا مگر معنوی دلالت اور حسن برقرار رہے گا۔ معنی ہوگا، اللہ کے لیے۔

قرآن میں ہے: وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (منافقون) اللہ ہی کے لیے ہیں زمین و آسمان کے خزانے۔ قرآن کی کئی جگہوں پر ہے: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

اسی طرح للہ سے لام گرا دیں تو الٰہ رہ جائے گا جس کے معنی معبود کے ہیں۔ قرآن میں کتنی جگہوں پر ہے: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (اور تمہارا معبود ایک معبود ہے) اور اگر الٰہ کے الف کو حذف کر دیں تو (لہ) باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے (اس کے لیے) قرآن میں ہے: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (آیۃ الکرسی)

اور اگر (لہ) کا لام بھی گرا دیں تو (ہ) ضمیر باقی رہ جائے گی۔ جس کا تلفظ (ھُو) ہے اور معنی ہوگا (وہ) هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (المومن:65) وہی زندہ ہے اور اس کے

علاوہ معبود کوئی نہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (کہہ دے وہ اللہ ایک ہے)

سامعین گرامی قدر! میں ایسی آیت پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں (للہ، لہ اور ھو) تینوں طریقے استعمال ہوئے ہیں۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (36) وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جاثیہ: 37،36)

پس اللہ ہی کے لیے خوبیاں ہیں جو زمین و آسمان کا رب ہے (بلکہ) رب سارے جہانوں کا اور اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے غالب حکمت والا۔

ہر کام کی ابتدا میں اللہ کا نام

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے تمام اقوال، اعمال، افعال اور مہمات کو اللہ کے مقدس نام کی مدد سے شروع کریں۔ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

ہر وہ اہم کام جسے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص اور ادھورا ہے۔ (الدر المنثور: 1/:23)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کھانے، پینے، ذبح کرنے، جماع کرنے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہونے غرضیکہ ہر اہم کام سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لینا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (انعام: 118) تم (ذبیحہ) سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا (ھود: 41) اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کشتی کا چلنا اور رکنا اللہ کے نام سے ہے۔

امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: دروازہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو۔ چراغ بجھاتے ہوئے، برتن کو ڈھانکتے ہوئے، مشکیزے کا منہ بند کرتے ہوئے، عمل تزویج کرتے ہوئے بسم اللہ کہو۔

آپ ﷺ نے دسترخوان پر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بیٹے! کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھو اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ وضو کرتے تو پہلے بسم اللہ پڑھتے پھر اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالتے (تفسیر قرطبی: جلد: 1 ص 97)

ہر نیک، صحیح اور مباح کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی عادت پڑ جائے تو پھر اس شخص کے لیے برے کاموں سے رکنا آسان اور سہل ہو جائے گا۔ انسان بار بار اسی کا نام لیتا ہے جس سے اس کو بہت زیادہ محبت اور عقیدت ہوتی ہے۔ اس لیے جو شخص ہر مباح کام کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے یہ اس کی اللہ رب العزت سے محبت کی دلیل ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ رب العزت کو تمام ناموں میں سے پیارے نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔ یہاں بھی عبد اللہ نام کو مقدم کر کے اشارہ کیا گیا کہ سب اسماء حسنیٰ میں اسم اللہ سب سے اعلیٰ، برتر، عظیم ہے۔ اسی طرح قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ (بنی اسرائیل: 110) والی آیت میں بھی اسم اللہ کو مقدم رکھا گیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا (اعراف:180)

اور اللہ کے لیے ہیں نام اچھے اچھے پس ان ناموں کے ساتھ اسے ہی پکارو۔

وقال تعالیٰ فی مقام آخر: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (الفاتحہ)

سامعین گرامی قدر! قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام اللہ کے بعد صفاتی ناموں میں "الرحمان" کا درجہ معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ (بنی اسرئیل:110)

اللہ کہہ کے پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو (پکارو صرف اسی کو)

یہاں اللہ کے بعد رحمان کا تذکرہ ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں بھی اللہ کے بعد رحمان کا ذکر ہوا۔

سورہ حشر میں ارشاد ہوا:

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ

الرَّحِيمُ (الحشر:22)

اس آیت میں بھی اسماء حسنیٰ میں سب سے پہلے "الرحمٰن" کو ذکر کیا گیا ہے۔

امام الانبیاء ﷺ نے اللہ کے محبوب اور پسندیدہ ناموں کے تذکرے میں دو نام ذکر فرمائے یعنی عبداللہ اور عبدالرحمن۔ یہاں بھی اللہ کے بعد "رحمان" نام کا تذکرہ فرمایا مگر میں اللہ کے صفاتی نام "رحمٰن" سے پہلے "الرب" پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ "اللہ" کے بعد اسم "رب" کو قرآن نے سب صفاتی ناموں سے زیادہ ذکر فرمایا ہے۔

"الرحمٰن" قرآن مجید میں 57 بار آیا ہے اور "رب، ربی، ربھا، ربك، ربکم" وغیرہ کے لفظوں میں 962 مرتبہ آیا ہے۔ "ربك" 242 مرتبہ، "ربکم" 119 بار، "ربکما" 33 مرتبہ، "ربی" 101 بار، "رب" 67 مرتبہ اور اس کے علاوہ دیگر صفاتِ الٰہیہ کے ساتھ بھی کئی مرتبہ آیا ہے۔

دوسری وجہ قرآن کریم کی ابتدائی سورت۔۔۔ سورۃ الفاتحہ کے آغاز میں "الحمد للہ" اسم ذات کے بعد اسی صفاتی نام کا تذکرہ ہوا اور فرمایا: "رَبِّ الْعَالَمِيْنَ"

تیسری وجہ قرآن مجید میں تقریباً تمام دعائیں جن میں رحمتِ الٰہی کا سوال ہو یا مغفرت وغفران کی طلب ہو وہ دعائیں اسی نام یعنی "رب" سے شروع ہوتی ہیں۔ "رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ"، "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ" علاوہ ازیں قرآن مجید میں بیان کردہ ہر دعا کا آغاز اسی صفت "رب" سے ہوا۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ

اللہ کے نام ''رب'' کا تذکرہ صفاتی ناموں میں سب سے پہلے بیان کرنے کی وجہ۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ عالمِ ارواح میں تمام اولادِ آدم سے اسی کا عہد لیا گیا تھا۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ (اعراف:172)

(اس واقعہ کو یاد کرو) جب آپ کے پروردگار نے نکالا اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو اور خود انہی کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا (اور کہا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے جواب میں کہا کیوں نہیں ہم سب گواہی دیتے ہیں (یہ اس لیے ہوا) تاکہ تم قیامت کے دن یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے

پھر انبیاء علیہ السلام کو مبعوث فرما کر ہر زمانے میں اسی وعدہ ''أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کی یاددہانی کروائی گئی۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے قوم کے لچر اعتراض اور بدزبانی کے جواب میں فرمایا:

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (اعراف:61)

اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں تو رب العالمین کا فرستادہ ہوں

سیدنا ہود علیہ السلام کو قوم نے کم عقلی کا طعنہ دیا تو انہوں نے جواب میں کہا: قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (اعراف:67)

اے میری قوم! مجھ میں ذرا برابر بھی کم عقلی نہیں بلکہ میں رب العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو برملا فرمایا:

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ (شعراء:77)

(جنہیں تم اور تمہارے آباء واجداد پوج رہے ہیں وہ سب) میرے دشمن ہیں بجز سارے جہانوں کے پروردگار کے۔

نمرود کے شاہی دربار میں سیدنا ابراہیمؑ نے رب کا تعارف کروایا کیونکہ وہ اسی میں جھگڑ رہا تھا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ

کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو ابرہیم سے اپنے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا۔

سیدنا ابرہیم علیہ السلام نے فرمایا:

رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۔۔۔ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر پہنچے، آواز آئی:

إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (قصص:30)

اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

پھر حکم ہوا کہ فرعون کے دربار میں جا کر نعرۂ تکبیر لگایئے اور کہیے:

إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ (شعراء:16)

بلاشبہ ہم (میں اور ہارون) رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں فرعون نے جواب میں جب پوچھا:

وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ

رب العالمین کیا (چیز) ہے

تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا:

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا (شعراء:24,26,28)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ ہوا تو پارلیمنٹ میں رجل مومن نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ (المومن:28)

کیا تم ایک شخص (موسیٰ) کو محض اس بات پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو کہا، مقابلے میں کئی جادوگروں کو لے کر آیا، جادوگر عصائے موسیٰ علیہ السلام کے کرشمے کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے تو انہوں نے اعلانِ ایمان کرتے ہوئے کہا:

آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (47) رَبِّ مُوسٰى وَهَارُونَ (شعراء:47,48)

ہم رب العالمین پر ایمان لائے یعنی موسیٰ اور ھارون کے رب پر۔

فرعون نے ایمان قبول کرنے پر جادوگروں کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تو جادوگر جواب میں کہنے لگے:

لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ (شعراء:50)

کوئی حرج نہیں ہم تو اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے، فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ تعاقب کیا بحر قلزم پر پہنچے، بنی اسرائیل گھبرائے اور کہا:

إِنَّا لَمُدْرَكُونَ

یقیناً ہم پکڑے گئے ہیں۔

ایسے وقت میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بڑے اطمینان اور حوصلے سے کہا:

إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ (شعراء:62)

ہرگز نہیں! یقین مانو میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں بولے سب سے پہلے اپنی عبدیت کا تذکرہ کیا پھر والدہ محترمہ کی پاکدامنی کا اعلان فرمایا اور آخر میں کہا:

وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (مریم:36)

میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ ہے تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

قرآن ۔۔۔ رب تمام انبیاء کرام علیہ السلام اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی امت کے سامنے رب کا تعارف پیش کر کے انہیں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ والا عہد و پیمان یاد دلاتے رہے۔ مگر امام الانبیاء ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن نے بڑے عجیب، بہترین، نرالے اور حسین انداز میں رب کا تعارف کروایا۔

سورت الانعام میں فرمایا:

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الانعام:101)

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اللہ کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (الانعام:102)

یہ ہے رب تمہارا اس کے علاوہ معبود کوئی نہیں ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا:

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى

اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ (5) خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ (الانعام:5,6)

نہایت اچھی تدبیر سے اس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے اور اس نے سورج کو کام پر لگا رکھا ہے ہر ایک مقرر مدت تک چل رہا ہے یقین مانو کہ وہی زبردست اور مغفرت کرنے والا ہے اس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا ہے پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور تمہارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ نر و مادہ اتارے وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا ہے تین اندھیروں میں یہی اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اسی کے لیے بادشاہت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو

سامعین گرامی قدر: میں آپ حضرات کے سامنے اس سلسلہ میں مزید کتنی آیتیں پیش کروں کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر اترنے والی لاریب کتاب نے اولاد آدم کو رب کا تعارف کتنے حسین انداز میں کرایا ہے۔

صاحب ذوق حضرات سورۃ المومن آیت نمبر 62,65 سورت فاطر آیت نمبر 11 سورت انبیاء آیت نمبر 92 سورۃ الانعام آیت نمبر 102 دیکھ سکتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں

قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی کئی دعاؤں کا تذکرہ فرمایا ہے وہ تمام دعائیں "رب" اور "ربنا" سے شروع ہوتی ہیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام نے دعا مانگتے ہوئے کہا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف:23)

اے ہمارے پالنہار! ہم نے اپنا نقصان کیا ہے اگر تو ہماری مغفرت نہیں کرے

گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو واقعی ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے دعا مانگتے ہوئے کہا:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح:26)

اے میرے رب! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تمام دعائیں اسی نام سے شروع ہوتی ہیں:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (بقرۃ:127,128)

اولاد مانگتے ہوئے عرض کیا:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ

سیدنا یوسف علیہ السلام نے یوں دعا مانگی:

رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (یوسف:33)

اے میرے رب! جس بات کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ (یوسف:101)

اے پروردگار! تو نے مجھے بادشاہی عطا فرمائی۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کے بارے ارشاد ہوا:

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ (انبیاء:83)

اور ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا۔

سیدنا زکریا علیہ السلام نے یوں دعا مانگی:

رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (آل عمران:38)

اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

امام الانبیاء ﷺ کی دعائیں بھی ''رب'' اور ''ربنا'' کے لفظوں سے شروع ہوتی ہیں:

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ کلمات مصیبت اور سختی کے وقت کہا کرو:

أَللّٰهُ أَللّٰهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے صبح اور شام کے وقت کہا: رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُولًا

اللہ قیامت کے دن یقیناً اس شخص سے راضی ہو جائیں گے۔

قرآن میں کسی مقام پر آیا:

رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (مومنون:86)

سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب (کون ہے؟)

کہیں فرمایا: رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ (مومنون:116)

ایک جگہ پر فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (الرحمان:17)

رب کا مادہ ''ر،ب،ب'' ہے جس کا ابتدائی اور بنیادی معنی تربیت اور

پرورش کا ہے۔ پروان چڑھانا اور نشونما دینا۔

ربیب اور ربیبہ اس لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں جسے کوئی شخص پال رہا ہو۔ اس بچے کو بھی ربیب کہتے ہیں جو پچھ لگ ہو یعنی جس عورت سے شادی کی ہے اس عورت کی پہلے خاوند سے اولاد ہو۔

پالنے والی دایہ کو بھی عربی میں ربیبہ کہتے ہیں۔ عربی زبان میں سوتیلی ماں کو رابّہ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ بچے کی حقیقی ماں نہیں ہوتی مگر بچے کی پرورش کرتی ہے۔ رابّ سوتیلے والد کو کہا جاتا ہے۔

ربّ کا معنی و مفہوم صرف پرورش کرنا، پالنا نہیں ہے بلکہ رب کا ایسا وسیع اور گہرا مفہوم ہے جس کی ادائیگی کے لیے اردو اور پنجابی میں کوئی لفظ نہیں ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے رب کا معنی کیا ہے:

تَبْلِيغُ الشَّيْءِ إِلَى كَمَالِهِ شَيْئًا فَشَيْئًا

اہل سنت کے لغت کے مشہور امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے معنی کیا ہے:

إِنْشَاءُ الشَّيْءِ حَالًا فَحَالًا إِلَى حَدِّ التَّمَامِ

فارسی میں اس کا ترجمہ ہوگا: چیزے را بتدریج بحد کمال رسانیدن۔

اردو میں کہیں گے دنیا کی ہر شئ کو سیڑھی بہ سیڑھی، درجہ بدرجہ اور منزل بہ منزل نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچا دینا۔ جیسے ایک باغبان پہلے بیج بوتا ہے جب اس بیج سے کونپل نکل کر شاخ کی صورت اختیار کر لیتی ہے تو باغبان اسے پانی دیتا ہے جب پودا بڑا ہو جاتا ہے تو اسے قلم کرتا ہے، مقصد باغبان کا ہوتا ہے کہ پودا اپنے کمال کو پہنچے۔ جب وہ کمال کو پہنچتا ہے تو وہ پتے اور پھل پھول لاتا ہے۔ اسی طرح مالک حقیقی (اللہ رب العالمین) بھی اپنی مخلوق کی پرورش بایں طور کرتا ہے کہ کائنات کی جس چیز کو زندگی کے جس موڑ پر اور جس وقت جس طرح کی چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہی چیز اپنی قدرت سے عطا کرتا ہے۔

کیا تم نہیں جانتے ہو؟ کہ ماں کے پیٹ میں اور تین اندھیروں میں جب بچے کے وجود میں روح پھونکی جاتی ہے اور اسے بھوک اور پیاس محسوس ہونے لگتی ہے، وہ مانگنے کے قابل نہیں ہوتا، بول نہیں سکتا، ہاتھ اٹھا نہیں سکتا، جو ہستی اس بچے کی رمزیں سمجھ کر ماں کا خون ناف کے ذریعہ اس کی خوراک بنا دیتا ہے اسے رب کہتے ہیں۔ ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد جب دایہ اس کے ناف والے راستے کو کاٹ دیتی ہے اور بچہ رونے لگتا ہے تو جوذات اس کے کان میں کہتی ہے کہ گھبرا نہیں ایک راستہ خوراک والا واپس لیا ہے تو تیری ماں کی محبت بھری چھاتی میں دودھ کی دو نہریں جاری کر دی ہیں اسے رب کہتے ہیں۔
قرآن کریم نے اس طرف اشارہ کیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ (12) ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ (13) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (المومنون:12,13,14)

بلاشک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں پھر ہم نے نطفے کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا پس برکت والی ذات اللہ کی ہے جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

اللہ تعالیٰ رب ہے جو ہر ایک کی تربیت کر رہا ہے، اسے دنیوی منافع کے حاصل کرنے کے طور طریقے ودیعت کر رہا ہے۔ قربان جاؤں دو دن کے بچے کو ماں کے پستان سے دودھ چوسنے کا طریقہ سمجھا دیا۔ بلی اور کتیا کے بچوں کو یہ بھی سمجھا دیا کہ تمہاری غذا کہاں ہے؟ اور اسے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ مرغی کے چوزوں کو سمجھایا کہ خطرات کے

بادل منڈلائیں اوراوپر سے چیل حملہ آور ہو تو تمہاری پناہ گاہ ماں کے پروں کے نیچے ہے۔

وہی رب ہے جس نے ہر چیز کی پرورش کا بہترین انتظام کیا ہے۔تم نے کبھی نہیں دیکھا ؟ کہ چڑیا ابھی انڈا دینے نہیں پاتی کہ آنے والے بچوں کے لیے چڑیا اور چڑا گھر تیار کرتے ہیں پھرانہیں کون سمجھا رہا ہے؟ کہ گھونسلہ اس طرح بناؤ کہ انڈے اور بچے گرنے نہ پائیں اور معصوم اور نازک بچوں کو تنکے نہ ستائیں پھر وہ انڈوں کو اپنے پروں میں چھپائے رکھتے ہیں، جب بچے نکلتے ہیں تو دور دور سے ان کے لیے نرم غذا (چھوٹے چھوٹے کیڑے) تلاش کر کے لاتے ہیں، میلوں سے بچوں کی کشش انہیں گھونسلے کی طرف لوٹنے پر مجبور کرتی ہے۔حد ہے رب نے تربیت کی کہ چڑیا کا چار دن کا بے پروشعور بچہ جب بیٹ کرتا ہے تو گھونسلے سے باہر کی طرف رخ کرتا ہے۔یہ ادب اور ایسے سلیقے بچے کو کون سکھا رہا ہے؟

ربّ بمعنی مالک

رب کا اساسی اور بنیادی معنی پرورش کرنا، تربیت کرنا، نشوو نما دینا اور پروان چڑھانا ہے۔اسی معنی کے نتیجے میں رب مالک کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔جیسے:

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ (صافات:180)

تیرا رب جو عزت و اقتدار کا مالک ہے ان تمام نقائص سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

ایک موقع پر مشرکین سے پوچھا گیا:

مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَرَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ (مومنون:86)

ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟

ایک جگہ پر ارشاد ہوا: فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِ (قریش:3)

لہٰذا انہیں چاہیے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔

رب بمعنی مطاع، حاکم، متصرف، سردار قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے ایک نظریے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ:31)

انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنالیا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو عیسائیت سے اسلام کی طرف آئے تھے انہوں نے یہ آیت سن کر عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی بھی اپنے علماء اور بزرگوں کو رب نہیں مانتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حرام و حلال کے معاملات میں بلادلیل ان کی اطاعت کرنا اوران کے فیصلوں کو مان لینا یہی رب ماننا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے رہائی پانے والے قیدی سے کہا:

اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ (یوسف:42)

اپنے رب (مراد بادشاہ، حاکم) سے میرا ذکر کرنا۔

یہی رہائی پانے والا قیدی جب یوسف علیہ السلام کی رہائی کا پروانہ لے کر جیل پہنچا تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ (یوسف:50)

اپنے رب کے پاس واپس چلے جاؤ (کیونکہ مصری لوگ بادشاہ کو امر و نہی کا مالک سمجھتے تھے اور اس کی فوقیت و سرداری و بالادستی کو مانتے تھے)

یادرکھیے! رب کا لفظ جب غیر اللہ کے لیے استعمال ہوگا تو وہ کسی طرف نسبت کے ساتھ ہوگا۔ یعنی کسی کی طرف مضاف ہوگا جیسے: "اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ"، "اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ" یا "رب البیت" گھر کا مالک، "رب المال" مال کا مالک، "رب الغنم"، "رب الابل" اونٹ اور بکری کا مالک۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَلَا يُسْتَعْمَلُ الرَّبُّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بَلْ بِالْاِضَافَةِ

غیر اللہ کے لیے رب کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا ہاں اضافت کے ساتھ ہوسکتا ہے (جیسے رب البیت، رب المال)

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وَلَا يُقَالُ الرَّبُّ مُطْلَقًا إِلَّا لِلّٰهِ الْمُتَكَفِّلِ بِمَصْلَحَةِ الْمَوْجُودَاتِ

اور مطلق طور پر (یعنی اضافت کے بغیر) رب صرف اللہ پر بولا جاتا ہے جو تمام مخلوق کی مصلحتوں کا کفیل اور ضامن ہے۔

رب کی جمع ارباب ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف:39)

کیا کئی معبود جدا جدا بہتر ہیں یا اللہ اکیلا غالب؟

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت دو طرح سے ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ ایک ہے ربوبیتِ عامہ، جس سے بلا تفریق سب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جیسے: زمین، سورج، چاند، ستارے اور ربوبیت کی دوسری قسم ہے ربوبیتِ خاصہ جو فرق سے عطا ہو رہی ہے۔ جیسے: روزی، دولت، اولاد، عزت، صحت، حکومت وغیرہ۔

ذہن میں رکھیے! رب کا معنی صرف پرورش کنندہ نہیں ہے بلکہ اسی معنی کے نتیجے میں وہ مالک، آقا، منتظم، مدبر، مطاع، متصرف، وکیل، ان سب معنوں میں وہ کائنات کا رب ہے۔ کائنات اور العالمین کے احاطہ میں کون کون سے عالَم اور کتنے جہان ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا۔ رب العالمین نے خود فرمایا:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر:31)

اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی
(بنی اسرائیل:110)

کہہ دیجیے! اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر جس نام سے بھی اسے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔

وقال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر: وَاِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (البقرہ:163)

تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ بڑا مہربان انتہائی رحم کرنے والا ہے۔ صدق اللہ العلی العظیم

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے صفاتی ناموں میں اللہ کے بعد جس نام کو قرآن وحدیث میں لایا گیا وہ اسم گرامی "الرحمٰن" ہے۔۔۔۔۔۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 110 میں قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فرمایا اور امام الانبیاء ﷺ نے بھی اللہ کے پسندیدہ ناموں میں عبداللہ کے بعد عبدالرحمٰن کا ذکر فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بھی اللہ کے ذاتی نام کے بعد صفاتی ناموں میں "الرحمٰن

الرحیم'' کا ذکر ہوا۔

قران کریم میں ''الرحمن'' 57 بار آیا ہے اور ''الرحیم'' 114 مرتبہ آیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کا ذاتی نام سب سے زیادہ آیا ہے اور صفاتی ناموں میں ''الرب'' کے بعد سب سے زیادہ جن ناموں کا تذکرہ ہوا وہ ''الرحمن الرحیم'' ہے۔

''الرحمن اور الرحیم'' یہ دونوں اسماء رحمت سے مشتق ہیں۔ اہلسنت کے لغت کے امام، امام راغب اصفہانیؒ کہتے ہیں: رحمت اس رقتِ قلب کو کہتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ مرحوم پر احسان کیا جائے۔ کبھی یہ لفظ رقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی فقط احسان کے معنی میں۔

یاد رکھیے! کہ جب رحمت اللہ رب العزت کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی صرف احسان و انعام ہوتا ہے نہ کہ رقتِ قلب اور جب رحمت آدمیوں کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی رقت اور شفقت کا ہوگا۔

رحمن اور رحیم میں فرق

رحمن اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ ان کا معنی صرف رحمت کرنے والا نہیں بلکہ بہت رحمت کرنے والا اور ہر وقت رحمت کرنے والا ہے مگر ''الرحمن'' میں ''الرحیم'' سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے یعنی بہت ہی رحم فرمانے والا۔ اتنی زیادہ رحمت کرنے والا جس سے زیادہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہو۔ اسی بنا پر امام بیضاویؒ کہتے ہیں کہ رحمن کا اطلاق سوائے اللہ رب العزت کے کسی اور پر نہیں کیا جا سکتا، جبکہ رحیم کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ رحیم کا معنی ہے بہت رحم کرنے والا۔

قرآن کریم میں رحیم کا اطلاق امام الانبیاء ﷺ کے لیے بھی ہوا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ:128)

یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں جن پر تمہارا مشقت میں مبتلا ہونا سخت دشوار ہے وہ تمہاری بھلائی پر حریص ہیں اور مومنوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والے ہیں۔

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے ''الرحمن اور الرحیم'' میں ایک فرق یہ بیان کیا ہے کہ اللہ رب العزت دنیا کے اعتبار سے رحمن ہے کیونکہ دنیا میں اس کی صفت رحمت سے سب فیض یاب ہو رہے ہیں، مومن بھی اور کافر بھی، اپنے بھی اور پرائے بھی، انسان بھی اور جانور بھی مگر آخرت کے لحاظ سے وہ ''الرحیم'' ہے کہ وہاں اس کی رحمت اور احسان صرف اور صرف مومنوں پر ہوگا اور کافر اس کی رحمت اور اس کے فضل سے یکسر محروم ہوں گے۔

(المفردات، ص:192، مدارک، جلد:1 ص:5)

اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا (الاحزاب:43)

اور اللہ رب العزت مومنوں پر رحم فرمانے والا ہے۔

ارشاد نبوی بھی سن لیجیے: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس دن اللہ نے رحمت کو بنایا اس کے سو حصے کیے ننانوے حصے رحمت کے اپنے پاس رکھ لیے اور ایک حصہ تمام مخلوق پر کیا۔ اسی ایک حصہ کے اثر کی وجہ سے تمام مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے۔ ماں اپنے بچے پر شفقت کرتی ہے حتی کہ وحشی جانور اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اگر کافر کو پوری طرح اللہ کی رحمت (کی وسعت) کے بارے میں معلوم ہو جائے تو (باوجود کفر کے) جنت سے مایوس نہ ہو اور اگر مومن کو اس کے عذاب کی مکمل حقیقت معلوم ہو جائے تو کبھی جہنم سے بے خوف نہ ہو۔

(بخاری، کتاب الرقاق، مسلم، کتاب التوبہ)

سامعین گرامی قدر! ذرا اندازہ لگایئے ایک حصہ محبت کی وسعت و کشادگی کا یہ عالم ہے

جس سے پوری کائنات اور کائنات کی ہر چیز فیض یاب ہو رہی ہے۔ پھر ننانوے حصے رحمت کے اس ایک حصے کے ساتھ مل کر جو صرف مومنین کے لیے خاص ہونے ہیں ان کی وسعت کا کیا عالم ہوگا؟

تیسرا فرق رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے ''الرحمان اور الرحیم'' کے مابین ایک نفیس اور لطیف فرق بیان فرمایا کہ ''رحمن'' اسے کہتے ہیں جو بالفعل رحمت کر رہا ہو اور جس کی رحمت کائنات کی ایک ایک چیز کو بلکہ ایک ایک ذرہ کو شامل ہو اور ''رحیم'' اس ذات کو کہتے ہیں کہ رحم جس کی صفت لازمہ اور خصوصیت ذاتیہ ہو۔ مطلب اور مفہوم یہ ہوا کہ اللہ رب العزت جو ہر آن اپنی تمام مخلوق پر رحم فرما رہا ہے اور رحمت کر رہا ہے یہ رحم اس کی ذات مبارکہ کو لازم ہے اور اس کی صفت ذاتیہ ہے۔

چوتھا فرق بعض علماء نے ''الرحمن اور الرحیم'' کا فرق یہ بیان فرمایا کہ ''رحمن'' کے معنی ہیں دنیا میں بندوں کی پردہ پوشی کرنے والا اور ''رحیم'' کا مفہوم ہے آخرت میں بخشنے والا اور مغفرت فرمانے والا۔

پانچواں فرق مشہور محدث حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''الرحمن'' وہ ہے کہ ''اِذَا سُئِلَ اَعْطٰی'' جب اس سے مانگا جائے تو عطا فرمائے۔ اور ''الرحیم'' وہ ذات ہے ''اِذَا لَمْ یُسْاَلْ غَضِبَ'' جب اس سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہو جائے۔ جس طرح حدیث میں ارشاد نبوی ہے: ''مَنْ لَمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ''

جو اللہ رب العزت سے نہیں مانگتا اللہ رب العزت اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ (مرقاۃ، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ، جلد: 5 ص: 40)

چھٹا فرق تفسیر ابن عباس میں ''الرحمن اور الرحیم'' میں ایک فرق یہ تحریر کیا گیا:

"اَلرَّحْمٰنُ الْعَاطِفُ عَلَی الْبَرِّ وَ الْفَاجِرِ بِالرِّزْقِ لَهُمْ وَ دَفْعُ الْبَلِيَّاتِ عَنْهُمْ وَالرَّحِيْمُ خَاصَّةً عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْمَغْفِرَةِ وَاِدْخَالِهِمُ الْجَنَّةَ"

صفت رحمن ہر نیک و بد کے لیے عام ہے شفقت میں، انہیں رزق فراہم کرنے میں اور ان سے مصائب کو دور کرنے میں جب کہ صفت رحیم مومنوں کے ساتھ ان کی مغفرت کرنے میں اور انہیں جنت میں داخل کرنے میں خاص ہے۔

(تفسیر ابن عباس فی تفسیر بسم اللہ)

ساتواں فرق رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق ترین شاگرد مفسر قرآن مولانا محمد زمان سنگوالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "فاتحۃ القرآن" میں "الرحمن اور الرحیم" کے مابین فرق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "رحمن" میں فراخی اور کشادگی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ یعنی اللہ رب العزت ایسا مہربان ہے اور اس کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ کسی جنس یا نوع یا ملک یا قوم کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ خود رب العزت نے قرآن مجید میں اعلان فرمایا: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف:156)

اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

اسی طرح قرآن کریم ایک دوسرے مقام پر اپنے احسان کرنے کو اور اپنی عطا کو بلا تفریق بیان فرمایا اس میں مومن اور کافر کا امتیاز اور فرق نہیں کیا۔ ارشاد ہوا: كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۗءِ وَهٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ عَطَاۗءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاۗءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (بنی اسرائیل:20)

ہر ایک (مومن ہو یا کافر) کو ہم عطا کرتے ہیں وہ خاص تیرے رب کی عطا ہے اور تیرے رب کی عطا بند نہیں کی جاتی۔

میرے عرض کرنے اور بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رحمن میں رحمت کی فراخی اور کشادگی مراد ہے اور رحیم میں رحمت کی کثرت مراد ہے۔ یعنی اللہ رب العزت ایسا مہربان ہے کہ اس کی رحمت اور عنایت اتنی کثیر تعداد میں ہے کہ وہ گنتی اور شمار سے باہر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النحل:18)

اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو ان کا احاطہ نہیں کر سکو گے یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

رحمن کو رحیم پر مقدم کیوں رکھا؟ میں بیان کر چکا ہوں کہ رحمن اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے، مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربی میں طریقہ یہ ہے کہ صفات مدح میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں مثلاً: کہتے ہیں "فُلَانٌ عَالِمٌ نِحْرِيْرٌ" فلاں شخص عالم، ماہر ہے۔ اس لیے یہاں پہلے رحیم اور پھر رحمن کا ذکر ہونا چاہیے تھا کیونکہ رحیم کی نسبت رحمن میں زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رحمن اللہ کا ایسا صفاتی نام ہے جس کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہوتا اس لیے لفظ اللہ کی طرح ہے اور بمنزلہ علم کے ہے اور رحیم وصف ہے اور قاعدہ ہے کہ علم وصف پر مقدم ہوتا ہے۔ نیز رحمن کا تعلق دنیا سے ہے اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے اور دنیا آخرت سے پہلے ہے اس لیے رحمن کا ذکر رحیم سے پہلے کیا ہے۔

ایک جواب یہ بھی ہے کہ رحمن عام ہے کیونکہ اس کا تعلق مومن اور کافر دونوں سے ہے اور رحیم خاص ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف مومنین سے ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے اس لیے رحمن کو رحیم پر مقدم کیا ہے۔

مشرکین مکہ اور رحمن قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ مشرکین عرب اللہ کے نام سے تو واقف تھے مگر اللہ کے نام رحمن سے واقف نہیں تھے۔ قرآن نے بیان فرمایا:) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (العنکبوت:61)

اور اگر آپ ان (مشرکین) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو وہ یقیناً کہیں گے اللہ نے۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ربانی ہوا: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (الزخرف:87)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہہ دیں گے اللہ نے۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا: قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (یونس:31)

میرے پیغمبر! ان (مشرکین) سے پوچھیے تمہیں زمین و آسمان سے روزی کون دیتا ہے تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو نکالنے والا کون ہے اور کائنات کی ہر شئی کی تدبیر کون کرتا ہے تو وہ جواب دیں گے اللہ۔

قرآن کریم میں کئی جگہوں پر بیان کیا گیا کہ مشرکین عرب خالق، مالک، محی، ممیت، مدبر اور بارش برسانے والا اللہ ہی کو جانتے تھے مگر اسم رحمن سے وہ ہمیشہ انکاری رہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ (الفرقان:60)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں رحمن کیا چیز ہے؟

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا: وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كَافِرُونَ (الانبیاء:36)

اور وہ رحمن کے ذکر سے انکاری ہیں۔

معلوم ہوا اللہ رب العزت کا مبارک نام ''رحمن'' ایسا نام ہے جس سے اسلام ہی نے لوگوں کو واقف اور آشنا کیا ورنہ باوجود اہل زبان ہونے کے مشرکین عرب اس نام سے نا آشنا تھے۔ قرآن مجید نے اس نام کو مختلف مواقع پر مختلف اسلوب میں بیان فرمایا۔ چند

ایک مقام آپ بھی سماعت فرمائیں۔ ایک جگہ پر ارشاد ہوا: الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ:5)

وہ رحمن ہے جو عرش پر قائم ہوا (یعنی غلبہ، تسلط، اقتدار اور تمام تر اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں)

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہوا: وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (الانبیاء:112)

اور ہمارا پروردگار رحمن ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو (کہ ہم مسلمانوں کا نام ونشان مٹادیں گے وغیرہ)

ایک جگہ پر فرمایا: مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ (الملک:3)
تو رحمن کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی نہیں دیکھے گا۔

سورت ملک ہی میں ارشاد ہوا: أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَّيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ (الملک:19)

کیا یہ (مشرکین) اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور (کبھی کبھی) سمیٹے ہوئے (اڑنے والے) پرندوں کو نہیں دیکھتے انہیں رحمن ہی (فضا میں) تھامے ہوئے ہے۔

ایک مقام پر رحمن کا تعارف کتنے خوبصورت انداز میں کرایا: الرَّحْمٰنُ (1) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (2) خَلَقَ الْإِنْسَانَ (3) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمن:1,4)

رحمن نے قرآن سکھایا (مشرکین کہتے تھے رحمن کیا ہے؟ اس کے جواب میں رحمن کا تعارف کروایا جارہا ہے، رحمن نے اپنے پیغمبر کو قرآن سکھایا اور پیغمبر نے امت کو سکھایا) اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا: إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم:93)

آسمان وزمین میں جو بھی ہیں (انبیاء، اولیاء، ملائکہ) سب کے سب رحمن کے غلام بن

کر ہی آنے والے ہیں۔

ایک جگہ پر ارشاد ہوا: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ بَلْ

هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیاء:42)

آپ کہیں تمہاری نگہبانی رات اور دن میں رحمن سے کون کر رہا ہے؟ یعنی رحمن کے

غصے اور عذاب سے تمہاری حفاظت کرنے والا کون ہے؟ یہ تو محض اس کی رحمت واسعہ ہے

کہ فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔

الٰہ کے لیے بطور دلیل

اللہ رب العزت نے اپنی الوہیت و معبودیت کے لیے جہاں کئی دلائل کا اور اپنی کئی صفات کا قرآن میں تذکرہ فرمایا ہے وہاں اپنی صفت رحمت کو بھی بطور دلیل پیش کیا ہے۔ ایک جگہ پر ارشاد ہوتا ہے: وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرۃ:163)

اور معبود تمہارا ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان نہایت

رحم کرنے والا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا: هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ

وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (الحشر:22)

وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جانتا ہے جو (لوگوں سے) پوشیدہ ہے اور جو ظاہر

ہے وہ بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام

کو نیابت کے طور پر قوم کی رہنمائی کے لیے چھوڑ گئے ۔۔۔ سامری نے سونے کے زیورات

کو پگھلا کر بچھڑا کی ایک شکل اور صورت بنائی اور اس طرح سے سوراخ رکھے کہ ہوا ایک

سوراخ سے داخل ہو کر دوسرے سوراخ سے نکلتی تو اس میں سے بچھڑے کی آواز نکلتی۔۔۔

سامری نے یہ کرتب دکھا کر قوم کو بچھڑے کی پوجا پاٹ پر لگا دیا اور کہا یہی الٰہ اور معبود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام بھول کر الٰہ کو طور پر تلاش کر رہے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کو سمجھاتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي (طٰہٰ:90)

اے میری قوم! اس بچھڑے کی وجہ سے تم بہک گئے ہو تمہارا حقیقی پروردگار تو رحمن ہی ہے پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔

رب العالمین کے بعد الرحمن الرحیم

سورۃ الفاتحہ میں اللہ رب العزت نے اپنی صفت رب العالمین کے بعد "الرحمن الرحیم" کا تذکرہ فرمایا۔۔۔شاید یہ جتلانے کے لیے کہ پالنا میری مجبوری نہیں بلکہ میری رحمت کا تقاضا ہے۔۔۔میں سارے جہانوں کا پالنہار ہوں اس لیے کہ میں رحمن اور رحیم ہوں۔۔۔قرآن مجید میں کئی مقام پر ربوبیت اور رحمت کا تذکرہ ساتھ ساتھ آیا ہے۔۔۔ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام نے دعا مانگتے ہوئے کہا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف:23)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب اپنے والد مکرم سیدنا یعقوب علیہ السلام سے التجا کی کہ ہمارے لیے مغفرت کی دعا مانگیں تو انہوں نے جواب میں فرمایا: قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (یوسف:98)

عنقریب (بوقت سحر) میں تمہارے لیے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا یقینا وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

اصحاب کہف نے ایک دوسرے سے کہا: وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا

اللہ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنشُرْ لَكُمْ رَبُّكُم مِّن رَّحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُم مِّنْ أَمْرِكُم مِّرْفَقًا (کہف:16)

جب تم نے ان مشرکین سے اور ان کے معبودوں سے کنارہ کر لیا ہے تو اب تم کسی غار میں جا بیٹھو تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے محیر العقول تمام کام سرانجام دینے کے بعد کہا: رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ (کہف:82)

یہ سب تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے ہوا۔

ذوالقرنین بادشاہ نے یاجوج ماجوج کے سامنے ایک مضبوط دیوار کھڑی کر کے کہا: هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي (کہف 98)

یہ سب رحمت و مہربانی ہے میرے رب کی۔

سورت مریم کی ابتدا میں ارشاد ہوا:

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا (مریم:2)

یہ تذکرہ ہے تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندے زکریا پر۔

جنت میں اہل جنت پر انعامات الٰہی کی بارش برسے گی۔ وہ مانگیں گے انہیں عطا ہو گا اور پھر سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ (یاسین 58) مہربان رب کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔

سورت الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا جو بہت جامع ہے: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام:54)

تمہارے رب نے رحمت کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

آخر میں ایک ارشاد نبوی ﷺ بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور یہ حدیث بھی حدیث قدسی ہے یعنی امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت فرماتا

ہے: ”اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِیْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ“ (ترمذی، باب البر والصلہ)

میں اللہ ہوں اور میں رحمن ہوں میں نے ہی رحم کو پیدا کیا اور رحم کو اپنے نام (رحمن سے) نکالا اس لیے جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں بھی اسے اپنے ساتھ ملاؤں گا اور جو قطع رحمی کرے گا میں بھی اسے کاٹ کر اپنے سے الگ کر دوں گا۔ (یعنی اسے اپنی رحمت سے جدا کروں گا)

اللہ رب العزت کے صفاتی نام ””الرحمن“ سے تعلق اور محبت کا تقاضا اور مطالبہ ہے کہ صلہ رحمی کے وصف کو اپنایا جائے بلکہ اسے گلے کا ہار بنالیا جائے اور قطع رحمی سے اپنے دامن کو پوری طرح بچایا جائے۔

آئندہ خطبہ میں انشاء اللہ ”الرحیم“ کے صفاتی نام پر اور اللہ کی رحمت و مہربانی کی وسعت پر گفتگو ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلرَّحْمٰنُ ۔ اَلرَّحِیْمُ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (البقرہ:163)

اور تم سب کا معبود صرف ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ بڑا مہربان انتہائی رحم کرنے والا ہے۔ صدق اللہ العلی العظیم

سامعین گرامی قدر! گذشتہ خطبہ میں میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اللہ رب العزت کے صفاتی نام "الرحمن" کے متعلق اپنی گذارشات پیش کی تھیں۔ اللہ رب العزت کے مبارک نام "رحمن" کے ساتھ لفظاً اور معنیً جو نام سب سے زیادہ قریب ہے وہ "رحیم" ہے۔ اگرچہ اس اسم گرامی کو اللہ رب العزت کے دوسرے اسماء کے ساتھ بھی قرآن میں ذکر کیا گیا ہے جیسے: سورت ہود میں سیدنا شعیب علیہ السلام کی تبلیغ ودعوت کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم کو گذشتہ اقوام پر آنے والے عذاب سے ڈراتے ہوئے شرک اور دوسرے گناہوں سے بخشش طلب کرنے کی تلقین فرمائی اور آخر میں کہا: اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ (ہود:90)

یقیناً میرا رب بڑا رحم کرنے والا اور لوگوں سے محبت کرنے والا ہے۔

سورت سبا کی ابتدائی آیات میں اللہ رب العزت نے اپنے اوصاف اور مختلف صفات کا تذکرہ فرماتے ہوئے آخر میں کہا: وَھُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ (سبا:2)

اور وہی ہے بڑا رحم کرنے والا بخشنے والا۔

سورت الدخان میں قیامت کی ہولناکی اور لوگوں کی بے بسی کا تذکرہ فرمایا، آگے کہا جس پر اللہ رحم فرمائے گا وہی منصور ہوگا۔ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (الدخان:42)

یقیناً وہی ہے غالب رحم فرمانے والا۔

سورت طور میں اہل جنت پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ فرمایا اور آخر میں کہا: اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ (الطور:28)

یقیناً وہی ہے احسان کرنے والا اور رحم فرمانے والا۔

سورت البقرہ میں تحویلِ قبلہ کے تذکرہ میں ارشاد ہوا کہ جن لوگوں نے بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نمازیں پڑھیں ہیں اللہ ان کی نمازوں (کے اجر کو) ضائع نہیں کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ:143)

بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت فرمانے والے رحم کرنے والے ہیں۔

سورت الاحزاب میں مومنین کو تلقین فرمائی کہ اللہ کو یاد کریں اور اس کی تسبیح وتحمید میں معروف رہیں اللہ اور اس کے فرشتے ان پر رحمتیں اتارتے ہیں۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا (الاحزاب:43)

اور اللہ مومنین پر رحم فرمانے والا ہے۔

سورت النساء میں منافقین مدینہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ منافقین نے جرم کرنے کے بعد بجائے سازشیں کرنے کے اور جھوٹی قسمیں اٹھانے کے آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا ہوتا اور اپنے گناہ کی معافی کی درخواست اللہ کے حضور پیش کی ہوتی اور آپ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے: لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء:64)

تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

سورت یٰسین میں جنتیوں پر ہونے والی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور آخر میں فرمایا:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یاسین:58)

پروردگار اور رحم کرنے والے رب کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔

رحمن کے بعد رحیم

رحمن اور رحیم کا مادہ ایک ہی ہے۔ دونوں کا معنی اور مفہوم بھی تقریباً ایک ہی ہے۔ پھر رحمن کے بعد رحیم لانے سے مقصود غالباً یہ ہے کہ انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ سما جاتی ہے تو وہ مبالغوں کے الفاظ میں اسے بیان کرتا ہے اور اگر مبالغہ کا ایک لفظ بول کر وہ سمجھتا ہے کہ اس چیز کی حقیقت کو میں کماحقہ بیان نہیں کرسکا تو پھر وہ اسی معنی و مفہوم کا ایک لفظ مزید بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغہ کے لفظ کے ادائیگی کے باوجود رہ گئی ہے۔

اللہ رب العزت کی تعریف و توصیف میں رحمن کا لفظ بولنے کے بعد رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔

رحمن عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے مگر اللہ کریم کی رحمت و مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی وسیع اور اس قدر زیادہ ہے اور اتنی بے حد وحساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا اس لیے رحمتِ ربانی کی فراوانی کا حق ادا کرنے کی کوشش میں رحمن کے بعد رحیم کا اضافہ کیا گیا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی بہت بڑے سخی شخص کی سخاوت و فیاضی کے بیان میں سخی کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر فیاض کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ کسی کے گورے رنگ کی تعریف کرتے ہوئے جب گورے کو کافی نہیں سمجھتے تو اس پر چٹے کا لفظ بڑھا دیتے ہیں: ”گورا چٹا“ درازئ قد کے ذکر میں جب لمبا کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد تڑنگا بھی کہہ دیتے ہیں۔ ”لمبا تڑنگا“

رحمت کی وسعت

اللہ رب العزت کی رحمت و مہربانی اس قدر وسیع ہے اور اس

کی فراوانی اس حد تک ہے کہ کائنات کی ہر شئی اس سے حصہ وصول کر رہی ہے۔ یہ دن اور رات کا آنا جانا اس کی رحمت ہی تو ہے، یہ موسموں کا تغیر و تبدل اس کی رحمت ہے، یہ بادلوں کا پہاڑوں کی مانند آ کر زمین کو سیراب کرنا، یہ سورج کی آتشیں کرنیں، یہ چاند کی ضیا پاشیاں ،یہ ستاروں کا جگمگانا۔ فصلوں کا نشوونما پانا، پھولوں کے رنگ اور خوشبو، پھلوں کے ذائقے اور مزے، انسان کے جسم کے موزوں اعضاء، بصارت وسماعت کی قوت، یہ طاقتِ گویائی، جانوروں کو پیدا کر کے انسانوں کا مطیع کر دینا، یہ جانوروں کا گوشت اور شیریں دودھ، انسان کی جنس سے ان کی بیویاں۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (الروم:21)

اور پھر ان کے مابین پیار و مہربانی کی فضائیں قائم رکھنا، یہ سب اللہ رب العزت کی رحمت و مہربانی ہی تو ہے۔ قرآن کریم میں رشاد ہوا: پھر مسلمانوں کے لیے خاص رحمت فرمائی اور انہیں ایمان و یقین کی بے بہا اور لازوال دولت عطا فرمائی۔ محمد عربی ﷺ جیسا عظیم المرتبت نبی اور قرآن جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی۔ کفار و مشرکین کے لیے بایں معنی رحمت و مہربانی ہے کہ جلدی گرفت نہیں کرتا بلکہ توبہ کی مہلت عطا کر رہا ہے۔ عذاب سے بچالینا اور سزا سے مامون فرمانا بھی اسی کی رحمت کا تقاضا ہے۔

ذرا غور فرمایئے! حضرت سیدنا نوح علیہ السلام اپنے نافرمان بیٹے کنعان کو بلاتے ہیں، آ جا ایمان قبول کر کے میری کشتی میں سوار ہو جا۔ بیٹا کہتا ہے: میں پہاڑ کی بلندی پر چڑھ کر اپنے آپ کو اس طوفان سے بچالوں گا۔ اس کے جواب میں سیدنا نوح علیہ السلام کہتے ہیں: لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ہود:43)

آج امر الٰہی سے کوئی کسی کو بچانے والا نہیں ہے ہاں صرف وہی بچے گا جس پر اللہ رحم فرمائے۔

اسی طرح اخلاقِ رذیلہ اور گناہوں سے محفوظ رہنا اور بچ جانا بھی رحمتِ الٰہی کی بنا پر ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بادشاہِ وقت سے تقاضا کیا کہ میں اس وقت تک جیل سے باہر نہیں آؤں گا جب تک زلیخا اور زلیخا کی سہیلیاں اس بات کا اقرار نہیں کرتیں کہ میرے اس سارے معاملے میں مجرم کون ہے؟ میں یا زلیخا۔ سب عورتوں نے اپنے قصور اور غلطی کو تسلیم کر کے سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے دل میں آیا کہ شاید میرے اس تقاضے کو کوئی شخص میرے فخر و ناز اور غرور و عجب پر محمول نہ کرے اس لیے کہا: وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ (یوسف:53)

اور میں پاک (بری) نہیں کہتا اپنے آپ کو نفس تو بدی اور برائی پر آمادہ کرنے والا ہے ماسوائے اس کے جس پر میرا رب رحم کر دے یقیناً میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

سورت الاعراف میں اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کی وسعت کو اس طرح بیان فرمایا: وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف:156)

اور میری رحمت ہر چیز کو شامل (محیط) ہے۔

یہ اللہ رب العزت کی رحمت کی کشادگی اور وسعت ہی تو ہے کہ دنیا میں مومن و کافر، اپنے و پرائے، صالح و فاسق سب اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ کا ایک فرمان ہے، سماعت فرمائیے: اللہ رب العزت کی رحمت کے سو حصے ہیں ایک حصہ دنیا میں اتارا ہے جس کی بنا پر ہر مخلوق ایک دوسرے پر رحم کر رہی ہے۔ وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لیے رکھا ہوا ہے جس کے ذریعہ اپنے مومن بندوں پر رحم فرمائیں گے۔ ایک روایت میں ہے: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اپنی ان ننانوے رحمتوں کو اس دنیوی رحمت

کے ساتھ ملا کر مکمل فرمائیں گے۔ (پھر سو کی سو رحمتوں کے ذریعے اپنے مومن بندوں پر رحم فرمائیں گے) (مسلم: کتاب التوبہ، جلد:2 ص:356)

مسلم سے ایک دوسری روایت بھی سن لیجیے اور اللہ رب العزت کی رحمت کی وسعت کا اندازہ لگائیے۔ نبی اکرم ﷺ کے سامنے قیدی پیش کیے گئے ایک قیدی عورت کا بچہ گم ہو گیا وہ اپنے بچے کو ڈھونڈ رہی تھی، روتی چلاتی اور ہر بچے کو سینے سے لگا لیتی، کافی دیر کے بعد اسے بچہ مل گیا اس نے والہانہ انداز میں بچے کو سینے سے چمٹا لیا اور دودھ پلانے لگی۔۔۔ امام الانبیاء ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ انتہائی جذباتی منظر دیکھ رہے تھے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے یہ عورت اپنے ہاتھوں سے اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی۔۔۔؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب میں کہا: ہرگز نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ”اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا“ (مسلم: کتاب التوبہ، جلد:2 ص:356)

جتنی محبت اس عورت کو اپنے بچے سے ہے اللہ اپنے بندوں پر اس عورت سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

سورت المومن میں فرشتوں کی اس دعا کا تذکرہ ہوا جو دعا مومنین کے لیے مانگتے ہیں۔ اس دعا میں وہ کہتے ہیں:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (المومن:7)

اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز کو اپنی رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے۔

سورت الانعام میں ارشاد ہوا: كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام:12)

اللہ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ پھر اسی سورت الانعام میں کچھ آگے جا کر ارشاد ہوا: وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ

وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الانعام:54)

اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کہیں تم پر سلام ہو (اور انہیں بشارت دو کہ) تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے (اس لیے تمہیں اطمینان رکھنا چاہیے) کہ تم میں سے جس نے ناواقفیت و نادانی سے کوئی برا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بخشنے والا بے حد رحم کرنے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! اس آیت سے جہاں اصحاب رسول کی عظمت آشکار ہو رہی ہے کہ کائنات کے سردار کو حکم ہو رہا ہے کہ مومن لوگ جب آپ کی محفل میں آئیں تو آپ ان کا استقبال کرتے ہوئے انہیں سلام کہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں سلام کہتا ہے یا اپنے صحابہ کو خوشخبری سنائیے کہ وہ ہر قسم کی سزا سے ہمیشہ سلامتی اور امن میں ہوں گے۔ اس آیت سے ذرا پہلے آیت نمبر 52 میں امام الانبیاء ﷺ سے کہا گیا کہ سرداران قریش کے مطالبے پر آپ غریب اور نادار صحابہ کو اپنی محفل سے دور نہ کریں۔

اس آیت میں فرمایا: اپنے غریب ساتھیوں کو اپنی مبارک محفل سے دور کرنا تو کجا، بلکہ وہ آئیں تو سلام کے ساتھ ان کا استقبال کریں۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ اس آیت میں اللہ رب العزت کی رحمت بے پایاں کو کتنے حسین انداز میں بیان کیا گیا کہ تمہارے رب نے رحمت کرنے کو اپنے ذمہ لکھ لیا ہے۔ "كَتَبَ رَبُّكُمْ" ذرا انداز دیکھیے! تمہارے رب نے لازم کر لیا ہے۔ پالنے والا اور ظاہر ہے کہ کوئی پرورش کرنے والا اپنی پالی ہوئی چیز کو حتی الامکان ضائع نہیں کرتا۔۔۔۔ تمہارے رب نے اپنے ذمہ لکھ لیا ہے کہ وہ رحمت ضرور کرے گا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ کوئی سنجیدہ اور شریف آدمی اپنے عہد و پیمان کے خلاف نہیں کرتا تو پھر "قَآئِمًا بِالْقِسْطِ" کی صفت سے موصوف رب العالمین سے یہ کیسے ممکن ہے کہ (العیاذ باللہ) اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرے۔ پھر ایسے وعدے کی جسے اس

نے بصورت معاہدہ لکھ لیا ہو۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ رب العزت نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اپنی اس کتاب میں لکھ دیا جو اس کے پاس عرش کے اوپر تھی کہ "اِنَّ رَحْمَتِیْ غَلَبَتْ غَضَبِیْ" (مسلم: کتاب التوبہ، 2/356، مشکوۃ: 206)

یقیناً میری رحمت میرے غضب اور غصے پر غالب ہے۔

رحمتِ الٰہی سے ناامیدی

شریعتِ اسلامیہ نے اللہ رب العزت کے ساتھ رحمت و مغفرت کی امید و آس قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اور رحمتِ الٰہی سے ناامیدی و یاس کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوا: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الزمر: 53)

(اے میرے پیغمبر) کہہ دو (ان سے میری طرف سے کہ) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے بے شک وہ بڑا بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔

سامعین گرامی قدر! ایک لمحہ کے لیے غور فرمائیں کہ اللہ نے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کو، گناہ گاروں اور نافرمانوں کو کتنے پیارے اور حسین انداز میں مخاطب فرمایا ہے، یہ نہیں فرمایا: "اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْن"، "اَیُّهَا الْفَاسِقُوْن" بلکہ خطاب میں رحمت ٹپک رہی ہے: "یٰعِبَادِیَ" اے میرے بندو! بعض اہل بدعت نے ان الفاظ کی عجیب و غریب تاویل کی ہے کہ اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کو خود کہا ہے کہ لوگوں کو اپنے بندے کہہ کر خطاب کرو، اس لیے سب انسان نبی اکرم ﷺ کے بندے ہیں۔

درحقیقت یہ قرآن کی تفسیر یا تاویل نہیں بلکہ قرآن کی بدترین معنوی تحریف ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ کھیل کھیلنا ہے۔ اگر اس تاویل کو مان لیں تو پھر پورے قرآن

سے ہاتھ دھونے پڑیں گے کیونکہ قرآن تو از ابتداء تا انتہاء لوگوں کو صرف اللہ کا بندہ قرار دیتا ہے۔ سورت آل عمران کی آیت نمبر 79 میں واضح طور پر کہا گیا کہ کسی پیغمبر کو یہ بات لائق نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے بچوں کے نام عبداللہ اور عبدالرحمن رکھے۔ مشرکین میں سے دائرہ اسلام میں آنے والے لوگوں کے شرکیہ نام (عبدالعزیٰ، عبدمناف، عبدود وغیرہ) تبدیل فرمائے اور نیا نام عبداللہ تجویز فرمایا۔ مگر کسی ایک نومولود کا نام عبدالرسول، عبدمحمد، عبدالنبی، عطاء المصطفیٰ نہیں رکھا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:
یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگذر کی شان عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس الفلاح مریضوں کے حق میں اکسیر شفا کا حکم رکھتی ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدمعاش، فاسق و فاجر کوئی ہو اس آیت کے سننے کے بعد رب کی رحمت سے بالکلیہ مایوس ہوجانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کے لیے کوئی وجہ نہیں کیونکہ اللہ جس کے چاہے سب گناہ معاف کرسکتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس نے دوسری جگہ فرمایا کہ کفر وشرک کا جرم بدون توبہ کے معاف نہیں ہوگا۔ (النساء:116)

آپ آیت کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ تاکید کے ساتھ سب گناہوں کی معافی کی خوشخبری سنائی جارہی ہے۔ ذنوب خود جمع ہے جو سب گناہوں کو عام اور شامل ہے پھر "جَمِيْعًا" سے اس کی مزید تاکید فرمادی۔۔۔۔ اس لیے ہم جیسے گناہ گاروں کے لیے رحمتِ الٰہی کے اس بیان کے بعد شادمانی و مسرت اور حوصلہ کا اور مقام کیا ہوسکتا ہے؟ اسی لیے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآن میں عظمت و مقام اور شان کے اعتبار سے سب سے عظیم آیت "آیۃ الکرسی" ہے اور خیر وشر کے اصول و مبادی کے اعتبار سے سب سے جامع آیت إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النحل:90) ہے اور سب سے زیادہ خوشی ومسرت اور امید افزا یہ آیت کریمہ ہے۔(ابن کثیر، ابن جریر)

حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کو جب اطلاع ملی کہ بنیامین چوری کے جرم میں پکڑا گیا ہے اور مصر ہی میں رہ گیا ہے تو ان کا پرانا غم تازہ ہو گیا اور کہا: ''يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ'' ہائے افسوس! یوسف پر۔ پھر فرمایا جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔ وَلَا تَيْأَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف:87)

اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو یقیناً اللہ کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔

اسی حقیقت کو سورت الحجر میں بیان فرمایا: جب فرشتے انسانی لباس میں جدالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں آئے اور انہیں بیٹے کی خوشخبری سنائی، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بڑھاپے کو دیکھ کر کہا یہ کیسی خوشخبری ہے؟ فرشتے کہنے لگے بالکل سچی اور حقیقت پر مبنی خوشخبری آپ کو دے رہے ہیں: فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ (الحجر:55)

آپ ناامید اور مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں۔

سیدنا ابرہیم علیہ السلام نے فرشتوں کے جواب میں فرمایا: قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (الحجر:56)

اپنے رب کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔

سیدنا زکریا علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں انہیں بڑھاپے میں بانجھ بیوی سے اللہ رب العزت نے بیٹا عطا فرمایا۔ سورت مریم کی ابتداء میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا: ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا (مریم:2)

یہ ہے تیرے رب کی اس رحمت کا تذکرہ جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی وادیوں سے گذارا۔ اولاد، مال و دولت، صحت اور جوانی سے محروم کر دیا۔ 18 تقریباً سال بیماریوں میں مبتلا رہ کر انہوں نے صحت کے لیے اپنے پروردگار کو آواز لگائی اور پکارا، اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد کو سن کر انہیں صحت کی نعمت سے مالا مال کر دیا۔ فرمایا: فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ (انبیاء:84)

جو دکھ اور تکلیف انہیں تھی اسے ہم نے دور کر دیا اور انہیں اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ اتنے اور بھی اپنی خاص رحمت سے اور نصیحت ہے بندگی کرنے والوں کے لیے۔

رحمت و غضب اگرچہ یہ حقیقت سو فیصد درست ہے کہ اللہ رب العزت کی رحمت و مہربانی انتہائی وسیع و کشادہ ہے بلکہ رحمتِ الٰہی کا سمندر بے کراں ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں مگر اللہ رب العزت نے قرآن میں اکثر جگہوں پر جہاں اپنی رحمت و مغفرت کا تذکرہ فرمایا ہے وہیں اپنی صفت عدالت و جباریت کا ذکر بھی کیا ہے۔

سورت الفاتحہ میں "الرحمن الرحیم" کے بعد اپنی صفت "مالک یوم الدین" کا تذکرہ فرمایا۔ سورت الانعام میں ارشاد ہوا: فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ (الانعام:147)

پھر اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہہ دیں کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے ٹلنے والا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا: وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (50) وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ (الحجر:50,51)

میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بخشنے والا انتہائی مہربان ہوں اور یہ بھی کہ میرا عذاب وہی دردناک عذاب ہے۔

سچ کہا گیا ہے کہ "اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ" ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف اور اس کی رحمت کے امیدوار رہنے کا۔

روحانی رحمتیں انسان کے جسم اور بدن کی نشوونما کے لیے جتنی چیزیں غذائیں تیار کر رہی ہیں انہیں رحمت و مہربانی سے تعبیر کیا گیا۔ زمین، آسمان، رات، دن، سورج، چاند، ستارے، بادل، بارش، مختلف قسم کی ہوائیں، یہ سب میرے رب کی رحمت ہی رحمت ہے۔

جس رب نے انسان کے جسم کے لیے غذا کا انتظام فرمایا ہے کیا اس رب نے انسان کی روح کے لیے غذا کا انتظام نہیں کیا ہوگا؟ روح کی اس غذا کو بھی رحمت سے تعبیر فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: 107)

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

مومنوں کے لیے تو رحمت بن کر آئے کہ ہدایت کا سامان لے کر آئے۔ اپنی سنہری اور حسین تعلیمات کے ذریعے دین و دنیا کی سعادتوں سے ہمکنار کرنے کے لیے آئے۔ آپ ﷺ کی وجہ سے یہ امت بالکلیہ تباہی و بربادی سے محفوظ ہوگئی اور مشرکین و کفار کے لیے بددعا نہ کرنا یہ بھی ان کے لیے رحمت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً" (مسلم)

میں لعن طعن کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا میں تو رحمت بن کر مبعوث ہوا ہوں۔

ایک اور حدیث ہے: "اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ" (الجامع الصغیر)

میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں جو اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے تحفہ ہے۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر خود قرآن کو اپنی رحمت سے تعبیر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس: 57)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ

اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:82)

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (الجاثیہ:20)

تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ (لقمان:2,3)

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (عنکبوت:51)

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ يُّلْقٰى اِلَيْكَ الْكِتَابُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكَافِرِيْنَ (قصص:86)

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے ان دونوں صفاتی ناموں (الرحمن، الرحیم) کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کی رحمت کا ہمیشہ امیدوار رہے مگر اس کی رحمت کی وسعت کو دیکھ کر گناہوں پر دلیر نہ ہو جائے۔ اپنی تمام تر امیدیں اسی سے وابستہ رکھے اور اللہ کے بندوں پر رحم کرے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَّنْ فِی السَّمَاءِ'' (ترمذی، کتاب البر والصلہ)

تم زمین پر بسنے والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

کسی شاعر نے اسی کا خوبصورت ترجمہ کیا ہے:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

ایک اور حدیث میں امام الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ'' (ترمذی) جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتے۔

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے: ''لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ'' (ترمذی)

رحم اسی شخص کے دل سے نکالا جاتا ہے جو بدبخت ہو۔

اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ بلا تفریق مذہب و مسلک ہر ایک کے ساتھ احسان اور

مہربانی کا برتاؤ اور معاملہ کرے بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی رحم کا معاملہ کرے۔ایک فاحشہ عورت محض اتنی مروت پر بخش دی گئی کہ اس نے پاؤں کے موزے کو ڈول اور اپنی چادر کو رسی بنا کر کنویں سے پانی نکال کر ایک پیاسے کتے کو پلایا تھا۔

نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر بھی اجر ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) پر احسان کرنے میں ثواب ہے۔(بخاری)

ارحم الرحمین الرحمن اور الرحیم کے علاوہ ''ارحم الرحمین'' قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے۔اللہ رب العزت کے چار نبیوں نے اللہ رب العزت کو پکارا تو دعا کے آخر میں اسی صفت کا ذکر کیا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کی دعا قرآن نے ذکر کی: وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (الانبیاء:83)

اور ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے کہا:

فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (یوسف:64)

پس اللہ ہی بہترین محافظ ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا: يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (یوسف:92)

اللہ تمہیں معاف فرمائے وہ سب مہربانوں میں سے بڑا مہربان ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگتے ہوئے کہا: قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (الاعراف:151)

میرے پالنہار! تو مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت

میں داخل کرلے اور آپ تمام رحم کرنے والوں میں سے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

خیر الراحمین قرآن مجید میں ایک ہی سورت یعنی سورت مومنون میں یہ نام دو مرتبہ آیا ہے۔ آیت نمبر 109 میں اللہ رب العزت نے مومنوں کی دعا کو اس طرح ذکر فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ

اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے پس تو ہمیں معاف فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں میں بہتر رحم کرنے والا ہے۔

پھر آیت نمبر 118 میں امام الانبیاء ﷺ کو دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا کہ یوں دعا مانگئے: وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ

اے میرے رب مجھے معاف کردے اور مجھ پر رحم فرما تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کو دعائے مغفرت کی تلقین باوجودیکہ آپ معصوم ہیں دراصل امت کو سکھانے کے لیے ہے کہ تمھیں اس طرح دعا مانگنی چاہیے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اَلْمَالِكُ، اَلْمَلِكُ، اَلْمَلِيْكُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحہ:3-1)

وقال تعالٰی فی مقام آخر:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الحشر:23)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی "المالک، الملک، الملیک" کے متعلق چند گزارشات پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہر ہر شئی کا حقیقی مالک اور ہر چیز پر دائمی بادشاہی اور حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ دنیا میں اللہ رب العزت نے کچھ چیزوں پر ہمیں عارضی ملک اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے۔ جیسے: مکان، دکان، باغات، زمینیں وغیرہ۔

ایک لمحہ کے لیے غور فرمائیے! جب ہم دنیا میں آئے تھے تو خالی ہاتھ آئے تھے۔ میرے قبضے میں کوئی مکان تھا نہ دکان، میرے ہاتھ میں کوئی زمین تھی نہ باغات، میری مٹھی میں ایک دمڑی اور پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی، بلکہ بدن پر لباس اور پاؤں میں جوتے تک

نہیں تھے۔ اور جب ہم دنیا سے عالم آخرت کی طرف جائیں گے تو اس وقت بھی ہمارے ساتھ نہ ہماری دکان جائے گی، نہ مکان، نہ دولت، نہ باغ، نہ زیور، نہ دنیا کے باقی اسباب۔ پھر ہم مکان، باغات، زیور اور زمینوں کے مالک ہو گئے بلکہ سینکڑوں چیزوں کے مالک بن بیٹھے۔ مگر کیا یہ چیزیں ہم اپنے ساتھ لائے تھے؟ اور کیا ان میں سے کوئی چیز میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا؟ اگر نہیں تو ہم کیا مالک ہوئے؟ اگر میں ان چیزوں کا حقیقی مالک ہوتا تو انہیں پچھلوں کے لیے چھوڑ کر نہ جاتا بلکہ اپنے ساتھ لے کر جاتا، اور اگر میں حقیقی مالک ہوتا تو ان چیزوں کو اپنے ساتھ لاتا۔ معلوم ہوا ہر چیز کا حقیقی مالک کوئی اور ہی ہے۔

حقیقی مالک یقیناً وہی ہے جس سے ملکیت کو سلب نہ کیا جا سکے۔ موت کا جام پیتے ہی ہم سے ملکیت سلب ہو جاتی ہے تو ہم کس طرح اور کیسے اصلی مالک کہلائے جا سکتے ہیں؟

ہماری ملکیت مختلف چیزوں پر عارضی ہے اور وہ بھی چند چیزوں پر جبکہ مالک جل جلالہ کی ملکیت کائنات کے ذرے ذرے پر ہے۔

ایک عالم نے اپنے مکان کے مین دروازے پر یہ شعر تحریر کیا:

این عمارت چند روز نزد ماست بعد از ما، مالک این کبریاست

اس شعر میں پہلا مصرعہ تو بالکل صحیح ہے کہ یہ عمارت ہمارے پاس چند دنوں کے لیے ہے مگر دوسرا مصرعہ صحیح نہیں ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد اس کا مالک اللہ رب العزت ہوگا کیونکہ ہماری زندگی میں وہی مالک ہے۔

جامع مسجد حنفیہ بلاک نمبر 18 سرگودھا کے صدر حاجی شیخ محمد رفیق مرحوم بڑے باذوق آدمی تھے۔ انہوں نے مکان تعمیر کروایا اور فرنٹ کے دروازے پر یہ شعر لکھوایا:

در حقیقت مالک ہر شئی خداست این عمارت چند روز زیر ماست

یاد رکھیے! مالک اور الملک کا اطلاق عارضی طور پر غیر اللہ کے لیے ہوا ہے۔ چنانچہ سورت یوسف میں چار جگہوں پر الملک کا لفظ آیا ہے اور اس سے مراد بادشاہِ مصر ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ (یوسف:43)

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ (یوسف:54)

قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ (یوسف:72)

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف:76)

قرآن کریم نے الملک کا لفظ مجازاً دنیا کے بادشاہوں کے لیے استعمال کیا ہے ورنہ مالک الملک بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہ صرف وہی ہے۔ دنیا کے بادشاہ تو بس برائے نام اور عارضی اور صرف ایک خطہ کے بادشاہ ہیں۔ وہ کیسے بادشاہ ہو سکتے ہیں؟ جنہیں ملک الموت آ کر دبوچ لے۔ جنہیں بچھو کاٹ لے تو تڑپ اٹھیں۔ مچھروں کے ڈنگ سے بچاؤ کے لیے تدبیریں کریں۔ بخار ہونے پر کروٹیں بدلنے لگیں۔ بغاوت کے خوف سے نیندیں اڑی رہیں اور کبھی انہی جیسا بادشاہ انہیں شکست دے کر قیدی بنا لے۔

حقیقی بادشاہ وہی ہے جو ملک الناس کی صفت سے موصوف ہے۔ حقیقی بادشاہ وہی ہے جو فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (طٰہٰ:114)

(شریکوں سے) بلند و بالا ہے اللہ بادشاہ سچا!

حقیقی بادشاہ وہی ہے جس کی بادشاہی کی وسعت ہے۔ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (زخرف:85)

بہت برکتیں عطا کرنے والا ہے وہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان دونوں کے

درمیان ہے سب میں اسی کا راج ہے۔

سامعین گرامی! اگرچہ حقیقی اور مکمل ملکیت زمین و آسمان میں اور تمام کائنات پر صرف اور صرف اللہ رب العالمین کی ہے مگر اس نے اپنے فضل وکرم سے اور اپنی رحمت سے ایک قسم کی ناقص اور محدود اور عارضی ملکیت چند چیزوں پر انسان کو بھی عطا کر رکھی ہے۔ یہ میرا مکان ہے۔ یہ میری زمین ہے۔ یہ میرا باغ ہے۔ یہ میرا زیور ہے۔ یہ میری جائیداد ہے۔ مگر موت کے آتے ہی ان سب چیزوں پر انسان کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن تو یہ عارضی، ناقص اور محدود ملکیت بھی کسی کو حاصل نہیں ہوگی۔ سورت الفاتحہ میں غالباً اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ روزِ جزا کا مالک۔

سورت الانفطار میں ارشاد ہوا: يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (19)

تجھے کیا خبر کہ بدلے کا دن کیسا ہے؟ پھر بھی تجھ کو کیا خبر کہ کیسا ہے دن انصاف کا جس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے کسی چیز کا مالک ومختار نہ ہوگا اور تمام تر حکم اس دن اللہ ہی کے لیے ہے۔

سورت المومن میں ارشاد ہوا: يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (16)

جس دن سب لوگ اللہ کے سامنے آموجود ہوں گے ان کی کوئی بات اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ (اعلان ہوگا) آج کس کی بادشاہی ہے؟ (پھر خود ہی جواب میں کہے گا) اللہ کی جو یکتا اور غالب ہے۔

روزِ محشر میں اللہ کا جاہ وجلال دیکھیے! شان وشوکت اور دبدبہ ورعب دیکھیے! ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' کی صدا کے جواب میں حقیقی اور سچا جواب (کہ مولا! آج تیری ہی حکومت و بادشاہی ہے) دینے کی ہمت کسی میں بھی نہیں ہوگی۔ اللہ خود یا اس کے حکم سے

فرشتہ آواز لگائے گا کہ مولا! تیری بادشاہی ہے۔ پھر کافر مومن سب یہی بول اٹھیں گے "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ"

امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: "يَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ"

(مسلم، باب صفة القیامة والجنة النار، جلد:2ص:370)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنے قبضہ میں لے لیں گے اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ پر لپیٹ لیں گے پھر (جلال سے) فرمائیں گے میں ہی بادشاہ ہوں آج زمین میں بادشاہی کے دعویدار کہاں ہیں؟

اسی حقیقت کو قرآن میں اللہ رب العزت نے اس طرح بیان فرمایا: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الزمر:67)

ایک اور حدیث میں اس طرح آیا ہے: "وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ عَلٰى اِصْبَعٍ وَالْمَاءُ وَالثَّرٰى عَلٰى اِصْبَعٍ وَسَائِرُ الْخَلْقِ عَلٰى اِصْبَعٍ ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ فَيَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَنَا الْمَلِكُ" (مسلم، جلد:2ص:370)

اور اللہ رب العزت قیامت کے دن تمام پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھیں گے اور پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر رکھیں گے اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر اٹھائیں گے پھر ان کو ہلا کر (جلال میں) کہیں گے میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی بادشاہ ہوں۔

قیامت کے دن بادشاہی کا اعلان اور "اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ" کی للکار اور سورت المومن کی آیت نمبر16 میں قیامت کے روز اعلان باری "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" آج کس کی بادشاہی ہے؟

"اَلْيَوْمَ" (یعنی آج) کی قید اس لیے لگ رہی ہے کہ دنیا میں عارضی اور مجازی

بادشاہت لوگوں کو ملتی رہی ہے بلکہ عام لوگوں کی ملکیت میں بھی کچھ چیزیں دی گئی تھیں۔ انسان کے جسم کے اعضا پر اسے ملک اور قدرت حاصل تھی جس طرح چاہے بولے، دیکھے، سنے اور چلے پھرے اور پکڑے، مگر قیامت کے دن تمام تر ملک وملک بادشاہی، اختیار کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔ اس دن اس کی حکومت وملکیت کا ظہور علی وجہ الکمال والتمام پورے شباب اور جوبن پر ہوگا۔ قیامت کے دن تمام تر مجاز ختم ہو جائیں گے اور صرف حقیقت ہی حقیقت رہ جائے گی۔

قرآن میں صفت ملک کا ذکر قرآن مجید نے کئی مقامات پر اللہ رب العزت کی صفت ملکیت کو انداز بدل بدل کر بیان فرمایا۔ ایک جگہ پر ارشاد ہوا: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (المائدہ:120)

اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت وبادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں "للہ" خبر مقدم ہے اور مبتداء کو موخر کر کے حصر کا مفہوم پیدا کیا گیا۔ معنی کریں گے اللہ ہی کے لیے ہے۔

سورت الحدید میں ارشاد ہوا: لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الحدید:2)

اسی کے لیے ہی بادشاہی اور راج ہے آسمانوں کا اور زمین کا وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری ہوا: فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (یٰسین:83)

(شریکوں سے) پاک وہ ذات جس کے (قبضہ) ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور (بالآخر) اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

قرآن کریم میں ایک سورت، سورت الملک کے نام سے موجود ہے جس کے آغاز میں ہی اللہ رب العزت نے اپنے ملک اور اپنی سلطنت اور اپنے اختیار و قدرت کا خوبصورت انداز میں تذکرہ فرمایا: تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

بڑی برکت والی ہے ذات اس کی جس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی اور وہ ہر شئی پر قادر ہے۔

برکت کے معنی ہیں بڑھوتری، یعنی کسی نعمت کو زیادہ کر دینا، کسی انعام کو بڑھا دینا۔ اولاد میں زیادتی، مال و دلت میں، فصلوں اور اناج میں، بارش میں، عزت و سلطنت میں برکت عطا کرنا یعنی ان نعمتوں کو بڑھانا۔

اسی کو ایک اور جگہ پر اس طرح ذکر فرمایا: تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (1) الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (الفرقان:1.2)

بڑی برکت والی ذات ہے اس (اللہ) کی جس نے (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے بندے پر نازل فرمائی تا کہ وہ ہو سب جہان والوں کو آگاہ کرنے والا۔ وہ (اللہ) کہ جس کی بادشاہی زمین و آسمانوں میں قائم ہے اور اس نے کسی کو بیٹا (نائب) نہیں بنایا اور بادشاہی و اختیار میں اس کا کوئی شریک و ساجھی بھی نہیں ہے اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر فرمایا۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا:

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (آل عمران:26)

(اے محمد ﷺ) آپ کہیں اے اللہ! مالک تمام ملک کے آپ جس کو چاہیں بادشاہی عطا کر دیں اور جس سے چاہیں بادشاہی چھین لیں اور جس کو چاہیں عزت سے سرفراز کر دیں اور جس کو چاہیں ذلت کے گڑھے میں ڈال دیں سب خیر اور خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے یقیناً آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

بعض مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں تحریر فرمایا ہے کہ خندق کے کھودتے ہوئے ایک چٹان باوجود کئی ضربیں لگانے کے جب نہ ٹوٹی تو امام الانبیاء ﷺ نے اس چٹان پر اپنے دستِ مبارک سے ضرب لگائی تو چٹان سے چنگاریاں نکلیں آپ ﷺ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور فرمایا: مصر کے محلات ہمیں عطا کر دیئے جائیں گے۔ دوسری ضرب لگائی چنگاریاں نکلیں آپ ﷺ نے فرمایا: روم کی سلطنت ہمارے حوالے ہوگی۔ اسی طرح تیسری ضرب پر فارس کی فتح اور پھر صنعاء کی فتح کی خوشخبریاں سنائیں۔ منافقین نے سنا تو مذاق اڑانے لگے کہ خود خندق کی آڑ میں چھپنا چاہتے ہیں۔ کھانے تک کے لیے کوئی چیز پلے نہیں اور خواب دیکھ رہے ہیں فارس و روم کے محلات کے۔ اس موقع پر یہ آیت اتری کہ سب قسم کے اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہیں کسی کو اقتدار عطا کرنا یا کسی کو سلطنت سے محروم کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ نہیں دیکھ رہے کہ جس نے نبوت و رسالت جیسی نعمت و دولت بنو اسرائیل سے لے کر بنو اسماعیل کو دے دی ہے وہ اللہ روم و فارس کے خزانے مسلمانوں کو عطا نہیں کر سکتا؟

قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ مشرکینِ مکہ بھی اللہ رب العزت کی صفت مالکیت کے قائل تھے۔ سورت یونس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (یونس: 31)

آپ ﷺ (ان مشرکین سے) پوچھیے تمہیں آسمان و زمین سے روزی کون دیتا

ہے یا تمہارے کان اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟

آیت کے آخر میں مشرکین کے جواب کو ذکر کیا (فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ) وہ کہیں گے کہ اللہ۔

اسی بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ سورت المومنون میں ذکر فرمایا: قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (المومنون:88)

(ان مشرکین سے) پوچھئے ہر چیز کی حکومت (اختیار) کس کے ہاتھ میں ہے؟ وہ بچا لیتا ہے اور اس کی (پکڑ سے) کوئی بچا نہیں سکتا (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو وہ (جواب میں) کہیں گے اللہ (کو اختیار ہے)

منفی رنگ سامعین گرامی قدر! اب تک جو کچھ آپ حضرات نے سنا یہ مثبت انداز اور اثباتی رنگ تھا جس کے ساتھ مشرکین و کفار کو بھی اختلاف و انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اپنے پرائے سب کو اقرار ہے کہ ہر ہر شئی کا مالک صرف اور صرف اللہ ہے۔ ہر قسم کا اختیار اسی کو حاصل ہے۔ اب میں آپ کے سامنے اس مسئلے کا منفی رنگ رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ منفی رنگ قرآن نے اختیار کیا ہے۔ آپ یقین کریں کہ جب تک منفی رنگ اور انداز اختیار نہ کیا جائے اس وقت تک مسئلہ واضح ہی نہیں ہوتا۔ کلمۂ توحید کے اقرار میں بھی الا اللہ سے پہلے لا الٰہ کا اقرار کروایا گیا ہے۔

سب سے پہلے میں ایسی آیات آپ کو سنانا چاہوں گا جس میں اللہ نے اپنے ملک و اختیار اور اپنے راج و سلطنت کو بیان کرنے کے بعد غیر اللہ سے ملک کی بڑے عجیب انداز میں نفی فرمائی ہے۔ سورت فاطر کی آیت نمبر 9 سے لے کر آیت نمبر 13 تک اللہ رب العزت نے اپنے اختیار، تخلیق، قدرت، کاریگری، علم کی وسعت کا تذکرہ فرمایا پھر ارشاد ہوا: يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا

يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (فاطر:13)

(ان صفات سے جو متصف ہے) یہ اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کے لیے ہے بادشاہی اور راج۔

آگے اللہ رب العزت نے مسئلہ واضح کرنے کے لیے منفی رنگ اپنالیا، فرمایا:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (فاطر:13)

اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے اوپر چڑھے ہوئے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔

اللہ رب العزت نے عجیب بات فرمائی ہے کھجور کی گٹھلی کے اوپر موجود چھلکا جو بظاہر بہت ہی بے قیمت اور بے وقعت ہے (اللہ نے اسے گٹھلی پر اس لیے چڑھایا تاکہ گٹھلی کی کھٹاس کھجور کی مٹھاس کی طرف نہ چلی جائے) تمہارے خود ساختہ مشکل کشا اس کے بھی مالک نہیں ہیں۔ شاید یہ بات اس لیے فرمائی ہو کہ کھجور کو قبر کی طرح سمجھ لو، گٹھلی کو میت کی طرح سمجھ لو اوپر پردے کو کفن کی طرح سمجھ لو، جن کو حاجات میں تم پکارتے ہو وہ تو اپنے کفن کے بھی مالک نہیں ہیں۔

(فاطر: 13)(اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک کے منکر ہو جائیں گے) سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس سے مراد صرف پتھر کے بت ہی نہیں بلکہ بزرگانِ دین بھی ہیں جن کو لوگ اپنی مشکلات میں پکارا کرتے تھے۔

سورت فاطر کی اگلی آیت میں مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (14)

اگر تم ان کو پکارو تو نہ سنیں تمہاری پکار اور اگر سن لیں تو نہ پہنچ سکیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ جتلائے گا تجھ کو جیسا

بتلائے خبر رکھنے والا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (15)

اے لوگو! تم سب اللہ کے دروازے کے محتاج اور مانگت ہو اور اللہ وہی ہے بے پرواہ خوبیوں والا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ کے خطاب میں سب شامل ہیں۔ انبیاء بھی، اولیاء بھی، اتقیا بھی، اصفیاء بھی، بزرگانِ دین، بڑے بھی اور چھوٹے بھی، نیک بھی اور بد بھی، امیر بھی اور غریب بھی، بل اونر بھی اور مزدور بھی، زمیندار بھی اور مزارع بھی، ہر ایک اللہ کا محتاج، ہر ایک اسی کے در کا سوالی، ہر ایک اسی کے دربار کا فقیر، ہر ایک اسی کے دروازے کا گدا ہے اور غنی و داتا صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری ہے: قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ (سبا:22)

میرے پیغمبر! آپ کہیں تم پکارو ان کو جن کو تم اللہ کے سوا گمان کرتے ہو (کہ انہیں بھی قدرت و اختیار حاصل ہیں) وہ ایک ذرہ بھر کے مالک نہیں ہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی ساجھا ہے اور نہ ان سے کوئی اس (اللہ) کا مددگار ہے۔

سورت فرقان میں ارشاد ہوا: وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا (فرقان:3)

(جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو) وہ اپنی جانوں کے لیے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں اور وہ موت و حیات اور دوبارہ اٹھنے کے بھی مالک نہیں ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ کی زبانِ مقدس سے اعلان

دوسرے انبیائے کرام

علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمۃ اللہ علیہم اپنے اپنے مقام پر بڑے درجات رکھتے ہیں مگر امام الانبیاء ﷺ کی شان اور مرتبہ کے کیا کہنے۔ آپ ﷺ تو امام الانبیاء بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی، رحمۃ العالمین بھی اور شفیع المذنبین بھی، ساری خلقت کے سردار، سب سے اعلیٰ و برتر، سب سے بہتر اور بلند، آپ کی زبانِ مقدس سے اللہ رب العزت نے اعلان کروایا: قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (اعراف:188)

آپ کہہ دیں میں اپنی جان کے بھلے اور برے کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کہے کہ اپنی جان کے بھلے اور برے کا اختیار نہیں رکھتے مگر ہمارے نفع ونقصان کے آپ ﷺ مالک ہیں تو اس شبہ کو دور کرنے کے لیے ایک اور اعلان کرنے کا حکم دیا: قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (الجن:21)

آپ کہیں میرے اختیار میں نہیں تمہارا ضرر (برا) اور نہ راہ پر لانا۔

قرآن مجید کی ان دو آیتوں کے بعد ایک دو ارشاد نبوی ﷺ بھی سن لیجیے تاکہ معاملہ نور علیٰ نور ہو جائے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے گیارہ شادیاں کی ہیں (تاکہ نبوت کی گھریلو زندگی امت کے سامنے آکر ان کے لیے نمونہ بن سکے) آپ اپنی ازواج کے مابین ہر طرح سے عدل، مساوات اور انصاف و برابری کا سلوک فرماتے تھے۔ کھانے پینے اور پہننے میں برابری فرماتے۔۔۔ دنوں اور راتوں کی تقسیم میں عدل فرماتے یعنی اختیاری معاملات میں سو فیصد مساوات سے کام لیتے۔۔۔ مگر کچھ چیزیں غیر اختیاری ہوتی ہیں جیسے دلی محبت، اب دل پر کس کا اختیار ہے۔۔۔؟ آپ ﷺ کے دل میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت دوسری ازواج کی نسبت زیادہ تھی، اصحاب رسول بھی اس حقیقت سے واقف تھے۔ (اصحاب رسول تحفے تحائف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن زیادہ بھیجا کرتے تھے۔۔۔ مال غنیمت میں ایک خوبصورت ہار کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نے پوچھا یہ ہار کس کو عطا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے سے کہا یہ ہار تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو عطا ہوگا آپ ﷺ نے وہ ہار اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کے گلے میں ڈال دیا) اس غیر اختیاری قلبی محبت کے رجحان کے بارے آپ ﷺ دعا مانگتے ہیں: ”اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا أَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ (يَعْنِيْ الْحُبَّ وَالْمَوَدَّةَ)“

مولا! میری یہ تقسیم ان معاملات میں ہے جن کا اختیار مجھے حاصل ہے میرے پالنہار! میرا مواخذہ ان معاملات (محبت والفت کا تعلق) میں نہ کرنا جو میرے اختیار میں نہیں بلکہ سراسر تیرے اختیار میں ہیں۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”اِعْمَلِيْ يَا فَاطِمَةُ لَا أَمْلِكُ لَكِ شَيْئًا“

فاطمہ بیٹا! عمل کرو کل قیامت کے دن میں تیرے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔

آپ ﷺ نے اپنے عم مکرم حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: چچا! نیک عمل کرکے اپنے اعمال نامہ کو حسین بناؤ میں قیامت کے دن تیرے لیے کسی چیز کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔

نبی اکرم ﷺ کے ان دونوں ارشادات سے واضح ہوا کہ کل قیامت کے دن حسب نسب کسی کا کام نہیں آئے گا بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے۔

سیدنا نوح علیہ السلام سے کہا گیا: يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ھود:46)

(اے نوح) وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے (اس لیے) کہ اس کے عمل اچھے نہیں ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن چور اور خائن اس حالت میں آئے گا

کہ خیانت اور چوری والی چیز اس کے کندھے پر ہوگی۔آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص میرے سامنے آکر کہے گا: "اَغِثْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللہ" اے اللہ کے رسول! میری فریادرسی کیجیے میں جواب میں کہوں گا: "لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا لَقَدْ اَبْلَغْتُکَ" میں تیرے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا میں نے دنیا میں (نیکی اور برائی، گناہ اور ثواب کی) تبلیغ کردی تھی۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ وَرَحْمَتِکَ فَاِنَّہٗ لَا یَمْلِکُھَا اِلَّا اَنْتَ" (طبرانی)

مولا! میں آپ سے آپ کے فضل اور رحمت کا سوال کرتا ہوں کیونکہ اس کے مالک صرف آپ ہی ہیں۔

اللہ رب العزت کے صفاتی ناموں میں "المالک" کے متعلق تفصیلی گفتگو میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے۔۔۔۔۔ المالک کے قریب المعنیٰ ایک نام ہے "الملک" بمعنی بادشاہ اور اسی سے ملتا جلتا ایک نام قرآن میں صرف ایک جگہ پر آیا ہے "الملیک" اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ (54) فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر:54.55)

یقینا پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں ہوں گے ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

حدیث میں بھی "ملیک" اسم الٰہی استعمال ہوا ہے۔امام الانبیاء ﷺ سونے کے لیے بستر پر تشریف لاتے تو جو دعائیں آپ ﷺ پڑھتے ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّمَلِیْکَہٗ وَاِلٰہَ کُلِّ شَیْءٍ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ" (ابوداؤد)

اے اللہ! اے ہر چیز کے رب اور ہر چیز کے مالک ومعبود میں آگ سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

الملک للہ ☆ والارض للہ ☆ والحکم للہ

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (الجمعۃ:1)

آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے جو بادشاہ پاک ذات (ہے) زبردست حکمتوں والا۔

سامعین مکرم! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں ہم اللہ رب العزت کے ایک مقدس نام ''القدوس'' کی تشریح اور تفسیر میں کچھ گذارشات پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اسم مبارک قرآن مجید میں دو مقام پر آیا ہے۔ ایک سورت الجمعۃ کی آیت نمبر 1 میں جو میں نے خطبہ میں تلاوت کی ہے۔ دوسرا مقام سورت الحشر کی آیت نمبر 23 ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

وہی اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، بادشاہ نہایت پاک، سب عیبوں سے مبرّا، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، زور آور، بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ''القدوس'' کا معنیٰ وتشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اَلْقُدُّوْسُ الْمُنَزَّہُ عَنِ النَّقَائِصِ الْمَوْصُوْفُ بِصِفَاتِ الْکَمَالِ''

قدوس کا معنیٰ ہے جو ہر قسم کے نقائص (کمی وکوتاہی) سے پاک ہو اور کامل صفات سے متصف ہو۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ''اَلْقُدُّوْسُ ھُوَ الطَّاھِرُ مِنَ الْعُیُوْبِ الْمُنَزَّہُ مِنَ الْاَوْلَادِ وَالْاَنْدَادِ''

قدوس وہ ذات ہے جو ہر قسم کے عیبوں سے پاک ہے اور شریکوں اور اولاد سے منزہ ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ قدوس کہتے ہیں اس ہستی کو جو کامل الصفات ہو یعنی جس کی ہر صفت کامل ہو۔

علماء کرام اور مفسرین عظام کی آراء سے ثابت ہوا کہ ''القدوس'' وہ ذات ہے جو ہر قسم کے نقائص سے، ہر قسم کی کمیوں سے، ہر قسم کے عیبوں سے پاک ہے۔ وہ ہر قسم کی مجبوری اور معذوری سے، مشیروں اور وزیروں سے، نائبوں اور شریکوں سے پاک ہے۔ کھانے پینے سے، تھکنے اور سونے سے، بیوی اور اولاد سے، کنبے اور قبیلے سے، بھول چوک اور نسیان سے، بیماری اور موت سے پاک ہے۔ اس کی ذات میں بھی کوئی شریک نہیں اور اس کی صفات میں سے کسی صفت کے اندر بھی کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔

ایسے لگتا ہے کہ ''قدوس'' کا لفظ سبحان کے معنیٰ میں ہے اور سبحان کا لفظ اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں مخلوق کی طاقتیں ختم ہو جائیں، ان کی ہمتیں جواب دے جائیں اور ان کی قوتیں مفقود ہو جائیں اور اللہ کی قدرتیں اور اس کا زور واختیار شروع ہو جائے۔۔۔ سبحان کا لفظ اس جگہ مستعمل ہوتا ہے جہاں مخلوق اپنی عاجزی، بے بسی، بے کسی اور لاچارگی

کا اظہار کرے اور رب العزت کی قدرتوں کا اعتراف واقرار کرے۔۔۔ اللہ رب العزت فرشتوں سے کہتے ہیں:

فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِى بِأَسْمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ (البقرہ:31)

مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

یعنی اس بات میں سچے ہو کہ نئی مخلوق بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ خون خرابہ اور فساد بپا کریں گے جو ذمہ داری ان کے حوالے کرنے کا ارادہ ہے اسے بھی ہم بخوبی نبھا سکتے ہیں۔ فرشتے اس سوال کے جواب دینے سے عاجز آئے تو کہا: قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ (آیت بقرہ:32)

تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے بیشک علم وحکمت والا تو تو ہی ہے۔

سیدنا یونس علیہ السلام مچھلی کا لقمہ بن گئے۔ تین اندھیروں میں گھر گئے، سمندر کی تہہ کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا اور رات کا اندھیرا۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہاں انہوں نے عاجز و لاچار ہو کر کہا: لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّى كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ (الانبیاء:87)

تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بیشک میں بے انصافوں میں ہو گیا۔

معراج کا سفر بڑا محیر العقول سفر تھا جس نے انسانی عقل کو حیرت میں ڈال دیا۔ ایک بشر کا رات کے قلیل حصے میں بیت اللہ سے بیت المقدس پھر وہاں سے آسمانوں کی بلندیوں تک پھر سدرۃ المنتہیٰ سے آگے تک۔ اتنا طویل سفر اتنے قلیل وقت میں انسانی طاقت سے ماوراء تھا اسی لیے قرآن نے اسے بیان کرتے ہوئے لفظ سبحانک سے شروع فرمایا:

سُبْحَٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ إِلَى ٱلْمَسْجِدِ ٱلْأَقْصَا (بنی اسرائیل:1)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے قلیل حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

سورت الجمعۃ کی پہلی آیت کریمہ میں جہاں ''القدوس'' اسم باری تعالیٰ آیا ہے اس آیت کی ابتدا (يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ) سے ہو رہی ہے یعنی زمین و آسمان کی تمام چیزیں اللہ رب العزت کی پاکی بیان کرتی ہیں۔

سورت الحشر کی ابتدا میں ارشاد ہوا: (سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ)

آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے۔

پھر سورت الصف کو بھی اسی آیت سے شروع فرمایا جس آیت کریمہ سے سورت الجمعۃ کو شروع فرمایا۔۔۔۔ سورت التغابن کا آغاز بھی اسی آیت سے فرمایا۔۔۔۔ سورت بنی اسرائیل میں ایک جگہ پر ارشاد فرمایا: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل:44)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کے سب اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں اور ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اللہ کو پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے یہاں تک کہ کھانا، پینا، کپڑا، برتن اور دروازہ بھی اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔

بعض علماء کا خیال ہے جیسے حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہما کہ ہر ذی روح چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ حضرت عکرمہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ ہر ذی روح شئی اور ہر نشوونما والی چیز اللہ تسبیح کی کرتی ہے۔

تسبیح حالی یا قولی علماء کرام کے مابین اس بات میں قدرے اختلاف ہے کہ انسان وجنات کے علاوہ ہر چیز کی تسبیح سے مراد قولی تسبیح ہے یا حالی؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز اللہ رب العزت کی تسبیح کرتی ہے اس سے مراد تسبیح قولی نہیں بلکہ حالی تسبیح مراد ہے، یعنی تسبیح دلالت یعنی یہ تمام چیزیں اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اور ہر چیز پر قادر صرف اللہ رب العزت ہے اور اس کی ذات وصفات شریکوں سے پاک ہے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

ہر چیز اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ اپنی ذات وصفات میں یکتا اور ایک ہے۔

فارسی کا ایک شاعر اسی کی ترجمانی یوں کرتا ہے:

ہر گیاہ کہ از زمین روید وحدہ لاشریک لہ گوید

ہر گھاس کا تنکا جو زمین سے باہر نکلتا ہے وہ یہ صدا دیتا ہوا نکلتا ہے کہ میرا وجود اس بات پر گواہ ہے کہ اللہ رب العزت شریکوں سے پاک ہے۔

ایک صوفی کا یہ قول کتنا حقیقت کے قریب ہے کہ زمین سے نکلنے والی کونپل اور نرم ونازک انگوری جب زمین سے باہر نکلتی ہے تو مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی طرف منہ کر کے باہر نہیں نکلتی بلکہ سیدھا آسمان کی طرف رخ کر کے زمین سے باہر نکلتی ہے۔ صوفی کہتا ہے اسے گھاس کا تنکا نہ سمجھ بلکہ شہادت کی انگلی سمجھ جو آسمان کی جانب رخ کر کے گواہی دیتا ہے کہ مولا! میرا وجود اس بات پر گواہ ہے کہ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

کائنات کی ہر چیز اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ مخلوق اپنے خالق پر اور مصنوع اپنے صانع پر دلالت کرتی ہے۔ یہ چلتے ہوئے پانی پر زمین کا بچھنا، ڈولتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں، بغیر ستونوں کے آسمانوں کی چھت، سورج کی

تمازت، چاند کی ضیاء پاشی، ستاروں کا جگمگانا، بادلوں کا امڈ امڈ کر آنا، بجلیوں کا چمکنا، بارش کا برسنا، اولوں کا پڑنا، زمین سے اناج کا نکلنا، پھولوں کی رنگت اور خوشبو کا الگ الگ ہونا، پھلوں کے حجم، رنگ اور ذائقوں میں فرق کا ہونا، سمندروں، دریاؤں، نہروں اور ندیوں کا بہنا، چشموں اور آبشاروں کا پھوٹنا یہ سبھی چیزیں اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ اللہ کی ذات شریکوں سے پاک ہے۔ یہی ان چیزوں کی تسبیح ہے یعنی حالی تسبیح اور تسبیح دلالت۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ ہر چیز حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے مگر ہم ان کی تسبیح کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (بنی اسرائیل:44)

اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے اُن کا پڑھنا۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ (ص:18)

ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر رکھا تھا وہ اس کے ساتھ شام اور صبح کو تسبیح پڑھتے تھے اور پرندوں کو بھی۔

سورت الانبیاء میں اسے یوں بیان فرمایا: وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ (الانبیاء:79)

اور ہم نے پہاڑ داؤد کے تابع کر دیے تھے جو تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی (یہ سب کچھ) کرنے والے ہم ہی تھے۔

اگر اس تسبیح سے مراد حالی تسبیح ہو تو پھر پہاڑوں کو مسخر کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟

قرآن کریم کی کچھ آیات اور امام الانبیاء ﷺ کی زندگی کے حالات اور کچھ ارشادات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جمادات اور نباتات کے اندر بھی ایک مخصوص قسم کا شعور موجود ہے اسی شعور کی بنا پر وہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں مگر ہم اسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ قرآن کریم

نے ایک جگہ پر ارشاد فرمایا: تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (90) أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا (مریم: 90,91)

قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ وہ رحمن کے لیے اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا: وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (البقرہ: 74)
اور بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

اب اس سلسلہ میں کچھ ارشادات نبوی بھی سن لیجیے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو جب تم اپنی بکریوں کے پاس جنگل میں ہو تو نماز کے لیے بلند آواز سے اذان دیا کرو کیونکہ تمہاری آواز جہاں تک جنات اور انسان اور جو جو چیز بھی سنے گی وہ تمہاری آواز کی گواہی دے گی۔ (بخاری حدیث نمبر: 609)

یہ واقعہ تو آپ حضرات اکثر علماء کرام سے سنتے رہتے ہیں کہ لکڑی کے جس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے منبر بن جانے کے بعد آپ اسے چھوڑ کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو لکڑی کے اس تنے سے بچے کی طرح رونے کی آواز آئی اور سب لوگوں نے سنی۔ (بخاری حدیث نمبر: 3583)

پتھر آپ کو سلام کرتا تھا۔ (مسلم الحدیث نمبر: 1782)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے ہم نے کھانے سے تسبیح کی آواز سنی۔ (بخاری حدیث نمبر: 3589)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ کنکریوں کی تسبیح کی آواز بلند ہوئی جب وہ امام الانبیاء ﷺ کے ہاتھ میں تھیں پھر آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھیں تو آواز بدستور سنائی دیتی رہی۔۔۔ پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں۔۔۔ اور سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تسبیح کی آواز آتی رہی۔۔۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں زمین پر رکھا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: هٰذِهٖ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ یہ نبوت کی خلافت ہے۔ (بیہقی، طبرانی)

سامعین گرامی قدر! ہر شئی کی پاکیزگی و طہارت کا معیار الگ الگ ہے۔ جب کوئی شخص کہے گا کہ یہ کپڑا پاک ہے یا قالین اور دری پاک ہے تو ہر شخص سمجھ جائے گا کہ گندگی، غلاظت اور نجاست سے پاک ہے۔ اور جب کوئی شخص بولے گا کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم پاک ہیں تو اس کا مطلب اور مفہوم یہ ہوگا کہ وہ تنقید، تنقیص اور طعن و تشنیع سے پاک ہیں۔

امت میں سے علماء پر تنقید ہو سکتی ہے۔ اولیاء کرام بھی تنقید سے ماورا نہیں، فقہاء پر تنقید ہو سکتی ہے، ائمہ مجتہدین بھی تنقید سے مبرا نہیں ہیں مگر اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی قدوسی جماعت پر طعن و تشنیع نہیں ہو سکتی۔ ان کے لیے قرآن نے لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ کا اعلان فرمایا ہے۔ ان کے لیے اَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ کی بشارتیں ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ کے تمغے ہیں۔

ان کے بارے میں امام الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِيْ"

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا انہیں میرے بعد (طعن و تشنیع کا) نشانہ نہ بنالینا۔

جب ہم کہیں گے کہ انبیاء علیہم السلام پاک ہیں تو اس کا مطلب ہوگا وہ گناہ کی آلودگی سے پاک ہیں۔ اللہ کا نبی ماں کی گود سے لے کر قبر میں جانے تک ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتا ہے۔ یاد رکھیے! ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہونا یہ صفت صرف نبوت کی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ انسانوں میں دوسرا کوئی بھی گناہوں

سے معصوم نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے لیے القدوس اور سبحان استعمال ہوگا تو معنیٰ ہوگا اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک لہ ہے اور وہ شریکوں سے پاک ہے۔قرآن کریم نے کئی جگہوں پر اسی کو بیان فرمایا: سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (یونس: 18)

سامعین محترم! جو کچھ اب تک میں نے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا اسم گرامی ''القدوس'' سبحان کا معنیٰ دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کمزوریوں، عاجزیوں، نقائص وعیوب اور شریکوں سے پاک ہے۔ میں اس بات کو ایک حدیث سے ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے رکوع اور سجود میں یہ کلمات پڑھتے تھے:

''سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ'' یعنی (اے اللہ) بہت پاک، بہت پاکیزہ، فرشتوں اور جبرائیل امین کے رب۔

(مسلم کتاب الصلوۃ باب مایقال فی الرکوع السجود)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ وتر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد تین مرتبہ یہ کلمات دہراتے تھے: ''سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ'' اللہ رب العزت ہمارا بادشاہ پاک اور ہر طرح کے (عیب ونقائص سے) پاکیزہ اور منزہ ہے۔

رکوع اور سجدہ کی تسبیح میں اللہ رب العزت کی قدوسیت کے بیان کے بعد ''رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ'' کہنے میں شاید اشارہ اس جانب ہو کہ ملائکہ بھی قدسی کہلاتے ہیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی روح القدس فرمایا گیا ہے۔لہٰذا اللہ رب العزت کے تقدس کے معنیٰ صرف یہ نہیں کہ وہ لوازم بشریہ اور حاجات انسانیہ سے پاک و برتر ہے بلکہ فرشتوں اور جبرائیل امین میں بھی جو نقائص ہیں (یعنی ان کا مخلوق ہونا، ان پر ایک روز موت کا وارد

ہونا، حکم کا پابند ہونا) اللہ رب العزت کی ذات گرامی ان نقائص سے بھی پاک اور برتر ہے۔ جس طرح اللہ رب العزت خود پاک ہے، قدوس ہے اسی طرح جس چیز پر اس قدوس نے رحمت کی نظر کردی اور رحمت کی تجلی ڈالی اسے بھی مقدس کر دیا۔ عرفہ کا دن مقدس ہو گیا، رمضان کا مہینہ مقدس ہو گیا، اس میں آنے والی شب قدر مقدس ہو گئی، بیت المقدس اور مساجد مقدس ہو گئیں، انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے مقدس ہو گئے، اسی طرح وادیٔ طویٰ جہاں موسیٰ کلیم اللہ آگ لینے پہنچے تھے اور نبوت و رسالت سے سرفراز کر دیئے گئے وہ بھی مقامات مقدسہ میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (طٰہٰ: 12)

(اے موسیٰ) تم پاک اور مقدس میدان طویٰ میں ہو۔

فرشتوں نے تخلیقِ آدم کے وقت کہا تھا:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (البقرہ:30)

ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (الحشر:23)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں اللہ تعالیٰ کے ایک پاکیزہ نام ''السلام'' کے متعلق کچھ گذارشات پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ صفاتی نام قرآن کریم میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔ سورت الحشر کی آیت نمبر 23 میں۔ السلام کا لفظی معنیٰ ہے سلامتی والا۔

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ۔۔۔۔ السلام کا معنی لکھا ہے:

هُوَ الَّذِیْ تُرْجٰی مِنْهُ السَّلَامَةُ ۔۔۔۔ السلام وہ ہے جس سے عافیت و سلامتی کی امید وابستہ کی جائے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں السلام کا معنی تحریر فرمایا ہے:

''اَلسَّلَامُ اَیْ مِنْ جَمِیْعِ الْعُیُوْبِ وَالنَّقَائِصِ لِکَمَالِهٖ فِیْ ذَاتِهٖ وَ صِفَاتِهٖ

وَاَفْعَالِهٖ"

"السلام" وہ ذات ہے جو ہر قسم کے عیبوں سے اور تمام نقائص سے پاک ہو اور اپنی ذات، صفات اور افعال میں کامل ہو۔

یعنی "السلام" وہ ذات ہے جو اپنی ذات میں عیبوں سے پاک ہو اور اپنی صفات میں نقائص سے پاک ہو اور اپنے افعال میں مطلقاً برائی سے پاک ہو۔

"السلام"۔۔۔ وہ ہستی جو سلامتی میں کامل ہو۔۔۔ جو ہر نقص اور خرابی سے سالم ہو۔۔۔ جو ہر ایک آفت و تغیر و زوال سے پاک ہو وہ سلامت رہنے والا ہو اور جو دوسروں کو سلامتی عطا کرنے والا ہو۔

نبی اکرم ﷺ نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

" اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ "(مسلم)

اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے تیری ذات برکت والی ہے اے عزت و جلال والے۔

حدیث کی کتب میں دعا کے الفاظ یہی ہیں۔۔۔ زائد الفاظ مثلاً: يَرْجِعُ اِلَيْكَ السَّلَامُ اور حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وغیرہ الفاظ احادیث میں نہیں ہیں۔ ان الفاظ کو دعا میں شامل کرنا صحیح نہیں ہوگا اس لیے کہ امت کے لیے اسوۂ کامل نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے ان کی مکمل پیروی اور اطاعت کا نام دین ہے جیسے ایک دیہاتی نومسلم نے آپ سے کچھ احکام سن کر کہا تھا:

"وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ"

اللہ کی قسم (جو کچھ آپ نے فرمایا وہی کچھ کروں گا) نہ اس سے بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا۔

اسی طرح اذان کے بعد مانگی جانے والی دعا میں "وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ ۔۔۔ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" کے الفاظ حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی وفادار اور غم خوار زوجہ محترمہ ہیں۔۔۔ نبوت ورسالت کے ابتدائی سال جو انتہائی مظلومیت کے سال تھے۔۔۔ جن میں مصائب اور دکھوں کے پہاڑ آپ پر توڑے گئے۔۔۔ ذہنی اذیتوں سے دوچار کیا گیا، فتوؤں اور پھبتیوں کی یلغار کی گئی، گھر سے باہر نکلتے تو پتھروں کی بارش ہوتی۔۔۔۔ آزمائش اور مصائب کے ان ایام میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے لیے ظاہری سہارا ثابت ہوئیں۔۔۔ وہ آپ کی مرہم پٹی کرتیں۔۔۔ دلاسہ دیتیں۔۔۔ تسلیاں دیتیں اور حوصلہ بڑھاتیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ اور شان اس قدر اعلیٰ اور اللہ کی نگاہوں میں بلند ہے کہ ایک موقع پر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ سے کہا یا رسول اللہ! سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہیے:

"إِنَّ اللهَ يُقْرِئُ خَدِيْجَةَ السَّلَامَ "۔۔۔ کائنات کا خالق و مالک خدیجہ کو سلام کہتا ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا:

"إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ" (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد:4 ص:381)

یقیناً اللہ رب العزت تو بذات خود "السلام" ہیں اور جبریل امین پر سلام ہو اور یا رسول اللہ! آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب ان کی فقاہت و دانائی کی دلیل ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سلام کے جواب میں "وعلیہ السلام" نہیں کہا۔۔۔ انہوں نے اپنی دانائی اور فراستِ علمی سے یہ بات سمجھ لی کہ اللہ تعالیٰ پر اس طرح سلام کا جواب نہیں لوٹانا جس طرح

لوگوں کو سلام کا جواب دیا جاتا ہے کیونکہ "السلام" تو اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَى اللهِ (اللہ پر سلام) پڑھا کرتے تھے۔۔۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ"۔۔۔ (اس طرح نہ کہا کرو) کیونکہ اللہ تو خود سلام ہے (سب کو بچانے والا اور سلامتی عطا کرنے والا) بلکہ یوں کہا کرو:

"اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ" (بخاری: 7381)

جب "السلام" اللہ رب العزت کا صفاتی نام ہے تو پھر ہر قسم کی سلامتی اور ہر ایک کے لیے سلامتی اسی کی طرف سے ہے۔

سیدنا یحیٰی علیہ السلام کے متعلق ارشاد ربانی ہے: وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (مریم: 15)

اور اس پر (یحیٰی) سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور اس پر سلام ہے جس دن وہ مرے گا اور اس پر سلام ہے جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں جہاں دوسری گفتگو فرمائی وہاں یہ بھی فرمایا: وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مریم: 33)

اور مجھ پر میری پیدائش کے اور میری موت کے دن اور جس دن میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا سلام ہی سلام ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین مواقع انسان کے لیے سخت وحشت ناک اور سخت ہوتے ہیں۔

ایک وہ موقع جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے کیونکہ وہ نو مہینے ایک مستقر میں گذار کر باہر آتا ہے۔

دوسرا موقع جب موت کا شکنجہ اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے اس دن وہ ایسی مخلوق (فرشتے) اور ایسی جگہ کو دیکھتا ہے جسے اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا۔

تیسرا موقع جب انسان کو زندہ کر کے قبر سے نکالا جائے گا تو وہ اپنے آپ کو میدان محشر کی ہولناکیوں میں گھرا ہوئے پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مواقع پر سیدنا یحیٰی علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو سلامتی اور امان عطا فرمائی۔

اللہ رب العزت اپنے مومن بندوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ فرماتے ہیں۔ اَلَّذِینَ تَتَوَفّٰاھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (النحل:32)

وہ (خوش قسمت لوگ) جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک وعصیان کاریوں سے) پاک صاف ہوں (فرشتے) کہتے ہیں تمہارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے، جنت میں اپنے اعمال کے بدلے داخل ہو جاؤ۔

جنت کا ایک نام دار السلام بھی ہے، چنانچہ قرآن میں ایک جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:
وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ (یونس:25)

اور اللہ (تمہیں) بلاتا ہے سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا: لَھُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَھُوَ وَلِیُّھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الانعام:127)

ان (مومنین) کے لیے ان کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی (اللہ) ان کا دوست ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔

جنت کو دار السلام کہنے کی ایک وجہ حضرت قتادہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما نے

بیان فرمائی:

"اَلسَّلَامُ ھُوَ اللّٰہُ وَدَارُہُ الْجَنَّۃُ وَسُمِّیَتِ الْجَنَّۃُ دَارَ السَّلَامِ لِاَنَّ مَنْ

دَخَلَھَا سَلِمَ مِنَ الْاٰفَاتِ" (قرطبی)

السلام تو خود اللہ کا نام ہے اور جنت کو دار السلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں

داخل ہونے والا خوش نصیب ہر قسم کی آفات سے محفوظ ہو جائے گا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وہی گھر ہے جہاں کے رہنے والے ہر قسم کے رنج و غم، پریشانی، تکلیف،

نقصان آفت اور فنا و زوال وغیرہ سے صحیح و سالم رہیں گے۔ فرشتے ان کو سلام کریں گے خود

رب العزت کی طرف سے تحفۂ سلام پہنچے گا۔"

سب سے پہلے جنت کے دربان و نگہبان جنتیوں کو سلام کہیں گے۔ قرآن میں

ارشاد ہوتا ہے کہ جنتی گروہ در گروہ جب جنت کے دروازوں پر پہنچیں گے تو دربان انہیں

کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ (زمر:73)

تم پر سلام ہو تم خوش حال رہو تم جنت میں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔

پھر جنت میں داخلے کے بعد فرشتے جنت کے دروازوں سے داخل ہوں گے اور

اہل جنت سے کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (الرعد:24)

تم پر سلام ہو اس بنا پر کہ تم نے (دنیا میں) صبر کیا تھا۔

پھر اللہ رب العزت کی طرف سے سلام پہنچے گا۔۔۔ سورت یاسین میں اللہ تعالیٰ

نے جنتیوں پر ہونے والے انعامات و نوازشات کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ وہ اپنی بیویوں کے

ساتھ تختوں پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوں گے۔ ہر قسم کے پھل اور میوے میسر ہوں گے۔۔۔

آگے فرمایا: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (یاسین:58)

انہیں (جنتیوں کو) مہربان پروردگار کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔

مہربان رب کی طرف سے یہ سلام یا تو فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچے گا یا بلاواسطہ براہِ راست خود اللہ مہربان سلام ارشاد فرمائیں گے۔ (ابن ماجہ)

جنتیوں کو براہِ راست اللہ مہربان کا سلام ارشاد فرمانا۔۔۔ انتہاء درجہ کی عزت افزائی بھی ہے اور جنتیوں کی عظمت بھی۔۔۔ جب اللہ براہِ راست سلام ارشاد فرمائیں گے اس وقت کی خوشی و مسرت، لذت و عزت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ (اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا هٰذِهِ النِّعْمَةَ بِرَحْمَتِكَ وَبِفَضْلِكَ الْكَرِيْمِ)

جنتی جنت میں ایک دوسرے سے ملیں گے تب بھی سلام کریں گے۔ دَعْوَاهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (یونس:10)

(جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر) ان کے منہ سے نکلے گا سبحان اللہ! اور ان کی باہمی دعا سلام ہو گی اور ان کی آخری بات ہوگی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔

جنت کا ایک نام دارالسلام ہے۔۔۔ کیونکہ جنت میں اہل جنت کو ہر طرح سے سلامتی ہی سلامتی عطا ہو گی۔۔۔ مرض سے، تکلیف و غم سے، رنج و افسوس سے، تھکاوٹ و بھوک سے، حتی کہ موت سے بھی سلامتی ہو گی۔۔۔ فرشتے اور جنت کے دربان جنتیوں کو سلام کریں گے۔ جنتی آپس میں ایک دوسرے کو سلام، سلام کہیں گے، خود رب العالمین انہیں سلام کا تحفہ پیش فرمائیں گے۔

معلوم ہوا جنت کے دار السلام نام رکھنے کی ایک وجہ جنت میں جنتیوں کا تکیہ کلام ''تحیۃ و سلام'' ہوتا ہے تو پھر دنیا میں ایک دوسرے کو سلام کہنے کی عادت و سنت کو اپنانا ضروری قرار دیا گیا۔ اس لیے ہمیں سلام کا کثرت سے استعمال کرنا چاہیے، نبی اکرم ﷺ نے اس کی تاکید بھی فرمائی ہے اور فضیلت و ثواب کا تذکرہ بھی فرمایا ہے

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

”اَلسَّلَامُ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَضَعَهُ فِی الْاَرْضِ فَاَفْشُوْهُ بَیْنَکُمْ“

السلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کو اللہ نے زمین پر اتارا ہے لہٰذا اسے آپس میں خوب پھیلاؤ کیونکہ کوئی مسلمان جب کسی قوم پر گذرتا ہے اوران کو سلام کرتا ہے اور قوم کے لوگ اسے جواب دیتے ہیں تو اسے پہل کرنے کی وجہ سے اس قوم پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اگر وہ لوگ اس کے سلام کا جواب نہ دیں تو پھر فرشتے جو ان لوگوں سے بہتر ہیں اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔(الترغیب والترہیب)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْا تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ“(مسلم، کتاب الایمان)

تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے ہو جب تک مومن نہ بنو اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے ہو جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جس پر عمل پیرا ہونے سے تمہارے درمیان محبت کے جذبات پیدا ہو جائیں؟ سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے گھریلو خادم تھے۔ آپ ان سے بہت محبت وشفقت کا برتاؤ فرماتے، ان کی تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے انہیں نصیحت فرماتے ہوئے کہا:

”یَا بُنَیَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی اَهْلِكَ فَسَلِّمْ یَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَیْكَ وَعَلٰی اَهْلِكَ“

(ترمذی، باب ما جاء فی التسلیم اذا دخل بیتہ، جلد:2 ص:99)

اے میرے عزیز بیٹے! جب تم اپنے گھر داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو یہ تمہارے لیے بھی برکت کا سبب ہوگا اور تمہارے گھر والوں کے لیے بھی باعث برکت ہوگا۔

یہودیوں کے بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے لوگ (عورتیں، مرد اور بچے) آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اور استقبال کے لیے دیوانہ وار گھروں سے باہر نکل آئے۔۔۔۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا، آپ قصواء اونٹنی پر سوار تھے جونہی میں نے غور سے آپ کے چہرۂ پُر انوار کو دیکھا اور تورات میں تحریر شدہ نبوت کے آثار و علامات کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو مجھے یقین ہوگیا کہ

”اِنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ“۔۔۔۔۔۔ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔

پھر پہلا کلام اور پہلی بات جو میں نے آپ کی لسان مقدس سے سنی وہ یہ تھی: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ“ (ترمذی، جلد:2 ص:70)

اے لوگو! لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتے داروں سے صلہ رحمی کرو، سلام کو پھیلاؤ اور رات کو اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

جس دین نے اور جس دین کے بانی نے سلام کو عام کرنے اور پھیلانے اور رواج دینے کی تاکید کی ہے اس دین کا نام اسلام ہے اور یہی دین اللہ کا پسندیدہ اور برگزیدہ دین ہے۔۔۔۔ اسلام اور سلام دونوں کا مادہ اور اصل ایک ہے، ”سلم“ بمعنی گردن نہادن و اطاعت کردن (سر تسلیم خم کرتے ہوئے اطاعت کرنا)

ایک معنی سلامتی کا ہے۔۔۔۔۔۔ دین اسلام سلامتی کا دین ہے اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو ملتے ہوئے السلام علیکم کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تجھے میری ذات سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ اگر میں تجھے نقصان پہنچانا چاہتا تو یہ دعا کیوں دیتا "السلام علیکم"

ایک انگریز نے اسی موضوع پر ایک کتاب تحریر کی ہے، اس نے دنیا بھر کی اقوام اور مختلف مذاہب کے سلام جمع کیے ہیں، کوئی رام رام کہتا ہے، کوئی واہ گرو، کوئی صبح بخیر یا شب بخیر، کوئی کہتا ہے آداب عرض ہے تو کوئی گڈ مارننگ، کسی قوم کا صبح کا سلام اور ہے اور دوپہر کا اور۔۔۔ اور شام کا اور ہے۔

مگر ان سب میں اسلام کا تلقین کردہ سلام سب سے حسین، سب سے خوبصورت اور سب سے بہتر ہے، کتنے دلنشین، پیارے اور امن سے بھرپور الفاظ ہیں السلام علیکم یعنی تم پر سلامتی ہو۔

سامعین گرامی قدر! اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام السلام کا ایک مفہوم سلامتی و عافیت عطا کرنا بھی ہے۔۔۔۔ اور کوئی ذی عقل انسان (بلا تفریق مذہب) اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر قسم کی سلامتی، عافیت اور امن اللہ رب العزت کی طرف سے ہے ورنہ ہم کیا اور ہماری حفاظت کا سامان اور اسباب و وسائل کیا؟

جب عرش والا اپنی حفاظت و سلامتی کو اٹھا لیتا ہے تو پھر ہمارے سارے انتظامات، ہمارے وسائل دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں بلکہ وہی اسباب و انتظامات موت اور تباہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ آپ نے کتنی بار دیکھا اور سنا کہ بجلی کا پنکھا جو ٹھنڈک، آرام اور سلامتی پہنچاتا ہے وہی جان لیوا ثابت ہو جاتا ہے۔ بجلی کے بٹن اور تار کرنٹ لگنے سے کتنے لوگوں کی جان لے چکے ہیں۔ آرام دہ کاریں اور سواریاں اپنے مالکوں کی موت کا سبب بن چکی ہیں۔ پرسکون مکان اور کوٹھیوں کے نیچے دب کر کتنے مکین ابدی نیند سو گئے۔

اپنے اسلحہ کی صفائی کرتے ہوئے کتنے لوگ موت کی آغوش میں چلے گئے۔ کتنے سیاسی اور مذہبی لیڈر بے شمار مسلح گارڈوں کے ہوتے ہوئے قتل ہو گئے، کچھ اپنے گارڈوں کے ہاتھوں لقمۂ اجل بن گئے۔ کتنے لوگ رات کو ہیٹر اور کوئلوں کی انگیٹھی کے دھوئیں سے جان کی بازی ہار گئے۔

اس کے برعکس السلام کی طرف سے سلامتی وعافیت کا فیصلہ اور حکم ہو تو پھر ہلاکت، مصائب، ناموافق حالات، تباہی کے لمحات میں بھی سلامتی اور عافیت مل جاتی ہے۔

دنیا میں بے شمار واقعات ہوئے کہ دشمنوں نے جان بچائی، بارہا سانپ نے حفاظت کی، درندوں نے انسانی بچوں کو پالا، بھیڑیا اپنا پیٹ بھرنے کے لیے انسانوں کے بچے کو اٹھا کر لے گیا مگر کھا نہ سکا بلکہ "السلام" نے اس کے دل میں مہربان مامتا کا دل ڈال دیا اور وہ بچے کی سلامتی کا محافظ بن گیا۔

فرعون جو بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دیتا تھا موسیٰ کا مربی بن گیا، پھر نبوت عطا ہونے کے بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اسے للکارا فرعون نے انہیں قتل کرنے کی تجویزیں کیں مگر ان کا ایک بال بھی بیکا نہ کر سکا کیوں؟ اس لیے کہ "السلام" سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کر رہا تھا۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر ہیں اسلام کی اشاعت وترویج کے لیے ان کی قربانیاں تاریخ کے انمٹ نقوش ہیں۔۔۔۔ انہیں قتل کرنے کے لیے ایک خارجی ان کے گھر کے دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا کہ وہ جونہی گھر سے نکلیں گے تو تلوار کا وار کر کے قتل کر دوں گا۔

مگر "السلام" نے انہیں بچانے کا ارادہ کر لیا تھا۔۔۔۔ چنانچہ اس رات آپ اسہال کی بیماری میں مبتلا ہو گئے اور نماز فجر پڑھانے کے لیے مسجد نہ جا سکے ان کا خادم خارجہ صبح کی نماز کے لیے نکلا تو خارجی نے اسے عمرو بن العاص سمجھ کر قتل کر دیا خارجی کو بعد میں اپنی غلطی

کا احساس ہوا تو کہا: اَرَدْتُ عَمْرًوا وَاللہُ اَرَادَ خَارِجَۃَ

میں نے تو عمرو کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ نے خارجہ کو مارنا چاہا۔

ہجرت کی رات کفار مکہ تلواریں سونت کر کاشانہ نبوی کے ارد گرد تیار کھڑے ہیں کہ آپ جونہی گھر سے باہر نکلیں گے تو یکبارگی حملہ کر کے (العیاذ باللہ) آپ کا کام تمام کر دیں گے۔

پھر ''السلام'' کا حکم پا کر آپ گھر سے نکلے اور ''السلام'' نے دشمنوں کو اندھا کر کے رکھ دیا، اور آپ بسلامت گھر سے نکل کر کاشانہ صداقت پر پہنچے اور پھر ''السلام'' نے وہاں سے بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

معلوم ہوا کہ دشمن ساری تدبیریں جمع کر کے اور تمام ہتھکنڈے استعمال کر کے اور پورے اسباب و وسائل بروئے کار لا کر مارنا چاہے تو اپنی سازش میں اور اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔۔۔اور جس بدنصیب سے ''السلام'' کی سلامتی و حفاظت کا حصار اٹھ جاتا ہے وہ بلا ارادہ قاتل بھی مارا جاتا ہے۔۔۔حقیقت اور سچی بات یہی ہے کہ ہر قسم کی سلامتی اسی کی طرف سے ہے جس کا نام ''السلام'' ہے۔۔۔ظاہری اسباب اور مہیا کردہ وسائل اور ہماری تدبیریں محض عقلی تسلیاں ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الحشر:23)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ جمعہ میں اللہ رب العزت کے صفاتی نام ''المؤمن'' کی کچھ تشریح اور تفسیر بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ رب العزت اپنی رحمت سے اور اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ اسم گرامی قرآن مجید میں صرف ایک مقام پر یعنی سورت الحشر کی آیت نمبر 23 میں آیا ہے۔

کچھ علماء کا خیال ہے کہ المومن ۔۔۔ ایمان سے بنا ہے ۔۔۔ اس صورت میں المؤمن کا معنی ہوگا ایمان عطا کرنے والا ۔۔۔ یعنی ایسی ہستی جو بندوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کرتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق قرآن نے کہا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ (حجرات:7)

لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا ہے اور ایمان کو تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور گناہوں کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہوا: أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (مجادلہ:22)

یہی لوگ ہیں (جن کی صفات کا ماقبل میں تذکرہ ہوا) جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے (یعنی راسخ اور مضبوط کر دیا ہے) اور جن کی اپنی روح (نور ایمان، نصرت و فتح) سے تائید کی اور جنہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں یہ اللہ کی فوج ہے سنو! اللہ کی فوج ہی فلاح پانے والی ہے۔

ان دو آیتوں سے اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت و منقبت واضح اور ظاہر ہو رہی ہے۔ ان کے ایمان کی گواہی اللہ خود دے رہا ہے۔ ان سے کفر و عصیان اور فسوق و فجور کی نفی خود رحمان کر رہا ہے۔ ان سے رضا و خوشنودی کا اعلان قرآن کر رہا ہے۔ ان سے جنت کے وعدے ہو رہے ہیں۔ انہیں خدائی فوج اور لشکر کہا جا رہا ہے۔

اگر ملک کی فوج کی وفاداری پر تنقید نا قابل معافی ہے تو پھر خدائی فوج پر طعن و تشنیع بھی نا قابل معافی جرم ہے۔ بھلا جن کے دلوں میں ایمان خود عرش والے نے اپنے ہاتھوں سے لکھ دیا ہو پھر ان کا ایمان دوسروں کے لیے مثال کیوں نہ بنے۔۔۔ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرہ:137)

بعض مفسرین کے نزدیک مؤمن۔۔۔ مصدق کے معنی میں ہے یعنی اپنی اور

اپنے پیغمبروں کی قولاً وفعلاً تصدیق کرنے والا یا مومنین کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا۔

جیسے اس نے اپنی الوہیت، معبودیت اور وحدانیت کی خود شہادت دی ہے: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران:18)

اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے۔

قرآن میں بے شمار جگہوں پر اللہ رب العزت نے اپنی توحید کو بیان فرمایا۔۔۔ کئی مقامات پر انبیاء کرام علیہم السلام کی حقانیت کی تصدیق فرمائی، نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی تصدیق فرمائی اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا

دوسرا معنی المؤمن کا دوسرا معنی امن عطا کرنے والا۔۔۔ امن دینے والا۔۔۔

اسی نے ہمارے لیے بیت اللہ کو امن کی جگہ بنایا۔۔۔ قرآن میں ارشاد ہوا: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (البقرہ:125)

ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب کی جگہ اور امن وامان کی جگہ بنایا۔

مَثَابَةً کا ایک معنی ہے ثواب کی جگہ۔۔۔ ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر قرار دیا۔۔۔ مَثَابَةً کا دوسرا معنی ہے اجتماع کی جگہ۔۔۔ لوگ حج اور عمرہ کی غرض سے اکٹھے ہوتے ہیں اور مَثَابَةً کا ایک معنی ہے بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ۔۔۔ جو ایک بار بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے وہ دوبارہ سہ بارہ آنے کے لیے تڑپتا ہے اور بے قرار رہتا ہے۔

بیت اللہ کی دوسری خصوصیت "امن کی جگہ" یعنی یہاں کسی دشمن کا خوف بھی نہیں رہتا، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ حدود حرم میں کسی دشمن جان سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔۔۔

اسلام نے اس احترام اور اس ادب کو باقی رکھا۔

امن کی اہمیت کسی شہر کے لیے امن کا ہونا اللہ رب العزت کی نعمتوں میں ایک بڑی نعمت ہے۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے اور اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو بیت اللہ کے پاس چھوڑا اس وقت وہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔۔۔ نہ پانی تھا چاروں جانب سے پہاڑوں نے اسے گھیر رکھا تھا۔۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جو مختلف اوقات میں مختلف دعائیں مانگیں ان میں اولیت اس دعا کو ملی:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ:126)

اے میرے پالنہار! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور اس شہر کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کی روزی عطا فرما۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے شہر کے باشندوں کے لیے روزی اور رزق (یعنی معیشت کی بہتری) کی دعا بعد میں مانگی اور امن و امان کی دعا پہلے مانگی۔۔۔ اس سے امن کی اہمیت کا اندازہ لگا جا سکتا ہے۔

اگر کسی شہر اور علاقے میں امن ہی مفقود ہو تو پھر روزی اور دولت، تجارت اور زندگی کے باقی امور کا کیا فائدہ رہ جاتا ہے؟

سورت التین میں اللہ رب العزت نے تین ایسے مقامات کی قسم اٹھائی ہے جن میں جلیل القدر پیغمبر کو مبعوث کیا گیا:

قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔۔۔ اس سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اس کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے یعنی بیت المقدس جہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ طور سینا یا سینین جہاں پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔

اور وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اور اس امن والے شہر کی قسم۔۔۔۔۔۔۔مراد مکہ ہے جہاں امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ (ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شہر کی سب سے بڑی خوبی اور کسی علاقہ کے رہنے والوں کے لیے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہاں امن وامان کی فضائیں مہک رہی ہوں۔ اور امن عطا کرنے والا المؤمن ہی ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے کہنے پر ان کے والد محترم، گھر کے دیگر افراد اور بھائی مصر آئے، سیدنا یوسف علیہ السلام نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور ان سے فرمایا:

ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ (یوسف:99)

تم سب مصر میں داخل ہو امن وامان کے ساتھ اگر اللہ کو منظور ہے۔

سورت قریش میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ پر ہونے والے دو انعاموں کا تذکرہ فرمایا ایک رزق اور روزی کی فراوانی اور دوسرا انعام خوف کے عالم میں انہیں امن وامان دینا۔

قریش کی گذران کا ذریعہ تجارت تھی، سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ باہر جاتا اور وہاں سے تجارت کا سامان اور چیزیں لاتا۔۔۔ وہ سردیوں میں یمن جاتے اس لیے کہ وہ گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام جاتے کیونکہ وہ ٹھنڈا علاقہ تھا۔۔۔۔ ان سفروں میں خانہ کعبہ کے خدمت گار ہونے کی وجہ سے تمام علاقوں کے لوگ انہیں عزت وتکریم کی نظروں سے دیکھتے۔۔۔۔ خطرناک جگہوں پر بھی لوٹ مار کرنے والے لوگ ان سے چشم پوشی کر جاتے تھے، یہی انعام سورت قریش میں کفار مکہ کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ بیت اللہ کی خدمت کی بنا پر تمہیں روزی بھی عطا کی اور امن کی زندگی بھی۔

توحید قلوب کا امن قرآن مجید نے توحید پر عمل پیرا ہونے اور شرک کے افعال سے پرہیز کرنے کو امن کی ضمانت قرار دیا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا (انعام:81)

اور میں ان چیزوں (یعنی تمہارے جھوٹے معبودوں) سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن کی (معبودیت) کی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔

(یہ بات غالباً خلیل اللہ علیہ السلام نے اس وقت کہی ہوگی جب مشرکین نے انہیں اپنے معبودوں سے ڈرایا ہوگا کہ اگر تم نے ان کی مخالفت نہ چھوڑی تو تم ان کی پکڑ میں آ جاؤ گے اور وہ تمہیں برباد کردیں گے)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس کے بعد کہا: فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (انعام: 81)۔۔۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ ان دونوں جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے؟ مشرک یا موحد۔۔۔ یاد رکھو! دنیا میں بھی امن اور چین کی زندگی موحد کو نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں اللہ کے غضب اور عذاب سے موحد ہی امن میں ہوں گے۔

سورت الانعام کی آیت نمبر 82 میں اسی سوال کا جواب ذکر کرتے ہوئے فرمایا میں بتاؤں کہ دونوں جماعتوں میں سے امن کا مستحق کون ہے؟

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا ایسوں کے لیے امن ہے اور ہدایت یافتہ بھی یہی لوگ ہیں۔

جب یہ آیت اتری تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پریشان ہو گئے انہوں

نے ظلم کا عام مطلب (کوتاہی، زیادتی، گناہ وغیرہ) سمجھا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

اَیُّنَا لَمْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ۔۔۔ ہم میں سے کون ہے جس نے کبھی ظلم اور زیادتی نہ کی ہو۔

آپ نے فرمایا: اس سے مراد وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جس طرح حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان:13)

یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔ (بخاری، جلد:2ص:666)

سورت الانعام کی آیت نمبر 82 کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں امن و سلامتی اور چین کا مستحق وہ شخص ہوگا جو اس طرح ایمان لائے کہ پھر اللہ کی ذات و صفات میں مخلوق میں سے کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

جہاں ایمان کے دعویدار۔۔۔ شرک کے مرتکب ہوں، جہاں اللہ کی مخصوص صفات جانوروں تک میں تسلیم کی جارہی ہوں، جہاں ماتھے ٹیکنے کے لیے کئی آستانے ہوں، جہاں مزاروں اور قبروں کے گرداگرد طواف ہوتے ہوں، جہاں غیر اللہ کے لیے نذریں مانی جائیں اور نیازیں چڑھائی جائیں، جہاں المدد یا فلاں اور المدد یا فلاں کے نعرے لگیں، جہاں غیر اللہ کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا جائے۔۔۔ وہاں امن قائم نہیں ہو سکتا۔۔۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے امن کے مستحق صرف وہی لوگ ہوں گے جن کے عقائد اور جن کے نظریات ہر قسم کے شرک سے پاک ہوں گے۔

ناشکری نعمتِ امن کو بدامنی میں بدل دیتی ہے

انعاماتِ الٰہیہ کی ناشکری بھی امن و چین والی نعمت کو خوف اور بے چینی میں بدل دیتی ہے۔۔۔ اس لیے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کر کے اس کا شکر گذار رہنا چاہیے۔ شکر گذار ہونے کی علامت و نشانی یہ ہے کہ

اللہ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ کسی جگہ، کسی شہر اور کسی ملک میں امن کا ہونا بھی ایک نعمت ہے تو پھر وہاں کے باسیوں کو اللہ رب العزت کا شکر گزار رہنا چاہیے اور شرک اور دوسرے گناہوں سے اپنے دامن کو ہر حالت میں بچا کر رکھنا چاہیے کیونکہ شرک اور رب کی دوسری نافرمانیاں ملک کے امن کو تباہ کر دیتی ہیں۔

قرآن مجید نے ایک بستی کا ذکر فرمایا جو بڑے امن اور چین سے زندگی بسر کر رہی تھی۔۔۔ اس بستی کے رہنے والوں کو باہر کے دشمنوں کا خوف اور ڈر بھی نہیں تھا اور بستی کے اندر بھی کوئی فکر و تشویش اور پریشانی نہیں تھی۔

کھانے کے لیے ہر قسم کا غلہ اور پھل دنیا بھر سے کھنچے چلے آ رہے تھے۔۔۔ گھر بیٹھے دنیا بھر کی نعمتیں میسر تھیں اور ہر چیز کی فراوانی تھی۔

امن، چین، بے خوفی، غلہ کی فراوانی اور پھلوں کی ارزانی کے ساتھ ساتھ اس بستی پر ایک روحانی نعمت بھی ہوئی کہ انہی کی قوم و نسب میں سے ایک رسول ان میں مبعوث ہوا۔۔۔ ظاہری اور باطنی نعمتوں کی بارش اس بستی کے لوگوں پر برسائی گئی۔

مگر انہوں نے بجائے شکر کرنے کے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کی، اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں وقت کے پیغمبر کی مخالفت کی اور اس کے مقابلے کی ٹھان لی۔۔۔ وقت کے پیغمبر کی اتباع و اطاعت اور تصدیق کی جگہ اس کی تکذیب اور مخالفت پر کمر باندھ لی۔۔۔ بجائے ایمان لانے کے وقت کے پیغمبر کو جھٹلانے لگے۔

آخر کار قدیم سنتِ الٰہیہ کے موافق ان ظالموں اور مشرکین کو ناشکری اور کفرانِ نعمت کا مزہ چکھایا گیا۔۔۔ امن و امان کی جگہ خوف و ہراس نے لے لی اور روزی کی فراوانی۔۔۔ غلہ اور پھلوں کا وافر مقدار میں ہونا۔۔۔ اس کی جگہ بھوک اور قحط نے لے لی۔۔۔ یہ خوف اور بھوک ان کے ساتھ اس طرح چمٹ گئی جیسے انسان کا لباس اس کے جسم کے ساتھ چمٹا ہوا ہوتا ہے۔۔۔ یعنی خوف اور بھوک ان سے لباس کی طرح کسی وقت بھی جدا نہ ہوتی تھی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ (النحل:112.113)

اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن اور اطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے ہاں بافراغت ہر جگہ سے چلی آرہی تھی پھر اس نے (وہاں کے لوگوں نے) اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی پھر اللہ نے اسے بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا ان کے کرتوتوں کے بدلے میں۔ اوران کے ہاں ایک ان ہی میں سے پہنچا تھا انہوں نے اس کی تکذیب کی پھر انہیں عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ ظالم تھے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس بستی سے مراد کوئی بستی تھی جس کا حال سنا کر مشرکین مکہ کو آگاہ کیا گیا کہ اگر تم نے بھی ایسا کیا تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا۔

اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس مثال میں بستی سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہر قسم کا امن اور چین تھا اور باوجود وادی غیر ذی زرع ہونے کے ہر قسم کے اور طرح طرح کے پھل اور میوے کھنچے چلے آتے تھے۔

پھر اللہ رب العزت نے بہت بڑی نعمت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں عطا فرمائی۔۔۔ مگر مکہ کے کفار نے بجائے اس کے کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے ناشکری کا وطیرہ اختیار کرلیا، شرک وعصیان، انکار وتکذیب اور حق کی مخالفت پر کمر کس لی۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے امن اور چین جیسی نعمت چھین لی اور فراخ روزی کی جگہ سات سال کے لیے ایسا قحط مسلط کر دیا کہ وہ کتے اور مردار تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔

آج ایک لمحہ کے لیے اپنے ملک عزیز پاکستان پر نظر ڈالیے! یہ ملک بھی تو

انعام الٰہی تھا، یہی ملک ہے جسے نظریہ اسلام کے نفاذ کے لیے حاصل کیا گیا، اس کے حصول کے وقت بچہ بچہ کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اسی مقصد اور نظریہ کے لیے لوگوں نے بے مثال قربانیاں دیں، وطن سے بے وطن ہوئے، گھربار اور کاروبار سے لاتعلق ہوئے، اسی مقصد کے لیے جانوں کے نذرانے پیش کیے گئے، ہزاروں عصمتیں لٹیں، ہزاروں بچے نیزوں کی انیوں میں پروئے گئے، سینکڑوں بنات اسلام نے عزتیں بچانے کے لیے اندھے کنوؤں میں چھلانگیں لگادیں۔

شاعر کہتا ہے:

عزت دی ٹھنی نالوں عذرا بانو سلمٰی کٹیاں
فیر جا کے موقع بنیا پاکستان کوئی سوکھا بنیا

پاکستان بننے کے بعد اس عظیم مقصد کو۔۔۔۔ اور نظریہ پاکستان کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ ارباب اقتدار نے اس مقصد سے مکمل طور پر روگردانی اور اعراض کیا۔۔۔۔ کچھ ایسے بھی تھے اور ہیں جنہوں نے برملا کہا کہ حصول پاکستان کا مقصد نفاذِ اسلام اور نظامِ عدل تھا ہی نہیں۔۔۔۔ پھر خدا معلوم لوگوں نے جان و مال اور عزت و ناموس تک کی قربانی کس مقصد کے لیے دی تھی؟ عظیم نعمت کی ناشکری کی سزا یوں ملی کہ امن و امان مفقود ہوگیا، چین اور سکون لٹ گیا، چادر اور چاردیواری غیر محفوظ ہوگئی۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے صفاتی نام "المؤمن" کا ایک معنیٰ ہے ایمان عطا کرنے والا، اور دوسرا معنیٰ ہے امن دینے والا۔۔۔۔ دنیا و آخرت کا امن و سکون، دنیا و آخرت کی عافیت اور راحت۔۔۔۔ المؤمن کے قبضے اور اختیار میں ہے۔۔۔۔ ہر قسم کا امن اور ہر قسم کی عافیت اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔

مصائب اور مشکلات میں مبتلا کرنے والی ذات بھی المؤمن کی ہے، غموں اور دکھوں میں ڈالنے والا بھی المؤمن ہے اور پھر شفا، راحت، خوشیاں اور سکھ اور امن و چین عطا

کرنے والا بھی المؤمن ہے۔

اس لیے ہر حالت میں بے چینی، بے سکونی اور بدامنی کو دور کرنے کے لیے اللہ کے سامنے دامن پھیلانا چاہیے، اسے ہی پکارنا چاہیے کیونکہ راحت وسکون اور چین کے خزانے اسی کے ہاتھ میں اور اسی کے اختیار میں ہیں۔

جس کی صفت المؤمن ہے اس کے در کو چھوڑ کر غیر اللہ کے دروازوں پر جانا اور عافیت وراحت طلب کرنا بے سمجھی اور غیر دانشمندانہ عمل ہے۔

جو خود منوں مٹی کے نیچے مدفون ہو گئے ان سے چین اور شفا کی بھیک مانگنا۔۔۔ کتنی احمقانہ حرکت ہے۔ امن، امان، چین، سکون، راحت، عافیت، شفا صرف اس سے طلب کیجیے جس کی صفت المؤمن ہے۔

ہر علاقے کے لوگ یہ مختصر دعا بڑی عاجزی کے ساتھ مانگا کریں:

اَللّٰهُمَّ اٰمِنَّا فِیْ اَوْطَانِنَا

اے اللہ! ہمیں ہمارے علاقوں اور وطنوں میں امن نصیب فرما۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الحشر:23)

سامعین گرامی قدر! آج خطبہ جمعۃ المبارک میں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام المھیمن کے معنی اور مفہوم کو بیان کرنے کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم اور مہربانی سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ رب العزت کا یہ صفاتی نام قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ سورۃ الحشر کی تلاوت کردہ آیت مبارکہ میں آیا ہے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے المھیمن کا معنی کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

اَلْقَائِمُ بِأُمُوْرِ الْخَلْقِ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَأَرْزَاقِهِمْ وَآجَالِهِمْ وَأَخْلَاقِهِمْ
(مرقاۃ جلد 5 ص: 77)

مھیمن وہ ہے جو مخلوق کے تمام کاموں کی نگرانی کرنے والا ہو، ان کی روزی ان کی عمروں اور اخلاق وعادات کا بھی نگران اور نگہبان ہو۔

کچھ علماء نے المھیمن کا معنی کیا ہے:

اَلْمُطَّلِعُ عَلٰی خَفَایَا الْاُمُوْرِ وَ خَبَایَا الصُّدُوْرِ الَّذِیْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا

مھیمن وہ ہستی ہے جو تمام پوشیدہ امور سے آگاہ ہو جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں سے باخبر ہو اور جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہو۔

المھیمن کے اس معنی و مفہوم سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ مھیمن وہ ہے جو عالم الغیب ہو حاضر ناظر ہو، حفاظت کرنے والا ہو اور سب کا نگران اور نگہبان ہو۔

اللہ رب العزت جو مھیمن ہے۔۔۔ یعنی سب کا نگہبان۔۔۔ وہ نگہبان جب ہی بنے گا جب مخلوق کے حالات سے واقف، مطلع اور باخبر ہوگا۔

جو حاجت مند کے حالات سے واقف اور باخبر نہ ہو وہ نگہبان کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا اس لیے اللہ ہی ہر ایک کا مافوق الاسباب نگہبان اور نگران ہے کیونکہ ہر ایک کے حالات سے باخبر اور واقف صرف وہی ہے۔

عربی محاورہ ہے۔۔۔ هَيْمَنَ الطَّائِرُ عَلٰی فِرَاخِهٖ۔۔۔ پرندے نے اپنے بچوں کو پروں کے نیچے چھپالیا۔۔۔ یعنی اپنے بچوں کی نگرانی، نگہبانی اور حفاظت کی۔

عربی میں کہتے ہیں۔۔۔ هَيْمَنَ عَلٰی كَذَا۔۔۔ اس نے فلاں چیز کی نگہبانی کی۔ هَيْمَنَ الرَّجُلُ عَلٰی شَيْءٍ۔۔۔ آدمی نے فلاں چیز کی حفاظت و نگہبانی کی۔۔۔ اسی سے میمان کا لفظ بنا ہے جسے اردو میں ''ھمیانی'' کہتے ہیں۔۔۔ یعنی وہ تھیلی جس میں انسان اپنا مال رکھ کر محفوظ کرتا ہے۔

عربی میں هَيْمَنَ يُهَيْمِنُ هَيْمَنَةً کے معنی حفاظت، نگرانی، شہادت، تائید، امانت، نگہبانی اور حمایت کے ہیں۔

ان معنوں میں اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو پہلی کتابوں کے لیے مھیمن قرار

دیا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (مائدہ:48)

اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) نازل کی جو حق لے کر آئی ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ونگہبان ہے۔

سامعین گرامی قدر! قرآن مجید کو پہلی کتابوں کے لیے مُہیمن قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید نے پہلی کتابوں کی برحق تعلیمات کو اپنے اندر محفوظ کرلیا ہے: توحید، رسالت اور قیامت تمام آسمانی کتابوں کی مشترکہ دعوت رہی ہے۔۔۔ وہی دعوت جو پہلی کتب میں دی گئی۔۔۔ قرآن نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیا ہے۔

قرآن مجید کو پہلی کتابوں پر مُہیمن بنایا گیا بایں معنی کہ اب پہلی کتابوں کی مبنی برحق تعلیمات کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے گا۔۔۔ اس لحاظ سے وہ ان کتابوں پر نگہبان ہے۔

قرآن مجید پہلی کتابوں کے لیے مُہیمن ہے بمعنی گواہ اور شاہد بایں معنی کہ پہلی کتابوں کے اندر اللہ تعالیٰ کے کلام اور لوگوں کے کلام کی جو آمیزش اور ملاوٹ ہوگئی ہے قرآن مجید کی شہادت اور گواہی سے اس کو الگ الگ کیا جاسکتا ہے۔۔۔ بایں طور کہ جو کچھ پہلی کتابوں میں قرآن کے مطابق ہے وہ اللہ رب العزت کا کلام ہے اور جو کچھ قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام ہے۔

قرآن مجید سابقہ کتب کے لیے مُہیمن بمعنی امین ہے کہ اللہ رب العزت کی جو امانت تورات، انجیل وغیرہ کتب سماویہ میں ودیعت کی گئی تھی وہ سب کی سب مع اضافہ قرآن میں محفوظ ہے جس میں رائی کے دانہ کے برابر خیانت نہیں ہوئی۔

قرآن مجید کتب سابقہ کے لیے مُہیمن بمعنی محافظ اس لیے بھی ہے کہ تورات اور انجیل میں کمی بیشی، تغیر وتبدل اور تحریف ہوتی رہی جس کی وجہ سے ان کا آسمانی اور الہامی

کتاب ہونا مشکوک ہو گیا۔۔۔قرآن کریم جس کی حفاظت کی ذمہ داری رب نے خود اٹھائی۔۔۔قرآن جس میں زبر اور زیر کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی، قرآن جس کی مثل لانے سے جن و انسان عاجز تھے، ہیں اور قیامت کی صبح تک رہیں گے۔۔۔۔اس لیے ہر دور میں قرآن مجید کا کلام اللہ ہونا ثابت اور مسلّم رہا۔۔۔چونکہ قرآن نے تورات، انجیل اور زبور کو آسمانی کتابیں قرار دیا ہے اس لیے ان کا سچا ہونا بھی ثابت ہوا۔۔۔اس طرح ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید سابقہ آسمانی کتابوں کا مصدق بھی، نگہبان بھی اور محافظ بھی۔

مُهَيْمِنُ کی مزید تشریح

مھیمن کا مشہور و معروف معنی محافظ، نگران اور نگہبان کا ہے۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ اَلْمُهَيْمِن اس ہستی کے لیے خاص ہے جس میں تین صفات پائی جاتی ہوں۔

پہلی صفت یہ کہ وہ لوگوں کو ان کے اعمال و افعال کے انجام سے مطلع کرتا ہو کہ فلاں عمل کا یہ نتیجہ ہوگا۔۔۔دوسری صفت یہ کہ تمام مخلوق کی روزی اور رزق کا ذمہ دار ہو۔۔۔اور تیسری صفت یہ کہ تمام جان داروں کی زندگی اور موت اس کے قبضۂ قدرت میں ہو۔۔۔جس ذات میں یہ تینوں صفات جمع ہوں اسے مھیمن کہتے ہیں۔

کچھ علماء نے کہا: مھیمن اسے کہتے ہیں جو دوسروں کے خوف سے ہمیں مامون کر دے یا جو ہر ایک خوف و خطر کو دور کر کے انسان کی حفاظت کرے۔

بارھویں پارے کی پہلی آیت میں ارشاد ہوا: وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (ھود:6)

زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمہ ہے وہی ان کے رہنے اور سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے سب کچھ واضح کتاب (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں

ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ایک مرتبہ فکر لاحق ہوئی کہ میری عدم موجودگی میں میرے اہل وعیال کی روزی اور کھانے پینے کا کیا انتظام ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اہل وعیال کے لیے روزی کی فکر میں آپ اس قدر پریشان نہ ہوں۔۔۔ ہر ایک کا روزی رساں میں ہوں اور میں پتھر کے اندر بند کیڑوں کو بھی روزی عطا کرتا ہوں۔

آپ اس پتھر پر لاٹھی ماریں۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے پر وہ دو ٹکڑے ہوگیا اس کے اندر سے ایک اور پتھر برآمد ہوا۔

اللہ نے فرمایا: اس پر لاٹھی ماریں۔۔۔ لاٹھی مارنے سے ایک اور پتھر برآمد ہوا۔۔۔ فرمایا اس پر بھی لاٹھی ماریں۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے سے وہ پتھر دو ٹکڑے ہوگیا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ اس پتھر کے اندر ایک کیڑا موجود تھا جس کے منہ میں سبز رنگ کا پتہ تھا۔

اللہ رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس کیڑے کی تسبیح سنائی وہ کہہ رہا تھا:

سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ وَیَسۡمَعُ کَلَامِیۡ۔۔۔ (شریکوں سے اور نائبوں سے، عاجزیوں اور کمزوریوں سے)

پاک ہے وہ جو مجھے بند پتھر کے اندر دیکھتا بھی ہے اور میرے کلام کو سنتا بھی ہے۔

وَیَعۡرِفُ مَقَامِیۡ۔۔۔ اور میرے ٹھکانے کو جانتا بھی ہے۔

وَیَرۡزُقُنِیۡ وَلَا یَنۡسَانِیۡ۔۔۔ اور مجھے بند پتھر کے اندر روزی پہنچاتا ہے اور اس نے آج تک مجھے کبھی فراموش نہیں کیا۔

لوگو! جو ہستی بند پتھر کے اندر کیڑے کی نگرانی ونگہبانی کرتی ہے اسے المھیمن کہتے ہیں۔

ایک اور واقعہ سنئے جو اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔۔۔ واقعہ بھی سو فیصد سچا ہے۔ اس واقعہ کا راوی شیخ عبداللہ مرحوم ہے جو چودہ پندرہ سال کی عمر میں ہندو مذہب چھوڑ کر رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، بہت نیک، متقی اور خدا ترس انسان تھا۔

شیخ عبداللہ مرحوم نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ میں اونٹوں پر باربرداری کا کام کرتا تھا۔۔۔ میرے سفر کے درمیان پٹھانوں کا ڈیرہ تھا۔۔۔ میں کچھ دیر ستانے کے لیے ان کے ہاں ٹھہر جایا کرتا تھا۔

اس خاندان کے سربراہ سے اکثر و بیشتر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔۔۔ ایک دن وہ پٹھان کہنے لگا کہ شیخ جی! جس پتھر پر ہم روٹیاں پکاتے ہیں اس پتھر پر ہتھیلی برابر جگہ ایسی ہے جو ٹھنڈی رہتی ہے اور اس جگہ پر روٹی کچی رہ جاتی ہے۔

شیخ عبداللہ مرحوم کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد میں وہاں سے گذرا اور ستانے کے لیے اس ڈیرے پر ٹھہر گیا تو وہی پٹھان کہنے لگا:

شیخ جی! پتھر پر روٹی کے نہ پکنے کا مسئلہ حل ہو گیا ہے؟ میری بیوی کے ہاتھ سے وہ پتھر گر کر ٹوٹ گیا اور ہم یہ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے کہ جس جگہ پر روٹی کو سینک نہیں لگتا تھا اور پتھر کی جو جگہ گرم ہی نہیں ہوتی تھی وہاں ایک کیڑے کا بسیرا تھا۔

المھیمن بند پتھر کے اندر کیڑے کی نگہبانی اور حفاظت اس طرح فرمارہا ہے کہ اسے آگ کی تپش بھی نہیں پہنچ رہی۔

صرف بند پتھر کے اندر کیڑے کا نہیں بلکہ ہر جاندار اور غیر جاندار کا نگہبان اور محافظ وہی ہے جس کی صفت المھیمن ہے اس نے ہر چیز کی نگہبانی کا ظاہری سامان اور اسباب بھی پیدا کر دیے ہیں۔

ہمارے منہ میں زبان۔۔۔ گوشت کا ایک لوتھڑا ہے مگر بتیس دانتوں کے درمیان

اس کی حفاظت کتنے حسین اور عجیب طریقے سے کی گئی ہے۔

دماغ جو جسم کا ایک عظیم عضو ہے جہاں سے جسم کے تمام اعضاء کو احکام صادر ہوتے ہیں اسے ایک پردے پھر دوسرے پردے میں چھپا کر اور محفوظ کر کے کاسۂ سر کی نگہبانی میں دے دیا۔

ہمارے جسم میں بہت ہی نازک اور نفیس عضو آنکھ ہے کبھی غور کرو آنکھ کی حفاظت المھیمن نے کس خوبصورتی اور مضبوطی سے کی ہے۔

دل ہمارے جسم کا بادشاہ عضو ہے، اسے پسلیوں کی نگہبانی میں دے دیا پھر ان پسلیوں کو ترچھا اور ٹیڑھا میڑھا بنا دیا اگر یہ سیدھی ہوتیں تو دل کی اس قدر حفاظت نہ کر سکتیں۔ پسلیوں کی کجی اور ترچھے پن ہی کا کرشمہ ہے کہ کچھ فنکار اپنے سینے سے جیپ گذار دیتے ہیں، بعض لوگ پتھر کی سلیں سینے پر رکھ کر تڑواتے ہیں۔

اللہ رب العزت کی صفت المھیمن ہی کا کرشمہ ہے کہ اس نے ہر چیز کی نگہبانی کے لیے کوئی نہ کوئی چیز پیدا کی ہے۔

کچھ کو اپنی حفاظت کے لیے ڈنگ عطا کیے، بعض کو کاٹنے کے لیے دانت، کچھ کو بچاؤ کے لیے پنجے اور کسی کو سینگ، کچھ کو ٹکر مارنے کے لیے طاقت، بعض کو اچھلنے کودنے کی پھرتی اور طاقت، کچھ کے جسم میں ایک قسم کی بجلی اور بجلی جیسا کرنٹ پیدا کر دیا، کچھ جانوروں کی نگہبانی ان کے جسم کی بدبو کرتی ہے۔

ہرن، خرگوش اور بعض دیگر جانوروں کو اس المھیمن نے اس قدر پھرتی اور اتنی برق رفتاری عطا فرمائی کہ وہ رات دن درندوں کے درمیان رہتے ہیں اور اللہ کی نگہبانی میں رہتے ہیں جب تک وہ چاہتا ہے۔

کچھ جانوروں کو اپنی حفاظت کے لیے بے تحاشا بال عطا کیے۔۔۔ ریچھ بڑے مزے اور آرام سے شہد پی جاتا ہے اور شہد کی زہریلی مکھیاں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔

کچھ جانوروں کو اتنی طاقت اور اس قدر قوت بخشی کہ وہ اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر ہر بلا اور مصیبت سے محفوظ رہتے ہیں۔

گرگٹ کو رنگ بدلنے کی قوت عطا کی وہ دشمن سے بچاؤ کے لیے اپنا رنگ بدل لیتا ہے، جس رنگ کی لکڑی یا درخت ہوتا ہے وہ اسی کا رنگ اختیار کر کے دشمن کے حملے سے بچ جاتا ہے۔

درختوں کی حفاظت ان کی جڑیں اور دور دور تک پھیلی ہوئی نسیں کرتی ہیں۔۔۔ اسی طرح زمین کی حفاظت پہاڑ کرتے ہیں۔۔۔ پھولوں کی حفاظت کے لیے کانٹے پیدا کیے اور بیری کا نگہبان بھی کانٹوں کو بنایا۔

انسان کی نگہبانی اور حفاظت کے لیے عقل کو پیدا فرمایا۔

سامعین گرامی قدر! یہ حالت اور یہ حال مادی عالم کی نگہبانی کا ہے۔۔۔ المھیمن روحانی طور پر اور باطنی اعتبار سے بھی ہماری نگرانی اور نگہبانی کر رہا ہے۔

اللہ رب العزت کے مقرر کردہ فرشتے ہیں جو انسانوں کی جنات اور شیاطین سے حفاظت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللهِ (الرعد:11)

اس کے پہریدار ہیں بندے کے آگے اور پیچھے وہ اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔

دوسری جگہ اس کو یوں بیان فرمایا: وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ (الانفطار:10)

تم پر حفاظت کرنے والے ہیں کراماً کاتبین وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں نے مومنین کی اللہ کے حکم سے نگہبانی کی۔۔۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ملائکہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی۔۔۔ بدر میں المھیمن نے خاص طور پر امام الانبیاء ﷺ کی فرشتوں کے ذریعہ نگہبانی فرمائی۔

غزوۂ حنین میں بھی فرشتوں کے ذریعہ امام الانبیاء ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگہبانی کی گئی۔ ایک کافر نے غزوۂ حنین میں کئی بار چاہا کہ آپ پر حملہ آور ہو کر آپ کو شہید کر دوں۔۔۔ مگر ہر دفعہ ناکام رہا اور کچھ دیکھ کر ناکام رہا۔۔۔ وہ شخص ایمان لانے کے بعد بیان کرتا تھا کہ میں جب بھی حملہ آور ہوتا تو دیکھتا کہ آسمان سے فرشتے اتر کر آپ کی حفاظت کر رہے ہیں۔

المهيمن کا تصور اگر کوئی شخص المھیمن کے مفہوم اور حقیقت کو پہچان لے اور اسے یقین ہو جائے کہ المھیمن کی طرف سے میری نگرانی اور نگہبانی پر فرشتے مقرر ہیں اور وہ میرے ہر عمل کو، ہر فعل کو اور میری ہر حرکت کو تحریر کر رہے ہیں۔۔۔ اور یہ اعمال نامہ کل میرے سامنے کھلنا ہے تو پھر ہر انسان اپنے جسم کے تمام اعضاء کو بڑی پابندی اور احتیاط سے اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرے گا اور اس کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

اللہ کے نام المھیمن پر جتنا یقین پختہ ہوتا چلا جائے گا بندہ اتنا ہی اللہ کی حکم عدولی اور نافرمانی سے پرہیز کرے گا بلکہ اللہ کی نگہبانی و نگرانی کا یقین آ جائے تو نافرمانی کا خیال تک بھی نہ آئے۔

کیا آپ کا تجربہ اور مشاہدہ نہیں ہے کہ کوئی شخص آپ سے موٹر سائیکل، کار یا کوئی سواری مانگ کر لے جائے تو کس بے دردی، بے احتیاطی اور لاپرواہی سے استعمال کرے گا؟

لیکن اگر آپ بھی ساتھ ہوں تو پھر وہ شخص کتنی احتیاط سے اسے چلائے گا؟ پھر وہ کھڈوں کو بے دردی سے عبور نہیں کرے گا۔۔۔ کیوں صرف اس لیے کہ سواری کا مالک اور عارضی نگران ساتھ ہے۔ اب جس المھیمن نے ہمیں وجود بخشا ہے اور اس کے اعضاء ہمیں استعمال کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔۔۔ وہ بھی ہماری مکمل نگہبانی اور نگرانی کر رہا ہے۔

وہ ہر لمحہ دیکھ رہا ہے کہ ہم زبان کو کہاں استعمال کرتے ہیں؟ تلاوت قرآن میں، ذکرواذکار میں یا غیبت، بے ہودہ گفتگو میں، گالم گلوچ میں۔

وہ ہر وقت دیکھ رہا ہے ہم آنکھوں کو کہاں استعمال کرتے ہیں؟ ہاتھ پاؤں سے کیا کام لیتے ہیں؟ ہمارے کان کون سی آواز سننے کے لیے متوجہ ہوتے ہیں؟

وہ دیکھ رہا ہے کہ ہمارا مال اور ہماری دولت کہاں خرچ ہو رہی ہے؟ نیکی کے کاموں میں یا خلاف شریعت کاموں میں۔

المھیمن کا حقیقی تصور بلکہ یقین دلوں میں بیٹھ جائے تو انسان گناہوں سے اور اللہ کی نافرمانیوں سے بڑی حد تک بچ سکتا ہے پھر وہ زبان، کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں کو ایسے کاموں میں استعمال کرے گا جو المھیمن کو پسند ہوں گے۔۔۔ پھر وہ تجارت شریعت کے مطابق کرے گا۔۔۔ پھر وہ ملازمت کرتے ہوئے لوگوں کے حقوق کا لحاظ رکھے گا۔۔۔ پھر وہ سیاست، عدالت اور حکومت رب کی منشاء کے مطابق کرے گا۔۔۔ پھر وہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھے گا۔۔۔ پھر اس کے معاملات بھی درست سمت اختیار کریں گے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد:33)

کیا پس وہ (اللہ) جو نگہبانی کرنے والا ہے ہر شخص کی اس کے کئے ہوئے اعمال کی (کیا اس صفت کا مالک اللہ اور تمہارے معبود برابر ہو سکتے ہیں؟)

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (الحشر:23)

سامعین گرامی قدر! آج میں چاہتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے ایک حسین اور خوبصورت نام ''العزیز'' کا معنی اور مفہوم بیان کروں، اللہ رب العزت میرے ارادے میں برکت عطا فرمائے۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا یہ صفاتی نام تقریباً بانوے مرتبہ آیا ہے۔۔۔تقریباً سینتالیس بار ''عزیز حکیم'' آیا ہے۔۔۔اللہ کے نام ''اَلْغَفُوْرُ'' کے ساتھ ''اَلْعَزِیْزُ'' دو جگہوں پر آیا ہے۔۔۔اور ''اَلْغَفَّارُ'' کے ساتھ تین مرتبہ۔۔۔''اَلْحَمِیْدُ'' کے ساتھ بھی یہ اسم گرامی تین مرتبہ آیا ہے۔۔۔۔''ذُوْ انْتِقَامٍ'' کے ساتھ چار مرتبہ اور ''اَلْعَلِیْمُ'' کے ساتھ چھ مرتبہ اور ''اَلْقَوِیُّ'' کے ساتھ آٹھ مرتبہ اور ''اَلرَّحِیْمُ'' کے ساتھ یہ نام تیرہ مرتبہ آیا ہے۔۔۔''اَلْمُقْتَدِرُ'' کے ساتھ ایک جگہ پر اور ''اَلْوَهَّابُ'' کے ساتھ بھی ایک جگہ پر یہ اسم گرامی ذکر ہوا ہے۔۔۔چار مرتبہ یہ نام اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام اَلْحَلِیْمُ کے ساتھ آیا ہے۔

اللہ کریم کا یہ نام عزت سے بنا ہے، عزت کے معنی قوت وشوکت، غلبہ، تسلط اور اختیار کے ہیں۔

مشرکین مکہ نے اپنی ایک دیوی اور معبود کا نام عُزّیٰ رکھا ہوا تھا یہ نام عزیز کا یا اَعَزّ کا مؤنث ہے۔ غزوۂ احد میں مشرکین کے لشکر کے سالار ابوسفیان (جو فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے) نے نعرہ لگایا تھا: لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ۔۔۔ ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تم عزیٰ کے منکر ہو۔

جواب میں نبی اکرم ﷺ کے حکم سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا تھا: لَنَا مَوْلٰی وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ ۔۔۔ ہماری ہر میدان میں ہمارے مولیٰ نے مدد فرمائی ہے۔

لوگوں نے نادانی سے مال وزر، دولت واقتدار، عہدۂ سرداری، جمیعت وتعداد کی کثرت کا نام عزت سمجھ لیا ہے۔۔۔ لوگ عزت کے متلاشی ہیں، عہدے کی خواہش کر کے اور مال وزر جمع کر کے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی عزت کا معیار اسی کو سمجھا تھا جب اس نے ایک جنگ کے موقع پر کہا تھا: لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۔۔۔ عزت والا وہاں (مدینہ) سے ذلت والے کو نکال دے گا۔

عبداللہ ابن ابی نے اپنے آپ کو معزز اور مسلمانوں کو ذلیل کہا۔۔۔ اس احمق کی نگاہوں میں مال ودولت، برادری قبیلے اور بہتر رہائشوں کا نام عزت تھا۔۔۔ اس بے وقوف کی نگاہوں میں مسلمان (العیاذ باللہ) اس لیے ذلیل تھے کہ ان کے پاس اچھی رہائشیں نہیں تھیں، وہ آسودہ حال نہیں تھے، مالدار اور دولت مند نہیں تھے۔

اللہ رب العزت نے اس کے جواب میں فرمایا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (المنافقون:8)

عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان داروں کے لیے ہے لیکن منافق (اس حقیقت کو) جانتے نہیں ہیں۔

یعنی عزت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کے ہاتھ میں ہے۔۔۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت و غلبہ سے نواز دیتا ہے۔۔۔ چنانچہ وہ عزت کے تاج فرمانبردار بندوں کے سروں پر رکھتا ہے۔۔۔ وہ عزت کے ہار اپنے رسول اور مومن بندوں کے گلوں میں ڈالتا ہے۔۔۔ اور نافرمانوں کو وہ عزت افزائی سے ہمیشہ کے لیے محروم رکھتا ہے۔

مشہور مفسر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں سورت الفاطر آیت نمبر 10 پ 22 مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۔۔۔۔۔۔ جو شخص عزت کا خواہش مند ہے تو عزت ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام الانبیاء ﷺ کا ایک فرمان نقل کیا ہے کہ تمہارا پروردگار ہر روز اعلان کرتا ہے کہ میں ہی عزیز ہوں اس لیے جو شخص دونوں جہانوں میں عزت کا خواہش مند ہو اسے چاہیے کہ العزیز کی فرمانبرداری کرے۔

ترمذی میں نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد ہے:

بندہ کے درگزر کر دینے پر اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے اور جو شخص اللہ (کی رضا کے لیے) عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ رب العزت اسے سربلند فرما دیتے ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا:

يَا رَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ ۔۔۔ میرے پروردگار آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے معزز کون ہے؟

جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ ۔۔۔ میری نگاہوں میں وہ سب سے زیادہ عزت والا ہے جو

دشمن پر قابو پانے کے باوجود معاف کر دے۔

مدینہ کے منافقین یہود و کفار سے دوستی اور محبت کی پینگیں بڑھاتے رہتے تھے وہ احمق سمجھتے تھے کہ یہود و کفار دنیا کے اعتبار سے مسلمانوں پر فائق ہیں۔ان کی مجلسیں پر رونق ہیں اور بیٹھکیں خوبصورت ہیں، مشروبات و ماکولات کی فراوانی ہے۔۔۔لہٰذا ان سے میل جول رکھنے سے عزت و وقار ہے۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا (النساء:139)

(منافقین کی حالت یہ ہے) کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں کیا ان کے ہاں عزت کی تلاش میں جاتے ہیں (تو یاد رکھیں) کہ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

یعنی عزت کافروں کے ساتھ موالات و محبت سے نہیں ملے گی کیونکہ عزت کے خزانے صرف اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہیں اور وہ عزت و عظمت اور وقار اپنے ماننے والوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! اب میں آپ کے سامنے ایک مشہور آیت تلاوت کرنے لگا ہوں جو یقیناً آپ سب حضرات کو یاد ہوگی: قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (آل عمران:26)

آپ کہہ دیں اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے تو ہی جسے چاہتا ہے عزت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے سب بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے (کیونکہ) یقیناً ہر چیز پر قادر صرف تو ہے۔

اس آیت میں خطاب ان یہودیوں اور منافقین کو ہو رہا ہے جو غزوۂ خندق کے موقع پر بکواس کر رہے تھے کہ ان مسلمانوں کی خوش فہمیاں دیکھو۔۔۔ کہ اپنے بچاؤ کے لیے خندق کھود رہے ہیں، کھانے پینے کے لیے ان کے پاس ہے کچھ نہیں، اسلحہ اور آلات حرب کی شدید کمی ہے۔۔۔ خندق کی آڑ میں چھپے بیٹھے ہیں مگر قیصر و کسریٰ کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

یہود و منافقین کی اس پھبتی کا جواب اس جامع قسم کی دعا میں دیا گیا۔۔۔۔۔ کہ عزت و ذلت اور اقتدار وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قبضہ میں ہے۔۔۔۔۔ اس کی قدرت و طاقت کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جو آج حاکم ہیں کل وہی محکوم بن جائیں۔۔۔ آج جو بادشاہ ہیں کل وہی گدا ہو جائیں۔۔۔ اور آج جو کمزور ہیں کل وہی طاقتور ہو جائیں۔

بھلا جو ہستی مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے نکال سکتی ہے وہ مقتدر سے محتاج اور محتاج سے مقتدر کیوں نہیں بنا سکتی۔۔۔ جو ہستی رات کے دبیز اندھیروں سے دن کا اجالا نکال سکتی ہے اور دن کی روشنی پر رات کی تہہ جما سکتی ہے وہ سیکنڈوں میں بادشاہوں کو گدا، دولتمندوں کو حاجت مند اور دینے والوں کو لینے والوں کی قطاروں میں کھڑا کر سکتی ہے۔

تاریخ ثابت کرتی ہے کہ انگریز کے دور حکومت میں تجمل حسین خان نامی شخص دولت میں نہ صرف کھیلتا بلکہ دولت اس کے گھر کی لونڈی تھی، عیش و عشرت کے تمام اسباب اسے میسر تھے، جائیداد اور زمینیں بے حد و حساب تھیں۔۔۔۔۔ مرزا غالب جیسے عیش پرست شخص نے تجمل خان کی دولت، جائیداد اور عیش و عشرت کو دیکھ کر کہا تھا:

دیا ہے اوروں کو بھی تا اسے نظر نہ لگے بنا ہے عیش، تجمل حسین خان کے لیے

مرزا غالب کہنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیش و عشرت کی تخلیق صرف تجمل حسین خان کے لیے کی ہے، دوسرے لوگوں کو تو اس عیش سے کچھ حصہ عطا کر دیا ہے تاکہ تجمل حسین خان

کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

پھر کیا ہوا ذرا سنیے! تو اب تجمل حسین خان کی ریاست انگریزوں نے بغاوت کے الزام میں ضبط کر لی اور وہ خود جان بچا کر کربلا پہنچ گیا۔۔۔ پھر آسمان نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ کربلا میں غریبوں، ناداروں اور مسکینوں کے لیے خیرات تقسیم ہو رہی تھی اور خیرات لینے والوں میں ایک ہاتھ تجمل حسین خان کا بھی تھا۔

تاریخ کا ایک اور صفحہ بھی آپ حضرات کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ مغلوں کے خاندان نے کتنی طویل حکومت ہندوستان پر کی تھی۔۔۔ وہ ملک کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔۔۔ اور غلام ان کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے تھے۔۔۔ پھر ان کی حکومت ختم ہوگئی۔۔۔ انگریزوں نے سلطنت پر قبضہ جما لیا۔

ایک دن وائسرائے ہند دہلی کی جامع مسجد دیکھنے کے لیے آیا۔۔۔ یہ مسجد عظیم مغل بادشاہ شاہ جہان کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی تھی۔ وائسرائے واپس جانے لگا تو سیڑھیوں پر کھڑے ہر فقیر کو ایک ایک روپیہ خیرات میں دیا۔۔۔ مانگنے والوں میں ایک لڑکی بھی کھڑی تھی، وائسرائے نے جب روپیہ اسے دینا چاہا تو اس لڑکی نے روپیہ بھی پھینک دیا اور وائسرائے کی طرف پیٹھ کر کے کھڑی ہوگئی۔

وائسرائے لڑکی کی اس حرکت پر آگ بگولہ ہو گیا اور غصے سے کہنے لگا: یہ لڑکی کون ہے؟ اور اس نے اس طرح کی گستاخی کیوں کی ہے؟

اہلکاروں میں سے کچھ لوگ آگے بڑھے، لڑکی کو بغور دیکھا۔۔۔ ان میں سے کچھ نے لڑکی کو پہچان لیا اور کہا: جناب! یہ مسجد جو آپ دیکھ کر آرہے ہیں۔۔۔ شاہ جہان کی تعمیر کردہ یہ لڑکی اس کی پوتی ہے۔

سچ ہے حقیقی عزت و وقار اس اللہ کے لیے ہے جس کی صفت العزیز ہے۔ عزت دینا اور اسے برقرار رکھنا اسی کے ہاتھ میں ہے۔۔۔ وہ منٹوں میں عزت کو خاک میں ملا دیتا

ہے۔

دارا جمشید، سکندر، چنگیز، بابر، شاہ جہان، تیمور، ہٹلر کہاں گئے۔۔۔کبھی آپ نے غور فرمایا کہ ان کا انجام کیا ہوا؟

اَلْعَزِیْزُ۔۔۔غلبہ عطا کرنے والا

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے العزیز کا معنی کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

اَلْعَزِيْزُ الَّذِیْ قَدْ عَزَّ كُلَّ شَیْءٍ فَقَهَرَهٗ وَغَلَبَ الْاَشْيَاءَ فَلَا يُنَالُ جَنَابُهٗ لِعِزَّتِهٖ وَعَظَمَتِهٖ وَجَبَرُوْتِهٖ وَ كِبْرِيَائِهٖ

العزیز وہ ذات ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور سب اس کے جلال اور عظمت کے سامنے جھکے ہوئے ہوں اور اس کے غلبے، عظمت اور بڑھائی کی وجہ سے کوئی بھی اس کی بارگاہ تک نہ پہنچ سکتا ہو۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ نونیہ میں العزیز کے معنی اس طرح بیان فرمائے:

اَلْعَزِيْزُ هُوَ الْقَاهِرُ الَّذِیْ لَا يُغْلَبُ وَلَا يُقْهَرُ۔۔۔العزیز وہ ذات ہے جو غلبہ والی ہے جس پر کوئی دوسرا غلبہ نہیں پا سکتا۔

اللہ رب العزت کی صفت العزیز ہی کا نتیجہ اور کرشمہ تھا کہ میدان بدر میں تین سو تیرہ نہتے اور بے سروسامان مسلمانوں کو ایک ہزار مسلح اور جنگجو لشکر پر غالب کر دیا۔

قرآن مجید نے ذکر کیا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران:123)

جنگ بدر میں اللہ رب العزت نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی جب تم کمزور تھے۔

لشکر کی تعداد تین سو تیرہ، ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، باقی سب

پیدل تھے، ان کے پاس تلواریں اور تیر بھی محدود تھے، ریتلی زمین ان کے حصے میں آئی تھی، پانی پر بھی مشرکین کا قبضہ تھا۔

پھر اللہ رب العزت نے ایک ہزار فرشتے اتارے اور آٹھ ہزار فرشتوں کے نازل فرمانے کا مشروط وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (آل عمران:126)

اور یہ (فرشتوں کا اترنا) تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینانِ قلب کے لیے ہے ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے۔

وہ العزیز ہے یعنی ایسی قدرت و طاقت والا جو ظاہری اسباب کے سوا بھی غلبہ اور فتح عطا فرما سکتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ الحکیم بھی ہے جو اپنی حکمت بالغہ کے مطابق تمام کاموں کو ظاہری اسباب کے ماتحت کرتا ہے۔ اسی واقعہ کو سورۃ الانفال میں یوں بیان فرمایا:

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال:10)

اور اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کے ذریعہ) یہ مدد محض اس لیے فرمائی کہ (تمہارے لیے) خوشخبری ہو اور تا کہ تمہارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔

غزوۂ خندق جسے جنگِ احزاب بھی کہتے ہیں یہ غزوہ 5ھ میں پیش آیا اسے احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس موقع پر تمام اسلام دشمن طاقتیں اور گروہ جمع ہو کر مسلمانوں کو مٹانے کے لیے ان کے مرکز مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔۔۔ اَحزاب، حزب کی جمع ہے بمعنی گروہ۔

اسی غزوہ کو جنگ خندق بھی کہتے ہیں کیونکہ اصحاب رسول نے اپنے بچاؤ کے لیے

مدینے کے اطراف میں خندق کھودی تھی تا کہ دشمن مدینہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ مشرکین وکفار کے لشکر کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار کے قریب تھی۔ مشرکین نے مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا تھا، مسلمان دشمن کی یلغار سے سخت خوفزدہ تھے۔

قرآن کریم نے کہا: إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا (10) هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (الاحزاب:10)

جب دشمن تمہارے پاس تمہارے اوپر سے اور نیچے سے (یعنی ہر طرف سے) چڑھ آئے اور جب (تمہاری) آنکھیں (خوف سے) پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

ایک مہینے تک یہ محاصرہ جاری رہا اور مسلمانوں پر یہی کیفیت جاری رہی۔۔۔ پھر اللہ نے پردۂ غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی، تیز وتند ہوا چلائی جو سخت آندھی اور طوفان کی صورت میں تھی اس طوفان نے مشرکین کے خیموں کو اکھاڑ دیا، گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے، دیگیں اور ہانڈیاں چولھوں سے الٹ گئیں، کنکر اڑ اڑ کر مشرکین کو زخمی کرنے لگے۔۔۔ غرضیکہ اس طوفان نے مشرکین کے لشکر کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اسی ہوا کی نسبت امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ (بخاری کتاب الاستسقاء)

میری مدد صبا (مشرقی ہوا) سے کی گئی اور قوم عاد دبور (پچھمی) ہوا کے ذریعہ ہلاک کیے گئے۔

سورت الاحزاب کی آیت نمبر 25 میں ارشاد ہوا: وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۔۔۔ اور اللہ نے غزوۂ خندق میں کفار کو غیظ وغضب میں بھرے ہوئے

ہی (نامرادونا کام) لوٹا دیا انہوں نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔

وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۔۔۔ اور اس جنگ میں اللہ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا۔ یعنی مسلمانوں کو لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ اللہ رب العزت نے ہوا اور فرشتوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۔۔۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اللہ رب العزت بڑی قوت والا اور غلبہ عطا کرنے والا ہے۔

غزوۂ خندق اور جنگ بدر کی طرح دوسرے کئی مواقع پر العزیز نے کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، غیب سے ان کی مدد فرمائی اور اپنی قدرت سے انہیں غلبہ عطا فرمایا۔ جنگ حنین میں اور غزوۂ تبوک میں، خیبر کے معرکہ میں اور احد کے میدان میں اسی العزیز نے مسلمانوں کی دستگیری کی اور مشرکین و کفار پر انہیں غلبہ عطا فرمایا۔

العزیز کا ایک معنی علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے: اَلْعَزِيْزُ الشَّدِيْدُ فِي انْتِقَامِهٖ مِمَّنِ انْتَقَمَ مِنْ اَعْدَائِهٖ ۔۔۔ العزیز وہ ہستی ہے جو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے میں سخت ترین ہے۔۔۔ وہ کسی کو سزا دینے کا ارادہ کرلے تو کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس کے عذاب اور سزا کو ہٹا سکے۔

العزیز ہی ہے جس نے سیدنا نوح علیہ السلام کے مخالفین ۔۔۔۔۔ مشرکین سے انتقام لیا اور انہیں پانی میں غرق کر دیا ۔۔۔۔ العزیز ہی ہے جس نے قوم عاد و ثمود سے اور اصحاب مدین سے انتقام لیا اور انہیں مختلف قسم کے عذابوں میں جکڑ کر نیست و نابود کر دیا ۔۔۔ العزیز ہی ہے جس نے قوم لوط سے ایسا شدید ترین انتقام لیا جسے پڑھ کر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے ۔۔۔ العزیز ہی ہے جس نے نمرود جیسے جابر اور مطلق العنان حکمران کو ایک مچھر کے ذریعہ ذلت میں مبتلا کر دیا ۔۔۔ العزیز ہی ہے جس نے قارون جیسے مالدار اور

دولتمند کو زمین میں خزانوں سمیت دھنسا دیا۔۔۔ العزیز ہی ہے جس نے فرعون جیسے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کے مدعی کو لشکر سمیت دریائے نیل میں غرق کر کے اس کی لاش کو کنارے پر پھینک کر پچھلوں کے لیے درسِ عبرت بنا دیا۔۔۔ العزیز ہی نے ابوجہل جیسے متکبر اور مکہ کے لیڈر اور قریش کے سردار کو دو بچوں کے ہاتھوں پٹوا کر دنیا کے لیے باعث عبرت بنا دیا۔

العزیز کا ایک معنٰی ہے زبردست۔۔۔ زبر کا معنی ہے اوپر اور دست فارسی میں ہاتھ کو کہتے ہیں یعنی جس کا ہاتھ سب سے اوپر ہے۔۔۔ ساری کائنات اور مخلوق زیر دست (جن کا ہاتھ نیچے ہے) اور اکیلا اللہ زبردست ہے۔

تمام دنیا اور دنیا کی ہر شئی اسی کے زیر تسلط اور وہی سب پر مسلط ہے۔۔۔ ساری دنیا اور دنیا کی تمام مخلوق لینے والی اور وہی اکیلا دینے والا ہے۔

قرآن مجید میں جس جگہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ میرے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ تمام کے تمام اکٹھے ہو جائیں تو ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی ان کے معبودوں سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ مکھی سے اپنا نقصان واپس نہیں لے سکتے، مانگنے والا بھی کمزور ہے اور جس سے مانگا جا رہا ہے وہ بھی کمزور ہے۔ (الحج:73)

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالٰی نے لوگوں سے گلہ کرتے ہوئے فرمایا: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۔۔۔ لوگوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر نہیں کی۔۔۔ کہ بے بس، لاچار اور کمزور مخلوق کو اس کا ہمسر، ساجھی اور شریک ٹھہراتے ہیں۔ پھر فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۔۔۔ بیشک اللہ بڑا ہی زور آور، قوت والا اور غالب و زبردست ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: إِنَّمَا يَعْرِفُ اللّٰهَ عَزِيزًا مَنْ أَعَزَّ أَمْرَهٗ وَطَاعَتَهٗ (مرقاۃ: 77 جلد:5)

اللہ کے صفاتی نام العزیز کی معرفت وہی حاصل کر سکے گا جو اللہ تعالٰی کے ایک ایک حکم کی عزت و عظمت کا استحضار کر کے اس کی اطاعت کرے گا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی نقل کیا ہے: اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ كُلَّ يَوْمٍ اَنَا الْعَزِيْزُ فَمَنْ اَرَادَ عِزَّ الدَّارَيْنِ فَلْيُطِعِ الْعَزِيْزَ

تیرا رب ہر روز یہ اعلان کرتا ہے کہ میں ہی عزیز ہوں لہٰذا جو شخص دونوں جہانوں میں عزت کا طالب ہو اسے چاہیے کہ العزیز کی اطاعت کرے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عزیزی وخواری تو بخشی وبس عزیز تو خواری بیدز کس

اے اللہ عزت وذلت صرف تو ہی دیتا ہے جسے تو عزت دے وہ کسی سے ذلت نہیں پاتا۔

عزیزے کہ ہر کز درش سر بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

وہ اللہ ہر چیز پر ایسا غالب ہے کہ جس نے اس کے دروازے سے سر پھیرا اس کے بعد وہ جس دروازے پر بھی پہنچا عزت سے محروم رہا۔

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (النساء:139)۔۔۔یقیناً عزت ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الحشر:23)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں۔۔۔ اللہ رب العزت کے ایک بڑے مبارک اور مقدس نام "الجبار" کی تشریح، تفصیل اور تفسیر میں کچھ بیان کرنے کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور رحمت سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ رب العزت کا یہ نام قرآن میں صرف ایک جگہ پر۔۔۔ خطبہ میں تلاوت کردہ آیت کریمہ میں آیا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور مفسر علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کا الجبار کی تشریح میں ایک قول نقل فرمایا ہے: اَلْجَبَّارُ الْمُصْلِحُ اُمُوْرَ خَلْقِهٖ الْمُتَصَرِّفُ فِيْهِمْ بِمَا صَلَاحُهُمْ (ابن کثیر الحشر:23)

الجبار وہ ہستی ہے جو خلقت کے تمام امور کی درستگی کرنے والی ہے اور مخلوق کے لیے ان معاملات کو طے کرنے والی ہے جو ان کے حق میں بہتر ہیں۔

جبار، جبر سے مشتق ہے بمعنی ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا۔۔۔ عربی میں جبر اور جابر کے وہ

معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں۔۔۔ ہماری زبان میں جبر زبردستی کو اور جابر ظالم کو کہتے ہیں۔ مگر عربی زبان میں جابر کہتے ہیں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا۔۔۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی جوڑنے کو جبر کہتے ہیں اور ہڈی جوڑنے والے شخص کو جابر کہتے ہیں۔

الجبّار کا معنی ہوگا۔۔۔ ٹوٹی ہوئی چیز کو بڑے خوبصورت طریقے سے اور بہت عمدگی سے جوڑنے والا۔

امام الانبیاء ﷺ ایک دعا ان الفاظ کے ساتھ مانگا کرتے تھے:

یَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْکَسِیْرِ۔۔۔ اے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے

امام الانبیاء ﷺ نے اللہ رب العزت کو اس صفت سے صدا لگائی اور پکارا۔۔۔ اس لیے کہ پوری دنیا کے ڈاکٹر اور حکیم اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو کوئی دوا اور کوئی تدبیر ایسی نہیں جو اس ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑ دے۔۔۔ ڈاکٹر اور ماہر کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اس کے صحیح مقام پر رکھ دے۔۔۔ اس کے بعد کوئی دوا، کوئی مرہم، کوئی کریم اور لوشن ایسا نہیں ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر لگا دیا جائے اور ہڈی جڑ جائے۔۔۔ ہڈی کو دوسری ہڈی سے جوڑنے والی ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے جس کی صفت الجبّار ہے ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا، اصلاح اور درستگی کرنا، شکستہ دل کی دل بستگی کرنا۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلوں کے مابین جو عداوتیں اور دشمنیاں تھیں اور سینکڑوں برس سے چلی آ رہی تھیں۔۔۔ اسلام نے ان دوریوں کو یکسر ختم کر دیا۔۔۔ باہمی نفرتوں کو محبتوں میں بدل ڈالا، ایک دوسرے کے جان کے دشمن۔۔۔ اللہ کے فضل سے ایک دوسرے کے فداکار بن گئے۔۔۔ وہ آپس میں باہمی بھائی بھائی ہوگئے۔۔۔ قرآن نے اسے بیان فرمایا اور اسے نعمتِ الٰہی قرار دیا۔۔۔ کیونکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والا جو وہی ہے، بچھڑوں ہوؤں کو ملانے والا جو وہی ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَّكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (آل عمران:103)

اور اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر ہونے والی نعمت کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں (ایک دوسرے کے لیے) الفت ڈال دی پھر تم اللہ کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

سورت الانفال میں اس حقیقت کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (انفال:63)

ان (مسلمانوں) کے دلوں میں باہمی محبت اسی اللہ نے ڈالی ہے آپ زمین کے تمام خزانے خرچ کر کے بھی ان کے (ٹوٹے ہوئے) دل آپس میں نہ ملا سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو ملا دیا وہ غالب حکمتوں والا ہے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری فرماتے ہیں:

جب کسی انسان کو جبّار کہتے ہیں تو اس کی وجہ تسمیہ اور ہوتی ہے وہ جَبَّارُ النَّخْلِ سے بنایا گیا ہے یعنی جو کھجور اتنی بلند ہو کہ اس پر چڑھنے کا حوصلہ نہ ہو سکے چونکہ سرکش، سنگ دل، متکبر اور بے رحم لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں کہ ان سے اللہ کی مخلوق کو آزار، تنگی اور تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا کرتا ان تک کسی کی پہنچ نہیں ہوتی اور وہ کسی کا حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے اس لیے انہیں جبّار کہا جاتا ہے۔ (معارف الاسماء:82)

سورت ھود میں قوم عاد پر عذاب بھیجنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا:

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ

عَنِيدٍ (هود:59)

اور یہ تھی قوم عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش، نافرمان کے حکم کی پیروی کی۔

سورت ابراہیم میں اللہ رب العزت نے اس مکالمہ کا ذکر فرمایا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے مابین ہوا کرتا تھا پھر ان دھمکیوں کا تذکرہ ہوا جو قوم کے سرکش لوگ وقت کے نبیوں کو دیا کرتے تھے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ (ابراہیم:15)

(آخرکار) کفار نے یا انبیاء نے فیصلہ طلب کیا اور تمام سرکش ضدی لوگ نامراد ہو گئے۔

سورت المومن میں رجل مومن کی تقریر کو نقل کیا گیا جس کے آخر میں اس نے کہا:

كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (المومن:35)

یوں اللہ تعالیٰ ہر مغرور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

سورت ق میں ہے: نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ (ق:45)

جو کچھ وہ (مشرکین و کفار) کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں (یعنی آپ کا کام سنانا اور سمجھانا ہے زبردستی منوانا نہیں) آپ قرآن کے ساتھ انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے ڈرانے سے ڈرتا ہے۔

الجبّار کا تیسرا معنی

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف مرقاۃ میں الجبار کا معنی کیا ہے:

لَا يَجْرِي فِي سُلْطَانِهِ شَيْءٌ بِخِلَافِ مُرَادِهِ (مرقاۃ جلد:5ص:78)

اس کی سلطنت اور بادشاہی میں کوئی ایسی چیز واقع نہیں ہو سکتی جو اس کی مرضی،

مراد اور چاہت کے خلاف ہو۔

ہم میں سے ہر شخص روزمرہ کی زندگی میں مشاہدہ کرتا ہے کہ بہت سے کام اس کی مرضی ومنشاء کے خلاف واقع ہو جاتے ہیں۔۔۔۔اور کئی کام وہ کرنا چاہتا ہے مگر باوجود اسباب مہیا ہونے کے وہ نہیں کر پاتا۔۔۔امیر المومنین، خلیفہ رابع سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بہت ہی خوبصورت قول ہے: عَرَفْتُ رَبِّيْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ۔۔۔ میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا ہے۔۔۔میں امیر المومنین بھی ہوں۔۔۔۔بہادر بھی ہوں۔۔۔نڈر اور شجاع بھی ہوں۔۔۔بدر واحد کا غازی اور خندق کا ہیرو بھی ہوں۔۔۔فوج میری کمان میں اور پولیس میرے آرڈر کی منتظر۔۔۔سب وسائل کے ہوتے ہوئے ارادہ کرتا ہوں کہ کل یوں کروں گا۔۔۔یا کل یہ کام کروں گا۔۔۔پھر وہ کام میں نہیں کر پاتا تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ اوپر کوئی ہستی موجود ہے جس کی چاہت اور مراد کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اور حکمران بھی اپنی مراد حاصل نہیں کر سکتے ان کے پاس فوج ظفر موج بھی ہوتی ہے۔۔۔اقتدار اور سلطنت بھی۔۔۔ طاقت وقوت بھی۔۔۔مال ودولت بھی۔۔۔مگر ان سب اسباب کے باوجود بعض کام ان کی مرضی اور منشاء کے خلاف واقع ہو جاتے ہیں۔

کیا آپ حضرات نہیں جانتے کہ دنیوی اعتبار سے فرعون کتنا بڑا اور دبدبے والا بادشاہ تھا؟ وہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا مدعی تھا۔۔۔۔اسے اپنی سلطنت کی وسعت اور قوت پر ناز تھا۔۔۔۔اسے خطرہ محسوس ہوا کہ بنی اسرائیل میں کوئی بچہ جنم لے کر آخر میری حکومت کے لیے خطرہ نہ بن جائے اسے معلوم تھا کہ بنی اسرائیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کے لیے نبوت وحکومت کی بشارتیں ہیں۔۔۔۔فرعون نے اس خطرہ کے پیش نظر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا مگر الجبار نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پرورش

اسی کی گود میں فرمائی۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ نمرود جیسے مطلق العنان بادشاہ نے اور اس کے وزیروں اور مشیروں نے پوری کوشش کی کہ سیدنا ابرہیم علیہ السلام کا راستہ روکا جائے اور انہیں آگ میں زندہ جلادیا جائے۔۔۔مگر الجبّار نے ان پر آگ کو باغ و بہار بنا کر انہیں بچالیا۔

مشرکین مکہ نے دعوتِ توحید کو روکنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔۔۔جسمانی اذیتیں دیں۔۔۔ذہنی صدمے پہنچائے۔۔۔قتل کی تدبیریں کیں۔۔۔مگر وہ ہر تدبیر میں ناکام ونامراد رہے۔ان کا ہر حربہ ان ہی پر اُلٹ پڑا اور الجبّار نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو مشرکین کے گھیرے اور نرغے سے نکال کر بحفاظت مدینہ پہنچایا اور کچھ مدت بعد انہیں مکہ کا فاتح بنادیا۔

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ الجبّار وہ ہستی ہے جس کی مرضی اور چاہت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔۔۔اس کائنات میں وہی ہوتا ہے جو الجبّار چاہتا ہے۔مخلوق میں اور کسی کی کیا مجال ہے۔۔۔؟ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمۃ اللہ علیہم تک بھی کبھی کبھی کچھ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں مگر ان کی چاہت اور ارادہ پورا نہیں ہوتا۔

کیا آپ اس حقیقت سے انکار کرسکتے ہیں کہ سیدنا نوح علیہ السلام چاہتے تھے کہ میرا بیٹا کنعان بچ جائے وہ اسے کشتی میں سوار ہونے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ یٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا (ھود:42)

میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہوجاؤ۔

بیٹا کہنے لگا: سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ۔۔۔میں پہاڑ کی پناہ میں آجاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا جسے تم سیلاب سمجھ رہے ہو یہ سیلاب نہیں بلکہ اللہ کا عذاب ہے۔۔۔آج صرف وہی بچے گا جس پر اللہ رحم فرمائے گا۔

باپ بیٹے کے درمیان گفتگو جاری تھی کہ ایک طوفانی موج نے اسے اپنی طغیانی میں لے لیا اور بیٹا سیدنا نوح علیہ السلام کی نظروں کے سامنے غرق ہو گیا۔

ثابت ہوا کہ اللہ رب العزت اس اعتبار سے الجبار ہے کہ اس کی سلطنت میں کوئی کام اس کی مرضی اور ارادے کے خلاف نہیں ہو سکتا۔۔۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی چاہت اور مرضی و منشاء یہ تھی کہ بیٹا غرق ہونے سے بچ جائے اور اللہ الجبار کی مرضی اور ارادہ یہ تھا کہ غرق ہو جائے پھر وہی ہوا جو الجبار نے چاہا۔

کیا یہ حقیقت ناقابل تردید نہیں ہے کہ سیدنا ابرہیم علیہ السلام کا ارادہ اور مرضی تھی کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا گلہ کٹ جائے۔۔۔ وہ اپنے بیٹے کو تیار کر کے منیٰ لے گئے۔۔۔ جبین کے بل لٹایا چھری چلانا چاہتے ہیں کہ آواز آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (صافات:104)

اے ابراہیم یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔

جدُّ الانبیاء علیہ السلام کی مرضی اور منشاء یہ تھی کہ بیٹے کے گلے پر چھری چل جائے اور اسماعیل قربان ہو جائے مگر الجبار (جس کے حکم کے بغیر اور جس کی مرضی کے خلاف پتہ بھی نہیں ہلتا) اس کی مرضی اور ارادہ تھا کہ اسماعیل علیہ السلام کا ایک بال بھی بیکا نہ ہو۔۔۔ پھر وہی ہوا جو الجبار نے چاہا۔

سیدنا یونس علیہ السلام اپنی قوم سے ناراض ہو کر اور انہیں عذاب الٰہی کی وعید سنا کر اللہ کے حکم کے بغیر اپنے گاؤں سے چل پڑے قرآن مجید نے اسے یوں بیان فرمایا: وَذَا النُّونِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء: 87)

اور مچھلی والے (سیدنا یونس علیہ السلام کو یاد کرو) جب وہ (اپنی قوم پر) غضبناک ہو کر چل دیئے انہوں نے گمان کیا کہ ہم اسے پکڑ نہ سکیں گے (یہ الزام المُعاطب بما لا

بَلْتَزِمُ کے قبیلے سے ہے کہ محبت و پیار میں مخاطب کے ذمہ ایسی بات لگا دینا جو وہ اپنے ذمہ لینے کے لیے تیار نہیں)

سیدنا یونس علیہ السلام بھاگ کر بچ نکلنا چاہتے ہیں مگر الجبار کی منشاء اور مرضی کے بغیر کائنات میں کوئی کام نہیں ہوسکتا اس لیے اللہ نے انہیں ایک آزمائش میں مبتلا فرما دیا کہ مچھلی کا لقمہ بن گئے اور اندھیروں میں اپنے رب کو پکارنے لگے۔

امام الانبیاء ﷺ کی کتنی خواہش تھی کہ میرا چچا ابو طالب کلمۂ اسلام قبول کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔۔۔ ابو طالب کے آخری وقت بھی منت فرما رہے تھے۔۔۔ چچا میرے کان میں کلمہ پڑھ دے میں کل میدانِ محشر میں تیری شفاعت کروں گا۔

ابو طالب کہتا ہے اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ صَادِقٌ وَاَنَّ دِیْنَكَ حَقٌّ ۔۔۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم سچے ہو اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا دین بھی حق ہے مگر اب کلمہ پڑھوں تو دنیا والوں کے سامنے میری ناک کٹ جائے گی، یہ لوگ میری نسل پر طنز کریں گے کہ تم اسی دادا کی اولاد ہو جس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تھا میں اپنی اولاد کے دامن کو ایسے طعنوں سے داغ دار نہیں کرنا چاہتا۔

آپ ﷺ کی اس خواہش اور تمنا کو قرآن مجید نے بیان فرمایا: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ۔۔۔ میرے پیغمبر ﷺ! جس کو آپ چاہتے ہیں اسے ہدایت کی دولت سے سرفراز نہیں کر سکتے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۔۔۔ لیکن اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! میری گفتگو سے اور میرے دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ الجبار کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ کی سلطنت میں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔۔۔ اس کی

مرضی اور منشاء کے بغیر کوئی رونما نہیں ہوسکتا۔

الجبار اس قوت کو کہتے ہیں جو طاقت کے ساتھ سب لوگوں پر غالب ہو۔۔۔اور جو ارادہ وہ کرلے اس کو اپنی قوتِ غالبہ سے پورا کرلے اور اس کے سامنے ہاتھ رکھنے والا کوئی نہ ہو۔

الجبار وہ ہستی ہے جس کے قبضۂ قدرت سے کوئی شئی بھی باہر نہ ہو۔۔۔جس کا حکم تمام مخلوق پر زبردستی بھی لاگو ہوسکے۔۔۔سب پر اسی اکیلے کی برتری ہو اور ہر ایک پر اسی کی فرمانروائی ہو۔

آخر میں ایک حدیث کے الفاظ آپ کو سنانا چاہتا ہوں جسے مشہور صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

جبار قیامت کے دن آسمانوں اور زمینوں کو لپیٹ لے گا انہیں اپنے ہاتھ میں لے کر کہے گا اَنَا الْجَبَّارُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ ۔۔۔میں ہی جبار ہوں کہاں ہیں زبردستی کرنے والے اور آج کہاں ہیں تکبر کرنے والے۔

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: ایک رات میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور پہلی رکعت میں سورت البقرہ کی تلاوت فرمائی جب آپ کسی ایسی آیت کو پڑھتے جس میں رحمتِ الٰہی کا تذکرہ ہوتا تو وہاں رک کر اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب فرماتے اور جب عذاب والی آیت پر پہنچتے تو رک کر عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے، پھر آپ نے رکوع کیا قیام کے مطابق (یعنی جتنا طویل قیام فرمایا اتنا طویل رکوع فرمایا) اور رکوع میں یہ الفاظ پڑھتے رہے:

سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَۃِ

(تمام عیبوں اور ہر قسم کے شریکوں سے پاک ہے اللہ جو بگڑے ہوئے حالات کو

سنوارنے والا اور حکمرانی والا اور عظمت و کبریائی کا مالک ہے) پھر آپ ﷺ نے سجدہ میں بھی یہی دعا پڑھی (ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب مایقول فی رکوعہ وسجودہ)

طیبی شرح مشکوۃ میں ہے کہ امیر المومنین خلیفہ رابع رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا مانگتے تھے: یَا جَابِرَ کُلِّ کَسِیْرٍ وَمُسَھِّلَ کُلِّ عَسِیْرٍ

اے وہ ذات جو ہر ٹوٹے ہوئے کو جوڑتی ہے اور ہر مشکل کام کو آسان کر دیتی ہے۔

امام الانبیاء ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ (ترمذی جلد: 1 ص:63)

اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما مجھے بے نیاز فرما مجھے سیدھا راستہ دکھا اور مجھے روزی عطا فرما۔

اس دعا میں وَاجْبُرْنِیْ کے لفظ پر غور فرمایئے یہ اللہ رب العزت کے اسم گرامی الجبار کے مفہوم کی غمازی کر رہا ہے۔ بعض محدثین نے وَاجْبُرْنِیْ کے لفظ کا معنی اَغْنِنِیْ سے کیا ہے۔۔۔ یعنی مجھے تونگری عطا فرما۔ اس لیے کہ الجبار کا ایک معنی ہے کھوئی ہوئی دولت کو دوبارہ لوٹانے والا۔۔۔ اور ہر قسم کے نقصان کو پورا کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک الجبار سے اپنا تعلق مضبوط بنایئے اور اس اسم مبارک کا تصور دماغوں میں بٹھایئے کہ اس کائنات میں وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا۔۔۔ اگر اس نے دولت کی نعمت عطا کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی اور اگر اس نے دولت عطا نہیں کرنی تو پھر دنیا کے سارے حیلے اور حربے استعمال کر کے بھی تم دولت حاصل نہیں کر سکتے ہو۔

اگر الجبار نے اولاد کی نعمت دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو تیرا کوئی حربہ اسے روک نہیں سکتا اور اگر اس نے اولاد کی دولت سے محروم کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو پھر کون ہے جو تیری

گود ہری کرے؟

صحت و بیماری، آزادی و قید، تنگدستی و خوشحالی، خوشی و غمی، یہ سب اللہ رب العزت کی مرضی و ارادہ کے ماتحت ہیں لہٰذا زندگی کے ہر حال میں اور زندگی کے ہر موڑ پر مدد کے لیے الجبّار ہی کو پکاریئے جو مخلوق کے امور میں متصرف ہے، جو ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والا ہے جو کھوئی ہوئی نعمت کو لوٹانے والا ہے اور جو ہر قسم کے نقصان کی تلافی کرنے والا ہے اور جس کی مرضی و منشاء کے بغیر ایک پتہ بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا اور جس کی مرضی کے خلاف کوئی کام رونما نہیں ہو سکتا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلْمُتَکَبِّرُ/اَلْکَبِیْرُ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (الحشر:23) ــ

وقال اللہ تعالی فی مقام آخر: ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰہَ هُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ (الحج62)

یہ سب اس لیے کہ بیشک اللہ ہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور یقیناً اللہ ہی بلند و بالا اور کبریائی والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ جمعۃ المبارک میں ارادہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ایک محترم اور مقدس نام "المتکبر، اور الکبیر" کے مفہوم و معانی کو بیان کروں۔۔ اللہ رب العزت مجھے اپنی رحمت اور اپنے فضل سے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلْمُتَکَبِّرُ۔۔۔کبر سے بنا ہے اور کبر کے معنی رفعت، شرف، بزرگی اور عظمت کے آتے ہیں۔

ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور تابعی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اَلْمُتَکَبِّرُ کا معنی کرتے ہیں

تَکَبَّرَ عَنْ کُلِّ شَرٍّ ۔۔۔وہ ذات جو ہر برائی سے برتر اور بالا ہو۔

اسی طرح علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْکَبِیْرُ کا معنیٰ کیا ہے:

اَلْعَظِیْمُ الَّذِیْ کُلُّ شَیْئٍ دُوْنَہٗ وَلَا اَعْظَمُ مِنْہُ ۔۔۔جو ہر ایک سے عظیم ہو اور دنیا کی ہر چیز اس سے کم تر ہو۔

اللہ رب تعالیٰ کے اسم گرامی اَلْمُتَکَبِّرُ کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ ہستی جو بزرگی ورفعت اور اپنے علو وبرتری میں سب سے اعلیٰ ہو، سب سے ارفع وبلند ہو، سب سے اونچا اور بڑا ہو، سب سے بالا قدر ہو اور جو صفات ذمیمہ اور اخلاق رذیلہ سے ماوراء ہو۔

اَلْمُتَکَبِّرُ وہ ہے جس کے سامنے تمام مخلوقات حقیر ہو اور وہی سب سے اعلیٰ اور اولیٰ، برتر وبالا ہو جو علم کے اعتبار سے سب سے بڑا ہو، جو قدرت کے لحاظ سے سب سے بالاتر ہو، جو تصرف کے اعتبار سے سب سے فائق ہو، ساری مخلوق جس کے آگے صف بستہ غلاموں کی مانند ہو، جس کا ہاتھ سب سے اوپر ہو اور ہر ایک کا ہاتھ اس کے سامنے نیچا ہو، جو ہر لحاظ سے بڑا ہو، جو ہر اعتبار سے بالاتر ہو، جس کی عظمت کے آگے ہر ایک کی گردن جھکی ہوئی ہو، جس کے جلال کے آگے مخلوق دم بخود ہو، جو اتنا شان وشوکت والا ہو کہ فرشتے اس کی مرضی کے بغیر پروں کو حرکت نہ دے سکیں۔

اَلْمُتَکَبِّرُ ۔۔۔اللہ کا صفاتی نام قرآن میں صرف ایک مرتبہ سورۃ الحشر کی آیت نمبر 23 میں آیا ہے اور اَلْکَبِیْرُ قرآن مجید میں چھ جگہوں میں استعمال ہوا ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اپنی بڑائی اور کبریائی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سب سے پہلی وحی جو آپ پر نازل ہوئی وہ غار حرا میں اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ہے۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ کو اپنے ساتھ لگا کر اس زور سے بھینچا کہ آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ میری پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست نہ ہو جائیں پھر جبرئیل امین نے کہا اِقْرَأْ یَا مُحَمَّدْ ۔۔۔اے محمد! پڑھیے! آپ نے فرمایا: مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ ۔۔۔میں پڑھنا

نہیں جانتا یہی عمل جبرئیل امین نے تین مرتبہ دہرا کر کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۔۔۔ پڑھیئے اپنے اس پروردگار کے نام کی مدد سے جس نے پیدا کیا ہے۔

یہ نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی تھی پھر کچھ مدت کے لیے وحی میں وقفہ ہوگیا جس کی وجہ سے آپ مضطرب اور پریشان رہنے لگے۔۔۔ ایک روز جبرئیل امین علیہ السلام اچانک آئے آپ نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی ہے اور جبرئیل امین علیہ السلام اس پر بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے پوری فضا کو بھر رکھا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ پر کچھ خوف سا طاری ہوگیا، بدن میں کپکپی آگئی، آپ ﷺ نے گھر جا کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

زَمِّلُوْنِىْ زَمِّلُوْنِىْ ۔۔۔ مجھے کپڑا اڑاؤ ۔۔۔ دَثِّرُوْنِىْ دَثِّرُوْنِىْ ۔۔۔ مجھ پر لحاف ڈال دو۔ گھر والوں نے آپ کے جسم پر کپڑا ڈال دیا جس میں لپٹ کر آپ لیٹ گئے۔ اسی کیفیت اور اسی حالت میں یہ وحی نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۔۔۔ اے لحاف میں لپٹنے والے ۔۔۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۔۔۔ اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ یعنی آگاہ کرو کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاؤ گے ۔۔۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۔۔۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو کیونکہ اللہ کی بڑائی اور عظمت کے تصور ہی سے دلوں میں خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے اور اللہ رب العزت کی تعظیم و تقدیس اور بڑائی ہی ایسی چیز ہے جس کی معرفت و پہچان سب اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہیے۔

غرضیکہ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ میں نبی اکرم ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ اللہ کی بڑائی کا اقرار اور پھر یہ اعلان آپ کی ذمہ داری بھی ہے اور آپ کی بعثت کی غرض و غایت بھی، اور آپ کی دعوت کا محور بھی، اور آپ کی تبلیغ کا مرکزی نکتہ بھی۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں آپ کو حکم دیا جا رہا ہے: وَكَبِّرْهُ

تَكْبِيْرًا۔۔۔اور اللہ کی پوری پوری (خوب) بڑائی بیان کرتا رہ۔

یہاں تکبیر کا لفظ استعمال ہوا اور اللہ کی تعظیم و تقدیس اور شان و شوکت اور جلال کے بیان کے لیے تکبیر سے زیادہ بلیغ اور جامع کوئی لفظ نہیں ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: وَفِي الْأَمْرِ بِذَلِكَ بَعْدَ مَا تَقَدَّمَ مُؤَكَّدًا بِالْمَصْدَرِ الْمُنَكَّرِ مِنْ غَيْرِ تَعْيِيْنٍ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ مِمَّا لَا تَسَعُهُ الْعِبَارَةُ وَلَا تَفِيْ بِهِ قُوَّةُ الْبَشَرِيَّةِ (روح المعانی جلد:8ص:198)

لفظ تکبیر میں نکرہ مصدر کے ساتھ مؤکد کرتے ہوئے اس کا (اللہ کی بڑائی کا) حکم دینا دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ (اللہ کی بڑائی بیان کرنے کے معاملے میں) نہ کوئی عبادت اس کا حق ادا کرنے کے لیے کافی ہو سکتی اور نہ کوئی انسان اس کا حق ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۔۔۔یہ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت کے آخری کلمات ہیں جن میں امام الانبیاء ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ کی بڑائی بیان کرو اسے بڑا جان کر۔۔۔ یا اللہ کی بڑائی بیان کیجیے پوری پوری اور خوب خوب بڑائی۔

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ میری عظمت و شان کو یوں بیان فرمایئے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا (110) وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا (بنی اسرائیل آیت 111-110)

کہہ دیجیے! اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو پس اسی کے سب نام اچھے ہیں نہ تو تو اپنی نماز بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ ان دونوں کے

درمیان کا راستہ اختیار کیجیے۔اور یہ کہتا رہ کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو ساجھی وشریک رکھتا ہے اور نہ وہ ایسا حقیر کہ اس کا کوئی حامی ومددگار ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ۔

آیت نمبر 111 میں بڑے عجیب، خوبصورت اور نرالے انداز میں شرک کی تردید اور نفی فرمائی گئی ہے اور شریکوں سے اللہ رب العزت کی بڑائی بیان کی گئی ہے۔

معمولی عقل وفہم رکھنے والا شخص بھی یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ دوسرے سے مدد لینے میں تین احتمال ہو سکتے ہیں۔

پہلا احتمال ہے کہ بڑا آدمی چھوٹے سے مدد لے جیسے باپ اپنی اولاد سے۔۔۔ اس احتمال کو لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا میں رد کر دیا۔

دوسرا احتمال ہے اپنے برابر کے شخص سے مدد لی جائے جیسے ایک حصے دار دوسرے حصے دار سے مدد لیتا ہے اسے لَمْ یَکُنْ لَّهُ شَرِیْكٌ فِي الْمُلْكِ میں رد فرما دیا۔

تیسرا احتمال ہے کہ چھوٹا شخص بڑے آدمی سے مدد لے جیسے کمزور اور عاجز آدمی مصیبت اور دکھ کے وقت بڑے آدمیوں سے مدد لیتا ہے۔اس احتمال کو لَمْ یَکُنْ لَّهُ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ میں رد کر دیا۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بڑی خوبصورت بات نقل فرمائی ہے:

اور لطف یہ کہ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا میں نصاریٰ کا۔۔۔۔۔۔لَمْ یَکُنْ لَّهُ شَرِیْكٌ فِي الْمُلْكِ میں مشرکین کا۔۔۔۔۔۔اور لَمْ یَکُنْ لَّهُ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ میں ان یہودیوں کا رد ہو گیا جن کے ہاں اللہ رب العزت کشتی میں یعقوب علیہ السلام کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔(العیاذ باللہ)

سورت جاثیہ میں اللہ رب العزت نے اپنی کبریائی اور بزرگی کو بیان کرنے سے

پہلے اپنے اوصاف کا تذکرہ فرمایا:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (جاثیہ:36)

پس اللہ ہی کے لیے ہے سب خوبی اور صفاتِ الٰہیہ جو آسمانوں اور زمینوں کا اور تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جاثیہ آیت 27)

تمام بزرگی اور بڑائی آسمانوں اور زمین میں اسی (اللہ) کے لیے ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

اسی حقیقت کو حدیث قدسی میں یوں بیان فرمایا گیا: اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي --- کبریائی اور بڑائی میری چادر ہے --- وَالْعَظَمَةُ اِزَارِي --- عظمت و برتری میرا تہبند ہے --- فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ --- لہٰذا جو کوئی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت اور کشمکش کرے گا میں اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دوں گا۔ (مشکوۃ جلد 2 ص:433، مسلم کتاب البر باب تحریم الکبر)

سورت الحج کی آیت نمبر 60 میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میں مظلوم کی مدد ضرور کروں گا --- پھر آیت نمبر 61 میں اس کی دلیل بیان فرمائی کہ جو اللہ رات کو دن میں داخل کر کے دن کو طویل کر سکتا ہے اور جو اللہ دن کو رات میں داخل کر کے رات کو لمبا کر سکتا ہے وہ مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنے پر بھی قادر ہے۔ پھر آیت نمبر 62 میں اپنے معبود برحق ہونے کو بیان فرمایا اور اپنے سوا ہر معبود کی پکار کو باطل ٹھہرایا اور آخر میں فرمایا: وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ --- بیشک اللہ ہی ہے بلندی والا اور کبریائی والا۔

اللہ اکبر اللہ سب سے بڑا ہے --- یعنی علم کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے --- تصرف کے اعتبار سے --- اختیار و ملک کے لحاظ سے --- خزانوں کے اعتبار سے ---

اور قوت وطاقت۔۔۔غلبہ وشوکت کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے۔

اللہ اکبر کی آواز سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کے کان میں پہنچائی جاتی ہے۔۔۔دنیا میں آنے کے پہلے دن اسے بتایا جارہا ہے کہ سپر طاقت کسی ملک وسلطنت کی نہیں بلکہ سپر طاقت صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ہے۔

پھر جب یہی بچہ سن شعور کو پہنچا تو پانچ وقت کی اذان میں تیس بار اللہ اکبر کی آواز اس کان سے ٹکرانے لگی۔۔۔پھر وہ بچہ مسجد میں جانے کے قابل ہوا تو نماز سے پہلے تیس بار اقامت میں یہی آواز اللہ اکبر اسی سماعت سے ٹکرانے لگی۔۔۔پھر پانچ وقت کی نماز کے فرضوں، سنتوں، وتر اور نوافل میں کہی جانے والی تکبیرات کو بھی شمار کرلیں تو اللہ اکبر کہنے اور سننے کی تعداد دو سو چھیانوے تک جا پہنچتی ہے۔۔۔پھر ہر نماز کے بعد چونتیس بار اللہ اکبر نمازی بطور وظیفہ پڑھتا ہے۔۔۔اذان و اقامت کا جواب دے تو ساٹھ بار اللہ اکبر کے کلمات ادا کرتا ہے۔

نماز کے علاوہ اسلام کے ایک اہم رکن حج میں بھی سب سے زیادہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔اسی طرح عیدین کی نماز میں چھ بار مزید اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔۔۔پھر عید پڑھنے کے لیے آتے جاتے تکبیرات کہی جاتی ہیں۔۔۔اسی طرح ذوالحج کی نو تاریخ کی صبح سے لے کر 13 ذوالحج کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے بعد تکبیرات تشریق کہی جاتی ہیں۔۔۔جانور ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کا حکم ہے۔۔۔نماز جنازہ کی تکبیرات میں بھی اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔۔۔میدان جہاد کا نعرہ بھی تکبیر یعنی اللہ اکبر ہے۔

امام الانبیاء ﷺ خیبر کے قریب پہنچے، خیبر کے قلعوں پر نظر پڑی تو بلند آواز سے فرمایا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ۔

پیدائش سے لے کر زندگی کی آخری سانسوں تک بار بار تکرار کے ساتھ انسان کو سنایا گیا اور پھر اس سے کہلوایا گیا اور اقرار کروایا گیا کہ اللہ کی ذات سب سے بڑی ہے۔

اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں اللہ کی بڑائی اور کبریائی کا تصور بٹھایا جائے اور انسان اس کبریائی پر یقین کرتے ہوئے اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کی کوشش کرے۔۔۔ وہ ہر ایک کا خوف دل سے نکال کر ایک اللہ کا خوف دل میں رکھے۔۔۔ وہ ہر ایک سے امیدیں توڑ کر ایک اللہ سے امیدیں وابستہ کرے۔۔۔ وہ ہر کسی سے آس توڑ کر اکیلے اللہ سے آس جوڑے۔۔۔ وہ اللہ رب العزت کے سوا کسی کو الٰہ اور معبود نہ سمجھے۔۔۔ اللہ کے علاوہ کسی کو مسجود نہ سمجھے۔۔۔ وہ مقصودِ حقیقی صرف اللہ ہی کو مانے۔۔۔ وہ اللہ کی بڑائی کا اقرار کرتے ہوئے اسے الکبیر۔۔۔ بہت بڑا سمجھے اور اسے المتکبر۔۔۔ بہت بڑائی والا مانے۔

متکبر صرف اور صرف اللہ رب العزت کی صفت ہے۔۔۔ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا نام متکبر اس لیے برا ہے کہ اس میں درحقیقت رفعت و شرافت اور کمال و وصف ذاتی ذرا بھی نہیں ہوتا وہ حسن و جمال اور دولت و عہدہ کے مصنوعی اور جھوٹے غرور میں آ کر متکبر بن بیٹھتے ہیں اور اسی تکبر کے بل بوتے پر اپنے سے کم تر لوگوں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگتے ہیں۔

اس جھوٹی بڑائی اور بزرگی پر اترانے والوں کی علامت و نشانی یہ ہے کہ بات بات پر غرور و تکبر کرتے رہتے ہیں مگر اسی غرور و تکبر کو دیکھتے ہوئے اگر کوئی شخص ان کو متکبر کہہ دے تو برا مان جاتے ہیں۔

یقین جانیئے! بڑائی والا صرف وہی ہو سکتا ہے جو خود کہتا ہے کہ میں اَلْمُتَکَبِّرُ ہوں اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔۔۔ ایک بادشاہ جو بلا شرکتِ غیر پوری سلطنت کا فرمانروا ہو کیا وہ بڑائی والا ہو سکتا ہے۔۔۔؟ ایک دولتمند جس کی دولت کا حساب و شمار نہ ہو کیا وہ بڑائی والا ہو سکتا ہے۔۔۔؟ ایک عالم کہ جس کے پائے کا دوسرا کوئی عالم نہ ہو کیا وہ بڑائی والا ہو سکتا ہے۔۔۔؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

وہ ہستی بڑائی والی کیسے ہو سکتی ہے جس کی تخلیق گندے پانی کے قطرے سے ہوئی ہو۔۔۔اور جس کی پرورش ماں کے پیٹ میں بدبودار خون سے ہوئی ہو۔۔۔جس کے پیٹ میں پاخانے کا گند موجود ہو۔۔۔جس کا بہترین لباس ریشم کے کیڑوں کا فضلہ ہو۔۔۔اور جو گرمی حاصل کرنے کے لیے جانوروں کی کھال اور اون کے لباس کو پہن کر فخر محسوس کرے۔۔۔جو معمولی جراثیم کو اپنے جسم سے دور نہ کر سکے۔۔۔جسے مکھی اور مچھر جیسے حقیر کیڑے عاجز کر دیں۔۔۔جسے سانپ ڈس لے تو یہ موت کی وادی میں پہنچ جائے۔۔۔جسے بچھو یا بھڑ کاٹ لے تو تڑپنے لگے۔۔۔جسے معمول بخار بے آرام کر دے۔۔۔اور ذرا سا درد بے سکون کر دے۔۔۔جس کی قوت وطاقت مردار ہرن کی ناف کا میل اور مچھلیوں کا اُگال ہو۔۔۔جسے بھوک بے قرار کر دے۔۔۔جسے پیاس کی شدت پاگل کر دے۔۔۔جو تھک کر سو جائے۔۔۔جو آرام کا محتاج ہو۔۔۔جسے یہ تک معلوم نہ ہو کہ وہ دنیا میں کب آیا اور یہاں سے کب کوچ کرے گا۔۔۔جسے نیند نہ آئے تو ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتا رہے۔۔۔جس کا پاخانہ رک جائے مر جائے اور پاخانہ کھل جائے تو مر جائے۔۔۔جسے بڑھاپا توڑ مروڑ کر رکھ دے۔۔۔دانت گر جائیں۔۔۔آنکھیں بے نور ہو جائیں۔۔۔قوتِ سماعت مفقود ہو جائے۔۔۔ہاتھ پاؤں کانپنے لگیں اور کمر کمان بن جائے۔

جو ہر لحظہ اور ہر آن دوسروں کی مدد اور تعاون کا محتاج ہو وہ بڑائی والا کیسے ہو سکتا ہے؟ حقیقی بڑائی والی صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے جس کی صفت اَلْمُتَکَبِّرُ اور اَلْکَبِیْرُ ہے۔

سامعین گرامی قدر! متکبر۔۔۔بڑائی والا صرف وہی ہے جو کسی کا کسی وقت بھی محتاج نہ ہو اور جو اعلان کرے: یَا أَیُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (فاطر آیت 15)

اے لوگو! (ناس کا لفظ عام ہے جس میں عام و خاص حتیٰ کہ انبیاء و اولیاء سب

آجاتے ہیں) تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز ہے۔

وہ ہستی بلاشبہ بڑائی والی ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا۔۔۔ جو سراپا نور و تقدس ہے۔ جو کھانے پینے کا محتاج نہیں ہے۔۔۔ جو آرام کرنے اور سونے سے پاک ہے۔۔۔ جسے کوئی شئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کوئی شئی اس کے لیے باعثِ فخر نہیں ہو سکتی۔۔۔ جس کی ملکیت کبھی سلب نہیں ہو سکتی۔۔۔ بڑائی والا وہی ہے جس نے تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ کے تحت بادشاہوں کے سروں پر تاج شاہی رکھا اور جب چاہا تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ کے تحت وہ تاج ان کے سروں سے اتار لیا اور کئی ایک کو تخت شاہی سے اتار کر تختۂ دار تک پہنچا دیا۔

اَلْمُتَكَبِّرُ صرف اللہ ہے جو بڑے بڑے مصنوعی متکبروں کو پلک جھپکنے میں ذلیل و خوار اور رسوا کر کے خاک میں ملا دیتا ہے۔ اَلْمُتَكَبِّرُ حقیقت میں وہی ہے جس نے بے ذر ابراہیم علیہ السلام کو نمرود جیسے بادشاہ کے مقابلے میں کامیابی بخشی۔۔۔ جس نے غلام قوم سے تعلق رکھنے والے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے مقابلے میں غلبہ عطا فرمایا۔۔۔ جس نے عاد و ثمود جیسی جابر قوموں کو دم بھر میں ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔۔۔ جس نے تکبر و غرور میں مست قوم لوط کی بستی کو الٹ کر رکھ دیا۔۔۔ جس نے باغ ارم والوں کو دھنسا دیا اور شداد کو اس کے غرور کا مزہ چکھا دیا۔۔۔ قارون جیسے دولتمند کو دولت سمیت زمین میں غرق کر دیا۔

اَلْمُتَكَبِّرُ صرف وہی ہے جو خالق ارض و سماء ہے۔۔۔ جس نے سورج کو تمازت اور چاند کو ضیا پاشی بخشی ہے۔۔۔ جس نے ستاروں کو جگمگانا سکھایا۔۔۔ اور پہاڑوں کو بلندی عطا کی۔۔۔ اور وقت آنے پر انہیں روئی بنا کر اڑا دے گا۔۔۔ جس کے حکم کے بغیر ایک ذرہ ہل نہیں سکتا۔۔۔ جو اپنی مشیت و مرضی میں کسی کا پابند نہیں جو چاہے کرے اس سے پوچھنے والا کوئی نہیں۔۔۔ جو کسی کے تعاون کا دست نگر نہیں۔۔۔ تکبر اسی کو سجتا ہے جو گندے

پانی کے ایک قطرے سے بڑے بڑے جھوٹے متکبروں کو پیدا کر دیتا ہے۔
تو وا اس متکبر کی بڑائی کو کون بیان کر سکتا ہے جس کا فرمان ہے:

آپ کہیئے اگر درخت قلم اور سمندر روشنائی ہوتے اور میرے پروردگار کے کلمات لکھنا چاہتے تو اس کے کلمات سے پہلے وہ ختم ہو جاتے اگر چہ اتنے ہی سمندر اور اس کام پر لگا لیے جاتے۔

آج تک جتنے لوگ تکبر کی بیماری کا شکار ہوئے وہ سب تفاخر بالغیر کرتے رہے۔ کوئی اپنے حسن و جمال پر مغرور بنا رہا۔۔۔ کسی کو مال و دولت، زمینیں، باغات پر غرور رہا مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ سب خارجی اوصاف ہیں۔۔۔ بڑائی وہ ہوتی ہے جو اپنے اندر ہو۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: تکبر میری چادر ہے جو مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے سخت سزا دوں گا۔

اس حدیث پر غور فرمایئے! اس کا ایک ایک لفظ اتنا سچا اور مبنی بر حقیقت ہے کہ انسان اس پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ متکبر شخص کو سزا کے طور پر دوزخ کے حوالے کرے گا۔۔۔ یہ سزا تو لازمی ہے۔ مگر آپ کا اور میرا مشاہدہ ہے کہ متکبر شخص اسی دنیا میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔۔۔ ہر شخص متکبر آدمی سے نفرت کرتا ہے۔۔۔ سامنے کچھ نہ کہہ سکیں تو پیٹھ پیچھے اس کے رشتے دار اور دوست واحباب تک اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی سچی بات کہی ہے:

تکبر مکن زینہار اے پسر　　که روزے زدستش در آئی بسر
اے لڑکے تکبر ہر گز ہر گز نہ کرنا　　تکبر کی وجہ سے تو سر کے بل گرے گا
تکبر عزازیل را خوار کرد　　بہ زندان لعنت گرفتار کرد

سب سے پہلا متکبر شیطان ہے اور مصنوعی متکبروں میں سب سے بڑا متکبر وہی ہے جس نے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا نعرہ لگایا۔۔۔ اس نے مٹی کو حقیر اور ذلیل اور آگ کو عظیم سمجھا اور آگ کی طرح اوپر کو پرواز کی۔۔۔ پھر اس تکبر کرنے کا انجام کیا ہوا؟ لعنت اور ذلت کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ اس کے نام کو گالی بنادیا گیا۔

اس کے برعکس سیدنا آدم علیہ السلام نے عجز وانکساری اور تواضع اختیار کی اور توبہ و استغفار کو حرز جان بنایا تو قربِ الٰہی پایا اور باوجود معمولی لغزش کے بہت بڑا مقام اور شرف پایا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العزت قیامت کے دن آسمانوں اور زمین کو اپنے ہاتھ میں لے کر فرمائیں گے اَنَا الْجَبَّارُ۔۔۔ میں جبار ہوں (مسلم کی روایت میں اَلْجَبَّارُ کی جگہ اَلْمَلِكُ ہے) اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ وَاَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ متکبر اور جبار لوگ آج کہاں ہیں؟

(مسلم، صفات المنافقین)

سامعین گرامی قدر! تکبر اسی کو سجتا ہے جس نے چلتے ہوئے پانی پر زمین کو ٹھہرایا۔۔۔ پھر زمین پر پہاڑوں کی میخیں ٹھونک کر اسے قرار بخشا۔۔۔ تکبر اسی کو زیبا ہے جس نے آسمان کی بلند و بالا اور وسیع و عریض چھت کو بغیر ستونوں کے کھڑا کر دیا۔۔۔ جس نے دریاؤں اور سمندروں کو روانی بخشی۔۔۔ جس نے زمین کا سخت سینہ چیر کر چشمے اور آبشاریں جاری کر دیں۔۔۔ جس نے ایک دانے کو سات سو دانوں میں تبدیل کر دیا۔

تکبر اسی ہستی کو زیبا ہے جس نے حکم دیا اے زمین اپنا پانی نگل جا۔۔۔ اور اے آسمان تھم جا۔ تکبر کرنا صرف اور صرف اللہ رب العزت کے لیے باعث شان ہے۔۔۔ گندے پانی کے قطرے سے تخلیق شدہ انسان کو (جو مجبوریوں اور احتیاطی شکنجوں میں جکڑا ہوا ہے) تکبر کرنا زیب نہیں دیتا۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی طالب العلم نے عرض کیا: میں بڑا متکبر ہوں، اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہوں اس کا کیا علاج ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: مسجد میں جا کر نمازیوں کے جوتے سیدھے کیا کرو۔ اللہ کے نیک بندوں نے تکبر کے بہت علاج تجویز فرمائے ہیں۔۔۔ مگر سب سے اچھا اور بہتر اور زود اثر علاج یہ ہے کہ انسان اپنی اصلیت کو سمجھے اور پہنچانے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟

سورۃ القیامۃ کے آخر میں فرمایا: کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو (ماں کے رحم میں) ٹپکایا گیا پھر وہ لہو کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر:24)

وقال الله تعالىٰ في مقام آخر: أَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ (یاسین آیت 81)

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ کیوں نہیں وہ قادر ہے، یقیناً وہی تو ہے پیدا کرنے والا جاننے والا۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں اللہ رب العزت کے ایک مشہور و معروف اور حسین نام اَلْخَالِقُ، اَلْبَارِئُ کے مفہوم کو بیان کرنے کی کوشش کروں گا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

کچھ علمائے کرام کا خیال ہے کہ اَلْخَالِقُ اور اَلْبَارِئُ دونوں ہم معنی ہیں یعنی پیدا کرنے والا مگر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خیال درست نہیں ہے بلکہ دونوں کے معنی میں ایک نفیس سا فرق ہے۔

جب بھی کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کے دو درجے ہوتے ہیں

پہلا درجہ اندازہ کرنا ہے۔ دوسرا درجہ وجود بخشنا ہے۔۔۔ پہلے درجے کے لیے خالق کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور دوسرے کے لیے باریٔ کا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْخَلْقُ هُوَ التَّقْدِیْرُ وَ الْبَرْءُ هُوَ الْفَرْيُ وَهُوَ التَّنْفِیْذُ

خلق کا مطلب ہے اندازہ مقرر کرنا (تخلیق کے لیے) اور اَلْبَرْءُ کا معنی ہے جس چیز کا اندازہ مقرر کر دیا گیا اس کو ٹھیک ٹھاک اور درست کر کے وجود بخشنا۔

علامہ زمخشری نے فرمایا ہے:

اَلْبَارِئُ هُوَ خَلَقَ الْخَلْقَ بَرِیًّا مِّنَ التَّفَاوُتِ اَیْ خَلَقَهُمْ خَلْقًا مُّسْتَوِیًا لَیْسَ فِیْهِ اِخْتِلَافٌ وَّلَا تَنَافُرٌ وَّلَا نَقْصٌ وَّلَا عَیْبٌ وَّلَا خَلَلٌ

الباریٔ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو اس طرح پیدا فرمایا کہ وہ ہر قسم کے تفاوت سے پاک ہے یعنی اس نے ہر چیز کو ایسا برابر اور مناسب بنایا ہے کہ اس میں کوئی اونچ نیچ، کوئی فرق، کوئی عیب اور کسی قسم کا خلل نہیں ہے۔

اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے سورۃ الملک میں بیان فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (الملک 3)

جس (اللہ) نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا (اے دیکھنے والے) تو رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتا ہے تجھے کوئی شگاف۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:

قدرت نے اپنے انتظام اور کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، اجرام علویہ، سبع سموات اور ذرات تک میں یکساں کاریگری دکھلائی ہے۔ یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے اور بعض کو یوں ہی بیکار،

بے تکا اور فضول بنا دیا ہو یعنی ساری کائنات نیچے سے اوپر تک ایک قانون اور مضبوط نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے ہر چیز ویسی ہے جیسا کہ اسے ہونا چاہیے تھا۔

مندرجہ بالا ارشادِ الٰہی اگر صرف آسمان سے متعلق ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب! اوپر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ کہیں اونچ نیچ یا دراڑ اور شگاف نہیں پائے گا بلکہ ایک صاف، ہموار، متصل، مربوط اور منظم چیز نظر آئے گی جس میں باوجود زمانے کے گزرنے اور طویل ہونے کے آج تک کوئی فرق اور تفاوت نہیں آیا۔

ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے

ہر انسان اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔ ایک ذرہ سے لے کر آفتاب تک، ایک قطرہ سے لے کر دریا تک، درخت کے ایک پتے اور تنکے سے لے کر گھنے جنگلات تک، ایک معمولی کنکر سے لے کر پہاڑ تک، ایک مچھر اور چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، تحت الثریٰ کی مخلوق سے لے کر ثریا کی مخلوق تک، فرش سے لے کر عرش تک کی ایک ایک چیز کا خالق وہی ہے۔

سورج، چاند، ستارے، لیل و نہار، عرش و کرسی، جنت و جہنم، درندے، چرندے اور پرندے، کیڑے مکوڑے اور دیگر حشرات الارض۔۔۔ غرضیکہ کائنات کی ہر ہر شئی کا خالق صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔

سورۃ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے: أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الرعد:16)

کیا بنائے ہیں انہوں (مشرکین) نے اللہ کے لیے شریک ان شریکوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے اللہ نے پیدا کیا ہے پھر مشتبہ ہوگئی تخلیق ان کی نظر میں کہہ دیجیے اللہ ہے پیدا کرنے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا زبردست۔

اسی مضمون کو خلاق عالم نے سورۃ نحل میں بڑے عجیب اور دلربا انداز میں بیان فرمایا۔۔۔ سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ پھر انسان کی قطرۂ ناپاک سے پیدائش کو بیان فرمایا۔۔۔ پھر جانوروں کو پیدا کرنے کا ذکر فرمایا۔۔۔

ان تمام تذکروں کے بعد ارشاد ہوا:

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (النحل:17)

بھلا وہ ہستی جو سب کچھ پیدا کرے اس کے برابر وہ ہوسکتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کرے۔

صفتِ خالقیت۔۔۔ دلیل الوہیت

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اپنی صفت خالقیت کو اپنی معبودیت پر بطور دلیل پیش فرمایا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ:21)

اے لوگو! عبادت اپنے رب کی کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلوں کو بھی پیدا فرمایا تاکہ تم (شرک سے) بچ جاؤ۔

مِنْ قَبْلِكُمْ ۔۔۔ سے مراد کون لوگ ہیں؟ اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ مِنْ قَبْلِكُمْ سے مراد آباؤ اجداد ہیں۔۔۔ اللہ رب العزت کہنا چاہتے ہیں کہ صرف میری عبادت کرو۔۔۔ اس لیے کہ میں نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تمہارے آباؤ اجداد کا خالق بھی میں ہی ہوں۔

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مِنْ قَبْلِكُمْ سے مراد مشرکین کے خود ساختہ معبود ہیں جنہیں وہ مصائب و مشکلات میں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں۔۔۔ اللہ رب العزت لوگوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ عبادت و پکار صرف اور صرف میری کرو۔۔۔ اس لیے کہ تمہارا خالق بھی میں ہوں اور جن کو تم پکار رہے ہو

ان کا خالق بھی میں ہی ہوں۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مفہوم کی تائید قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے ہوتی ہے۔ سورۃ الفرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا: وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ (الفرقان:3)

اور انہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ کے سوا معبود جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔

دوسری دلیل سورۃ الزمر میں زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد پھر انسان کی تخلیق کا ذکر یوں فرمایا: خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ (الزمر:6)

اس اللہ نے تم سب کو ایک جان سے بنایا (یعنی سیدنا آدم علیہ السلام سے) پھر اسی سے (یعنی اس کی جنس سے) اس کا جوڑا (یعنی اماں حواء) کو بنایا اور اتارے (یعنی پیدا کیے) تمہارے واسطے چوپایوں سے آٹھ نر مادہ (یعنی بھیڑ بکری، گائے اونٹ جن کا تذکرہ سورۃ الانعام کی آیت 143 میں کیا گیا) وہ بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر (اس کیفیت کا تذکرہ سورۃ مومنون آیت 12 میں تفصیل کے ساتھ ہوا) یہ تخلیق تین اندھیروں میں ہوئی (ماں کے پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور اس جھلی کا اندھیرا جس میں لپیٹ کر ہم تیری تصویر بنا رہے تھے)

اللہ رب العزت نے سورۃ الزمر کی اس آیت میں اپنی صفتِ تخلیق کا تذکرہ فرمانے کے بعد نتیجہ نکالا: ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ـــ انہی صفتوں والا اللہ ہے رب تمہارا اسی کے لیے بادشاہت ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

تیسری دلیل سورۃ المومن کی آیت 61 میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کے بنانے کی حکمت کو ذکر فرمایا اور پھر کہا: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ (المومن:62)

یہی اللہ ہے پروردگار تمہارا ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کس طرح تم (حق سے) پھرے جاتے ہو۔

چوتھی دلیل اللہ رب العزت نے سورۃ فاطر کی ابتداء میں زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا اور ایسے فرشتوں کے قاصد ہونے کا تذکرہ فرمایا جن کے دو دو، تین تین اور چار چار پر ہیں۔۔۔۔۔۔ساتھ ہی فرمایا يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ ۔۔۔۔۔۔تخلیق میں جو چاہے بڑھا دیتا ہے یعنی بعض فرشتوں کے اس سے بھی زیادہ پر ہیں جیسے حدیث میں آتا ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا۔۔۔میں نے معراج کی رات جبرئیل امین کو اس کی اصلی صورت میں دیکھا اس کے چھ سو پر تھے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ نجم)

پھر تیسری آیت میں ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ (فاطر:3)

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جو تم پر نعمتیں کی ہیں انہیں یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

پانچویں دلیل اللہ رب العزت نے سورۃ الاعراف کی آیت 54 میں بیان فرمایا کہ تمہارا پروردگار اور تمہاری ضروریات زندگی کا خیال رکھنے والا صرف اللہ ہی ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں تدریجاً پیدا فرمایا رات اور دن کو اسی نے ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا، سورج، چاند اور ستاروں کو اسی نے اپنے حکم کا تابع بنایا۔۔۔اپنی اس کاریگری کا

ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۔۔۔ یاد رکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا ۔۔۔ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۔۔۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا

رب ہے۔

اگلی آیت میں کیا فرمایا ذرا سنیئے! اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (الاعراف:55)

جب عالم خلق کا اختیار اسی کے پاس ہے اور جب تمام برکات کا منبع اسی کی ذات ہے تو پھر اپنی حاجات میں پکارنا بھی اسی کو چاہیے۔

چھٹی دلیل سورۃ یٰسین میں ایک مومن اور موحد شخص کا تذکرہ ہوا جس کا نام حبیب تھا اور پیشے کے لحاظ سے نجار تھا۔۔۔ وقت کے لوگوں نے آنے والے پیغمبروں کو جھٹلایا اور انہیں سنگسار کرنے اور سخت سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔ حبیب نجار کو علم ہوا تو دوڑتا ہوا آیا اور قوم کو شرم دلائی کہ جو لوگ تم سے کسی اجرت کے طالب نہیں اور وہ ہیں بھی ہدایت یافتہ بجائے اتباع کرنے کے ان کی تکذیب کر رہے ہو، قوم کے لوگ کہنے لگے۔۔۔ اچھا تم بھی انہی کے پیروکار ہو اس پر حبیب نجار نے کہا: وَمَا لِيَ لَا اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (یٰسین:22)

اور مجھ کو کیا ہوا کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

حبیب نجار نے بھی اللہ رب العزت کی خالص عبادت کرنے پر بطور دلیل اللہ کی صفت خالقیت کو پیش فرمایا۔

ساتویں دلیل سورۃ الروم میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کی کئی نشانیوں کا تذکرہ فرمایا ان میں ایک نشانی کا تذکرہ یوں فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت والوہیت کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے

تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا۔۔۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری تخلیق تو مادۂ حیات سے ہوئی ہے ارشاد ہوا: اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی (قیامۃ: 37) کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا۔۔۔دوسری جگہ ارشاد ہوا: مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (18) مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ (عبس: 18) اللہ نے کس چیز سے انسان کو بنایا ہے ایک بوند سے اسے بنایا پھر اس کی تقدیر مقرر کی۔

یہاں سورۃ الروم میں کہا گیا کہ اللہ نے انسان کو مٹی سے بنایا۔۔۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عام انسان کی تخلیق کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔۔۔اسی لیے آگے فرمایا ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۔۔۔کہ تمہارا بابا ایک تھا اور اب تم کتنے انسان ہو جو زمین میں چلتے پھرتے ہو۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ مادۂ حیات جن غذاؤں کے استعمال کرنے سے بنتا ہے وہ تمام تر غذائیں زمین ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔

اگلی آیت میں ارشاد ہوا۔۔۔وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (الروم: 21)

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویوں کو پیدا فرمایا۔

آگے آیت نمبر 26 میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ۔۔۔وہی اللہ ہی ہے جس نے ابتداً مخلوق کو پیدا کیا پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ (دوبارہ پیدا کرنا) اس پر بہت آسان ہے۔

غیر اللہ سے معبودیت کی نفی اسی صفت کے اعتبار سے

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جہاں اپنی الوہیت و معبودیت کو کئی طرح کے عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے وہیں کئی جگہوں پر منفی رنگ بھی اپنایا ہے اور غیر اللہ کی عبادت و

پکار سے منع فرمایا ہے۔۔۔ میں آپ حضرات کے سامنے ایسی آیات رکھنا چاہتا ہوں جن میں غیر اللہ کی عبادت و پکار سے منع فرمایا تو ساتھ ہی معبودان باطلہ سے تخلیق کی نفی فرمائی گئی۔

سورۃ النحل کی ابتداء میں اللہ رب العزت نے اپنی تخلیق اور دیگر قدرتوں کا تذکرہ فرمایا ہے: خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (3) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ (نحل:4)

اسی اللہ نے آسمانوں و زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ برتر و بالا ہے ان کے شریک بنانے سے، اسی نے انسان کو ایک بوند سے پیدا کیا کہ وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا۔

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ

اور اسی نے چوپایوں کو پیدا فرمایا جن میں تمہارے لیے گرمی حاصل کرنے کے لباس ہیں اور بھی بہت سے نفع ہیں اور کچھ جانور تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (نحل:8)

اور گھوڑے خچر اور گدھے اسی نے بنائے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ جانور باعث زینت بھی ہیں (ذرا غور فرمایئے! گھوڑا اس لیے پیدا کیا گیا کہ تم اس پر سواری کرو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ گھوڑے کو اپنے اوپر سوار کرلو)

اللہ تعالیٰ نے اپنی طرح طرح کی تخلیق کے تذکرے کے بعد فرمایا: أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (نحل:17)

تو (تم خود ہی فیصلہ کرو) کیا وہ جو (سب کچھ) پیدا کرنے والا ہے اس جیسا ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہیں کرسکتا کیا تم سوچتے نہیں ہو۔

کس قدر حماقت اور کم عقلی کی بات ہے کہ جو ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ نہ بنا سکیں۔۔۔ جو گھاس کا ایک تنکا نہ اُگا سکیں۔۔۔ جو ریت کا ایک ذرہ اور جو کا ایک دانہ پیدا

کرنے پر قادر نہ ہوں۔۔۔ایسے عاجزوں کو معبود اور مستعان سمجھ کر اس اللہ رب العزت کے برابر کر دیا جائے جو چلتے پانی پر زمین کا فرش بچھاتا ہے۔۔۔جو بغیر ستونوں کے آسمان کی وسیع وعریض چھت تان دیتا ہے۔۔۔جو پھلوں میں رس بھرتا ہے اور پھولوں کو مہک بخشتا ہے۔۔۔جو زمین کی تہہ سے پانی باہر نکالتا ہے اور بلند وبالا پہاڑوں میں چشمے اور آبشاریں جاری کر دیتا ہے۔۔۔جس نے سورج کو تمازت عطا کی اور چاند کو اجالا بخشا اور ستاروں کو جگمگانا سکھایا۔۔۔جس نے موسموں کو تغیر کی خو عطا فرمائی اور رات دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔۔۔جو بادلوں کو ہانک کر لاتا ہے اور پیاسی زمین کو سیراب کر دیتا ہے۔۔۔جو برف باری کی صورت میں پانی کے ذخیرے عطا کرتا ہے۔۔۔جو زمین میں بوئے گئے ایک دانے کو سات سو دانوں میں بدل دیتا ہے۔۔۔جو دلوں کے بھید جانتا ہے۔۔۔جو قادر اور قدیر ہے۔۔۔جو مقتدر اور عزیز ہے۔۔۔جو القوی الغالب ہے۔۔۔جو پانی کے ایک قطرے پر تین اندھیروں میں نقشہ جماتا ہے اور یوسف جیسا حسین بنا دیتا ہے۔۔۔یہ جو فرمایا کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ۔۔۔تمہارے معبود جنہوں نے کچھ نہیں بنایا اللہ کے برابر اور ہمسر کیسے ہو سکتے ہیں۔۔۔اسی بات کو سورۃ النحل کی آیت 20 میں ذرا کھول کے بیان فرمایا: وَالَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ

اور جن جن کو یہ (مشرکین) اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔

اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ۔۔۔جن کو مشرکین پکارتے ہیں وہ مردہ ہیں زندہ نہیں۔۔۔اَحۡیَآءٍ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ۔۔۔انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

دوسری دلیل پہلی دلیل یعنی سورۃ النحل کی اس آیت میں فرمایا لَا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا۔۔۔جن کو مشرکین حاجات ومشکلات میں مشکل کشا سمجھ کر غائبانہ پکارتے ہیں وہ کوئی حقیر

سے حقیر تر چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے۔

اسی حقیقت کو سورۃ الحج میں کتنے خوبصورت اور دلنشین انداز میں بیان فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَہٗ وَاِنۡ یَّسۡلُبۡہُمُ الذُّبَابُ شَیۡئًا لَّا یَسۡتَنۡقِذُوۡہُ مِنۡہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ (الحج:73)

یقینا جن جن کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو وہ سارے مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ مکھی سے اس چیز کو چھڑا نہیں سکتے کمزور ہے طالب بھی اور مطلوب بھی (پکارنے والا فہم و عقل کے اعتبار سے کمزور اور بودا ہے اور جن کو پکارا جارہا ہے وہ قدرت وطاقت کے لحاظ سے انتہائی کمزور ہے)

سامعین گرامی قدر! اس آیت کریمہ کے ان الفاظ پر ذرا غور فرمایئے۔۔۔ وَاِنۡ یَّسۡلُبۡہُمُ الذُّبَابُ شَیۡئًا ۔۔۔ اگر مکھی مشرکین کے معبودوں اور مشکل کشاؤں سے کوئی چیز چھین کر لے جائے۔۔۔ ہاں ہاں جو چھین لیتا ہے وہ طاقت ور ہوتا ہے اور جس سے چھن جائے وہ کمزور ہوتا ہے۔۔۔ اللہ یہاں کہنا چاہتا ہے کہ تمہارے مشکل کشا اتنے کمزور ہیں کہ مکھی بھی ان سے چیزیں چھین کر لے جاتی ہے پھر ایسے کمزوروں اور عاجزوں کو تم نے میرا شریک بنا کر میری ناشکری اور ناقدری کی ہے۔۔۔ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ۔۔۔

تیسری دلیل سورۃ لقمان کی آیت 10 میں اللہ رب العزت نے اپنی تخلیق اور کاریگری کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ آسمان کی چھت کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا۔۔۔ زمین پر پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں تاکہ جمی ہوئی اور ہموار زمین پر تم آسانی سے چل سکو۔۔۔ پھر اس زمین میں ہر قسم کے جان دار پھیلا دیئے۔۔۔ اس نے آسمان سے بارش برسا کر زمین سے ہر قسم کے جوڑے اُگائے۔۔۔ ان انعامات الٰہیہ کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد ہوا: ھٰذَا خَلۡقُ اللّٰہِ ۔۔۔ یہ سب کچھ میری تخلیق اور میری کاریگری ہے۔۔۔ فَاَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ۔۔۔ پس مجھے دکھاؤ جن کو میرے سوا تم پکارتے ہو انہوں نے کیا

بنایا ہے؟ کوئی ایک چیز تو دکھاؤ؟

مطلب یہ ہے کہ جب ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے تو پھر عبادت و پکار کے لائق اور مستحق بھی وہی ہے۔۔۔ اللہ کے سوا کائنات میں کوئی ہستی اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے یا اسے مدد کے لیے پکارا جائے۔

چوتھی دلیل سورۃ لقمان میں دیئے گئے اس چیلنج سے ملتا جلتا اللہ رب العزت نے سورۃ الاحقاف میں بھی دیا ہے پہلے فرمایا: مَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ (الاحقاف:3)

ہم نے زمین وآسمان اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو بہترین تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

پھر آیت 4 میں ارشاد فرمایا: قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (الاحقاف:4)

آپ کہہ دیجیے! بھلا دیکھو تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو انہوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے یا آسمانوں میں ان کا کون سا حصہ ہے اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا نقلی علم ہی میرے سامنے لاؤ۔

اسی بات کو اور اسی چیلنج کو سورۃ فاطر میں بھی دہرایا: قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا (فاطر:40)

کہہ دیجیے! تم اپنے شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو یعنی مجھ کو یہ دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ بنایا ہے یا ان کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے یا ہم

نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ اس کی سند اور دلیل رکھتے ہیں (یعنی غیر اللہ کی پکار پر نہ کوئی عقلی دلیل موجود ہے اور نہ نقلی دلیل) بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آتے ہیں۔

مشرکین بھی خالق اللہ کو مانتے تھے

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اپنی الوہیت، وحدانیت اور معبودیت پر دو قسم کی عقلی دلیلیں دی ہیں۔۔۔ایک عقلی محض اور دوسری دلیل ہے علی سبیل الاعتراف من الخصم۔۔۔۔۔یعنی مخالفین اور دشمنوں سے اعتراف کروایا جاتا ہے کہ تم خود ہی بتاؤ اور تم خود ہی فیصلہ کرو۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اپنی صفت خالقیت پر اسی دوسری قسم کی دلیل کو بطور استشہاد پیش فرمایا ہے۔ سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہوا:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (عنکبوت:61)

اور اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ پھر وہ کہاں سے الٹے پھرے جا رہے ہیں۔

سورۃ زخرف میں فرمایا: وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (زخرف:87)

اور اگر آپ ان مشرکین سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقینا یہ جواب میں کہیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کہاں سے الٹے پھرے جا رہے ہیں۔

سورۃ نمل میں ارشاد ہوا: أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ (نمل:60)

بھلا بتاؤ کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا، کس نے آسمان سے بارش

رسائی پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیئے؟ ان باغوں کے درخت تم ہرگز نہ اگا سکتے (پھل اور پھول لانا اور بارآور کرنا تو دور کی بات ہے) کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے بلکہ یہ مشرکین اوروں کو اللہ کا ہمسر بناتے ہیں۔

آگے آیت 64 میں ارشاد فرمایا: اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۔۔۔ بھلا کون ہے؟ جو مخلوق کو پہلی مرتبہ بناتا ہے پھر وہ (قیامت) کے دن اسے لوٹائے گا۔

مشرکین و کفار تو رہے اپنی جگہ ابلیس لعین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ ہر ایک کا خالق صرف اللہ ہی ہے۔ اللہ رب العزت نے جب اس سے پوچھا کہ میرے حکم کے باوجود تو نے آدم علیہ السلام کے سامنے سر کیوں نہیں جھکایا؟ جواب میں اس نے کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۔۔۔ میں آدم سے بہتر ہوں ۔۔۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (اعراف آیت 12) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے خاک سے پیدا کیا ہے۔

احسن الخالقین

قرآن مجید میں دو جگہوں پر اللہ رب العزت نے اپنے آپ کو احسن الخالقین فرمایا ہے، جس کا معنی ہے سب سے بہتر بنانے والا ۔۔۔ یہاں خالقین صانعین کے معنی میں ہے جو خاص خاص مقداروں میں مختلف اشیاء کو جوڑ کر کوئی ایک چیز تیار کرتے ہیں جسے صنعت گر اور کاریگر کہا جاتا ہے ۔۔۔ معنی یہ ہوا کہ ان تمام صنعت گروں میں اللہ جیسا صنعت گر کوئی ہو سکتا ہے؟ جو اس طرح کی صنعت کاری اور کاریگری کا نمونہ پیش کر سکے جو اللہ رب العزت نے انسانی پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے، اللہ رب العزت نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں وہ سب کی سب لَا عَلٰی مِثَالٍ سَبَقَ ۔۔۔ کے قانون کے تحت پیدا کی ہیں یعنی جن کی پہلے کوئی مثال نہیں، کوئی نمونہ نہیں اور کاریگر جو اشیاء بناتا ہے وہ جن چیزوں کو جوڑ کر بناتا ہے کیا وہ چیزیں بھی اس کاریگر کی بنائی ہوئی ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی ہی میں ہوگا ۔۔۔ تو پھر کاریگر جو کچھ بناتا ہے وہ تخلیق نہیں بلکہ ترکیب و تالیف ہوتی ہے جیسے لوہے سے انجن، آبدوزیں اور ہوائی جہاز بنا لیتا ہے یہ سب کچھ اللہ

کے پیدا کیے ہوئے مادوں کو جمع کر کے وہ ترکیب دے دیتا ہے۔

آج کل ترقی کے اس عروج کے دور میں جو طرح طرح کی ایجادات ہو رہی ہیں جنہیں دیکھ کر انسانی عقل حیرت زدہ اور دنگ رہ جاتی ہے۔۔۔ ایک لمحہ کے لیے غور تو فرمایئے! جس ہستی نے اتنے بے شمار اور لاتعداد مجازی تخلیق کار پیدا کر دیئے وہ خود کتنا بڑا خلاق ہو گا۔۔۔ اگرچہ صانعین ان گنت ہیں مگر خلاق ایک ہی ہے جو احسن الخالقین ہے۔

سورۃ المومنون میں اس نے اپنی خلاقیت کو یوں بیان فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ (12) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (13) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (مومنون: 12.13.14)

یقیناً ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ جگہ (رحم مادر میں) ٹھہرایا پھر اس بوند کو جما ہوا خون بنایا پھر اس خون کے لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی بنائی پھر گوشت کی بوٹی میں ہڈیاں پیدا کر دیں پھر ان ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنایا پھر اسے ایک نئی صورت میں (رحم مادر سے باہر لا کر) اسے اٹھا کھڑا کیا برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

سورۃ صافات میں اللہ تعالیٰ کی صفت احسن الخالقین کا تذکرہ اس طرح ہوا۔۔۔

سیدنا الیاس علیہ السلام کو ملک شام کے شہر بعلبک کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا وہ لوگ بعل نامی دیوی اور بت کے پجاری تھے۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ شیطان اس بت میں داخل ہو کر پکارنے والوں سے باتیں کرتا تھا۔۔۔ سیدنا الیاس علیہ السلام نے انہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے ہوئے بعل کی پوجا پاٹ سے منع فرمایا۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ (صافات: 125)

کیا تم بعل کو پکارتے ہو (جو اپنی تخلیق میں تمہارا محتاج تھا) اور سب سے بہتر بنانے والے کو چھوڑ دیتے ہو۔

اس سورت کی تفسیر میں احسن الخالقین کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

یعنی یوں تو دنیا میں آدمی بھی تحلیل وترکیب کر کے بظاہر بہت سی چیزیں بنا لیتے ہیں مگر بہتر بنانے والا وہ ہے جو تمام اصول وفروع، جواہر واعراض اور صفات وموصوفات کا حقیقی خالق ہے۔

احسن الخالقین والی صفت باری تعالیٰ پر میں ایک حدیث بھی آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

امیر المومنین، خلیفہ رابع، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ امام الانبیاء ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے سجدوں میں یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (مسلم، صلوۃ المسافرین)

اے اللہ! میں نے آپ کے لیے سجدہ کیا اور میں آپ پر ایمان لے آیا اور میں آپ کا فرمانبردار ہو گیا میرے چہرے نے اس ذات کے لیے سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور اس کے کان اور آنکھ کو کھولا برکتوں والا ہے اللہ جو سب بنانے والوں سے اچھا بنانے والا (احسن الخالقین) ہے۔

اَلْبَارِئُ، اَلْمُبْدِئُ، اَلْمُعِيْدُ

اَلْبَارِئُ اور اَلْمُبْدِئُ دونوں کا مادہ ایک ہے اور دونوں ہم معنی ہیں۔۔۔۔ کچھ علماء نے ایک نفیس سا فرق دونوں کے درمیان کیا ہے کہ اَلْبَارِئُ وہ ہستی ہے جس نے ہر چیز کا پہلی بار آغاز کیا اور تخلیق کیا اور بغیر کسی نمونے یا مثال کے پہلی بار پیدا کیا۔۔۔ اَلْمُبْدِئُ وہ ذات ہے جو تمام مخلوق کو عدم سے وجود میں لائی

ہے۔۔۔ اَلْمُعِيْدُ وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات کو فنا ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائے گی۔

سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہوا

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (عنکبوت:19.20)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا بیشک یہ (اعادہ کرنا) اللہ پر آسان ہے کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ کس طرح اللہ نے شروع کی پیدائش پھر اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرے گا پچھلی پیدائش بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت ہی خالق اور خلاق ہے جو کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے۔۔۔ اس نے اسباب کے تحت ہر شئی کی تخلیق فرمائی ہے۔۔۔ اور بغیر اسباب کے بھی کچھ تخلیق فرمائی ہے۔۔۔ جیسے ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔۔۔ اماں حوا کو بھی بغیر اسباب کے تخلیق کیا۔۔۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے وجود بخشا۔ جب ہر چیز کا اور ساری کائنات کا خالق صرف وہی ہے تو پھر ساری کائنات کا الٰہ اور معبود بھی صرف اور صرف وہی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر:24)

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں۔۔۔ میرے مولا و مالک کی توفیق شامل حال رہی تو میں اللہ رب العزت کے ایک انتہائی مبارک اور محترم نام اَلْمُصَوِّرُ کا معنی اور تفسیر بیان کروں گا۔ اللہ رب العزت نے اپنے تین ناموں اَلْخَالِقُ، اَلْبَارِئُ اور اَلْمُصَوِّرُ کو ایک ساتھ بیان فرمایا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْخَالِقُ کا مطلب ہے کہ اندازے سے کسی شئ کو بنانا۔۔۔ اَلْخَلْقُ هُوَ التَّقْدِيْرُ۔۔۔ یعنی ہر چیز کے وجود کو مقرر کرنا۔۔۔ اور اَلْبَارِئُ کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو اندازے سے مقرر کر دیا گیا ہو اس کو درست کر کے وجود میں لانا۔۔۔ یعنی انشاء وایجاد۔۔۔ کسی شئ کو عدم سے وجود میں لانا۔۔۔ اور اَلْمُصَوِّرُ کا معنی ہے ہر چیز کو اس کے مناسب حال صورت سے نوازنا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب بھی کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کے تین مدارج ہوتے ہیں۔۔۔ پہلا درجہ اندازہ کرنا دوسرا درجہ وجود بخشنا ہے اور تیسرا درجہ اس چیز کی شکل وصورت اور ہیئت ہے۔ پہلے درجے کے لیے خالق کا لفظ استعمال ہوا۔۔۔ دوسرے درجے کے لیے باری کی صفت اور تیسرے درجے کے لیے مصوّر کا لفظ بولا گیا۔

اللہ رب العزت، خالق ہے یعنی مقرر کرنے والا۔۔۔ اندازہ کرنے والا پھر وہ باری ہے یعنی اس اندازے کو وجود بخشنے والا۔۔۔ اسے جاری اور ظاہر کرنے والا۔

دنیا میں کوئی ایسا نہیں کہ جو تقدیر اور تنفیذ دونوں پر پوری طرح قادر ہو۔۔۔ بہت سے اندازہ مقرر کرنے والے، ترتیب دینے والے ایسے ہیں جو اسے جاری کرنے پر قادر نہیں۔۔۔ تقدیر کے ساتھ تنفیذ (یعنی عمل کرنے، نافذ کرنے) پر بھی قدرت رکھنے والی ذات صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی کی ہے۔ پس خَلق سے مراد تقدیر اور بُرء سے مراد تنفیذ ہے۔۔۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ جس چیز کو جب اور جس طرح کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کُنْ پھر وہ اسی طرح اسی صورت میں اس کی مرضی ومنشاء کے مطابق ہو جاتی ہے۔

اللہ رب العزت کا یہ مبارک نام اَلْمُصَوِّرُ (صورت بنانے والا، مخلوقات کی صورت گری کرنے والا) صرف ایک مرتبہ سورۃ الحشر کی آیت نمبر 24 میں آیا ہے جہاں باقی اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ اسے بھی اللہ رب العزت نے اپنی معبودیت والوہیت پر دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں اس کے علاوہ کسی جگہ پر بھی اللہ کے اس صفاتی نام اَلْمُصَوِّرُ کا تذکرہ نہیں ہوا۔۔۔ مگر کئی جگہوں پر اللہ رب العزت نے اپنی اس صفت گری اور کاریگری کو بیان ضرور فرمایا ہے اور ایک مقام پر اپنی اس صفت صورت گری کو اپنی الوہیت ومعبودیت کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ سورت آل عمران کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے دعویٰ توحید کو پیش فرمایا:

اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۔۔۔ پھر اس دعویٰ پر عقلی دلیل قائم فرمائی اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ

۔۔۔کہ میری عبادت و پکار اس لیے کرو کہ میں ہی ایسا زندہ ہوں جس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور میں ہی ایسا ہوں جو خود بھی قائم ہوں اور پوری کائنات کو تھامنے والا ہوں۔

تیسری آیت میں دعویٰ توحید پر نقلی دلیل پیش فرمائی کہ قرآن سے پہلے اترنے والی تورات اور انجیل میں بھی اسی دعویٰ کو بیان کیا گیا تھا۔۔۔آیت نمبر 4 میں عذاب کا ڈراوا سنانے کے بعد آیت نمبر 5 میں اپنے علم کی وسعت کو بیان فرمایا پھر آیت نمبر 6 میں ارشاد ہوا: هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آل عمران:6)

وہی اللہ ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں بناتا ہے جس طرح چاہتا ہے (دلائل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) اس کے سوا معبود کوئی نہیں وہ غالب ہے حکمت والا۔

سامعین گرامی قدر! یہ بات شاید آپ میں سے اکثر حضرات نہ جانتے ہوں کہ سورۃ آل عمران کی ابتدائی بہت سی آیات کریمہ عیسائیوں کی تردید میں نازل ہوئیں جن کا عقیدہ و نظریہ تھا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام الٰہ اور معبود ہیں، عیسائی ان کی عبادت کرتے، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے اور حاجات میں غائبانہ ان کو پکارتے تھے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت کو بیان فرمایا ہے (یعنی عالم الغیب صرف اللہ) پھر اپنی قدرت و قوت اور صفت کاری کو بیان فرمایا (یعنی متصرف فی الامور، مختار کل) جب یہ دونوں صفتیں میری ہیں تو پھر الٰہ اور معبود بھی صرف اور صرف میں ہی ہوں، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ان صفات کے مالک نہیں ہیں بلکہ وہ خود بطن مادر کی تاریکیوں میں کچھ عرصہ گزار کے آئے ہیں پھر وہ دوسرے بچوں کی طرح کھاتے پیتے رہے اور بول و براز کرتے رہے وہ معبود و مسجود اور ابن اللہ کیسے ہو گئے؟

عیسائیوں کا سوال تھا کہ جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہری باپ کوئی نہیں تو پھر اللہ کے علاوہ کس کو ان کا باپ کہیں؟ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ۔۔۔

میں اس سوال کا جواب بھی ہو گیا۔۔۔ یعنی اللہ قادر وقدیر کو قدرت ہے کہ رحم میں جس طرح چاہے آدمی کا نقشہ اور اس کی صورت بنا دے۔۔۔ خواہ ماں باپ دونوں کے ملاپ سے یا صرف ماں کی قوت منفعلہ سے۔۔۔ بغیر باپ کے ملاپ کے۔۔۔ اسی لیے ساتھ ہی فرمایا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔۔۔ یعنی وہ غالب اور زبردست ہے جس کی قدرت کو کوئی محدود نہیں کر سکتا وہ جو کرنا چاہے اسے روک کوئی نہیں سکتا، اور وہ حکیم ہے جہاں جیسا مناسب سمجھتا ہے وہی کرتا ہے۔۔۔ حواء کو بدوں ماں، عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اور آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا فرماتا ہے پھر اس کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ ۔۔۔ ماں کے رحم میں بچے کی صورت اور تصویر بناتا ہے۔۔۔ اس کی وضاحت تفسیر سورۃ زمر میں اس طرح فرمائی: يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ (زمر:6)

وہی اللہ تمہیں پیدا کرتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں (اس طور پر کہ) وہ تمہیں ایک پر ایک شکل دیئے چلا جاتا ہے تین اندھیروں میں۔

خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ ۔۔۔ ایک پر ایک شکل۔۔۔ ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت یعنی نطفہ سے علقہ پھر علقہ سے مضغہ بنایا پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ جس کے اوپر گوشت کا لباس پہنایا پھر روح پھونک کر انسان بنا دیا۔

فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۔۔۔ تین اندھیروں میں یہ کاریگری فرمائی۔۔۔ ماں کے پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور اس پردے کا اندھیرا جس میں لپیٹ کر ہم بچے کی تصویریں بنا رہے تھے۔ اور یہ سب کچھ اس حیرت انگیز طریقے سے پایۂ تکمیل کو پہنچا کہ جس ماں کے پیٹ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اسے بھی اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

سورۃ المومن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کاریگری و حکمت کو بیان فرمایا اور انسان پر ہونے والے انعامات اور نعمتوں کا تذکرہ فرمایا، ارشاد ہوا: اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ

الْأَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً وَّصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (المومن:64)

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے (نفع کے لیے) زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور کیا ہی اچھی صورتیں بنائیں اور تمہیں عمدہ پاکیزہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں یہی اللہ ہے پروردگار تمہارا پس برکتوں والا ہے اللہ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

اسی حقیقت کو سورت تغابن میں بیان فرمایا: خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (تغابن:3)

اسی اللہ نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین (کی اس عظیم الشان کائنات کو) حق کے ساتھ اور اسی نے صورت گری فرمائی تم سب کی سو کیا ہی عمدہ صورتیں بنائیں تمہاری اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (سب کو)

سورت الانفطار میں تو اللہ رب العزت نے بڑے عجیب انداز میں ناشکرے، عصیان کار اور مشرک انسان کے دل و دماغ پر دستک دی ہے: يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (الانفطار:6)

اے انسان! تجھے کس چیز نے رب کریم سے بہکایا۔

(کہ تو اس کے دروازے کو چھوڑ کر غیر اللہ کے دروازوں پر دستک دینے لگ گیا۔۔۔ اولاد لینے کے لیے کسی آستانے پر۔۔۔ شفا کے لیے کسی دوسرے مزار پر۔۔۔ مقدمہ سے رہائی کے لیے تیسرے دربار پر۔۔۔ غیر اللہ کے دروازوں پر حاجات ومشکلات کے حل کے لیے جانے والے انسان۔۔۔ مجھے ایک بات کا جواب دے کر جا۔۔۔ کہ اپنی پوری زندگی میں ایک لمحہ اور ایک وقت تو ایسا بتا اور دکھا جب تو نے مجھے پکارا ہو اور میں نے جواب نہ دیا ہو۔۔۔ تو نے مانگا ہو اور میں نے عطا نہ کیا ہو۔۔۔ پھر تو تو اچھا

لگتا کہ مولا تو نے تو دیا نہیں اب میں جا رہا ہوں فلاں دربار پر اور فلاں آستانے پر)

بھول گیا ہے ماں کا پیٹ--- اَلَّذِیْ خَلَقَكَ--- میں ہی تھا جس نے ماں کے پیٹ میں اور تین اندھیروں میں پانی کے گندے قطرے پر نقشے جمائے اور اسے ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں بدلا، ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں تبدیل کیا--- کبھی نطفہ، کبھی علقہ، کبھی مضغہ۔

بھول گیا ہے اسی نے تجھے خلق کیا--- نیست سے ہست کیا--- عدم سے وجود میں لایا--- تجھے وجود کی نعمت سے ہمکنار کیا--- فَسَوّٰكَ--- پھر اس نے تجھے ٹھیک ٹھاک کیا--- فَعَدَلَكَ--- پھر تجھے برابر کیا۔

یاد رکھیے اخلق کا معنی ہے کسی چیز کا خاکہ تیار کرنا اور اس کو بنانا اور پیدا کرنا اور سوّیٰ--- تسویہ سے مراد ہے اس کی نوک پلک سنوارنا اور اس کو درست کرنا اور درجہ کمال تک پہنچانا اور عدل سے اس کی اعتدال اور توازن کی طرف اشارہ فرمایا کہ انسان اپنی ظاہری شکل وصورت، قدوقامت، خدوخال اور اپنی روحانی ومعنوی صلاحیتوں اور قوتوں کے اعتبار سے پوری مخلوق میں نقطۂ اعتدال پر ہے۔ یا مفہوم یہ ہے کہ اللہ ہی نے ایک حقیر نطفے سے تجھے پیدا کیا--- فَسَوّٰكَ--- تجھے کامل انسان بنا دیا تو سنتا، دیکھتا ہے اور عقل وفہم اور شعور کی دولت سے مالا مال ہے--- فَعَدَلَكَ--- تجھے معتدل بنایا--- تیرے اعضا کو برابر بنایا--- تیری دونوں آنکھیں--- تیرے دونوں کان--- تیرے دونوں ہاتھ اور تیرے دونوں پیروں کو برابر بنایا--- اگر تیرے ان اعضا میں برابری اور اتنی نفیس مناسبت نہ ہوتی تو تیرے جسم اور وجود میں حسن کی بجائے بدصورتی اور بے ڈھباپن نظر آتا۔

اپنی اسی شاہکار تخلیق کو سورۃ التین میں بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا اور چار قسموں کے بعد ارشاد ہوا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِیْ أَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔۔۔اس کی تخلیق اور ساخت کس قدر عمدہ ہے۔

اللہ رب العزت نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا فرمایا کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت اور سیدھا بنایا جو اپنے ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے پھر اس کے تمام اعضا کو انتہائی تناسب کے ساتھ بنایا۔۔۔جس کے جسم میں معمولی سے بے ڈھنگا پن نہیں ہے۔انسان کے ہر اہم عضو دو دو بنائے اور ان کے مابین مناسب فاصلہ رکھا، پھر اس میں عقل وفہم، تدبر وحکمت، سمع وبصر اور شعور کی قوتیں رکھیں۔۔۔ان تمام چیزوں کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

سورۃ الانفطار میں انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کو ذکر کر کے فرمایا: فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ (الانفطار:8)

جس شکل میں چاہا اس نے تجھے جوڑ کر تیار کر دیا۔

مفسرین نے اس کا ایک مفہوم یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں کے رحم میں پلنے والے بچے کو جس کے مشابہ بنانا چاہے اس کی مرضی ہے، کوئی بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے کوئی چچا کے اور کوئی اپنے ماموں کے۔

ایک مفہوم یہ بھی بیان ہوا کہ اللہ رب العزت جس شکل میں چاہے ڈھال دے۔۔۔خوبصورت بنائے اس کی مرضی، قبول صورت بنائے اس کی مرضی، بدصورت بنائے اس کی مرضی، سالم الاعضا یا ناقص الاعضا بنائے، کسی کو گورا کسی کو سانولا اور کسی کو کالا بنائے اس کی مرضی، لڑکا بنائے یا لڑکی۔

بعض مفسرین نے یہ مفہوم بیان فرمایا کہ وہ چاہتا تو تجھے گدھے، کتے اور خنزیر کی شکل وصورت میں بدل دیتا۔۔۔مگر باوجود اس قدرت وطاقت کے محض اپنے فضل وکرم اور لطف وعنایت سے انسانی صورت میں (جو احسن تقویم ہے) رکھا ایسے قادر اور مہربان مالک

کو چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر حاجات کے لیے جانا کیا تجھے زیب دیتا ہے؟

ایک مفہوم اس آیت کا مفسرین نے یہ نقل فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کی
صورت میں دوسروں سے تفاوت اور فرق رکھا، ہر آدمی کو الگ صورت، الگ روپ اور رنگ
بخشا۔

اللہ رب العزت کی قدرت وطاقت اور صفت گری پر غور فرمائیے! نسل انسانی کے پہلے
فرد ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنے لوگ دنیا میں آئے ہیں سب کی
صورتیں اور شکلیں جدا جدا ہیں۔۔۔آٹھ نو انچ کا چہرہ اس پر دو آنکھیں۔۔۔دو کان۔۔۔
دو ہونٹ۔۔۔ٹھوڑی اور رخسار۔۔۔ناک اور دو نتھنے۔۔۔ہر شخص کو یہ چیزیں عطا فرمائیں
مگر ایک کی صورت دوسرے سے ملنے نہیں دی۔ اللہ رب العزت کے خزانوں میں کتنی
صورتیں اور تصویریں ہیں جو قیامت کی صبح تک ختم نہیں ہوں گی۔۔۔یقیناً سچ کہا ہے قرآن
مجید نے: وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (الحجر 14)
اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس
کے مقررہ اندازے سے اتارتے ہیں۔

دنیا کے آغاز اور ابتداء سے لے کر آج تک کتنے لاتعداد اور بے شمار انسان پیدا
ہوئے۔۔۔مگر آپ کو کوئی دو آدمی ایسے نہیں ملیں گے جن کی شکل وصورت، چہرہ کے
خدوخال، نین نقش بالکل یکساں اور ایک جیسے ہوں۔۔۔ سگے بھائیوں اور سگی بہنوں کی
صورتوں میں بھی اتنا فرق ضرور رکھا کہ پہچاننے والا آسانی کے ساتھ انہیں پہچان لے۔۔۔
اگر دو بھائیوں کی صورت میں بھی معمولی فرق نہ ہوتا تو والدین کے لیے کتنی مشکلات ہوتیں
پھر اسکول وکالج اور مدارس کے اساتذہ کے لیے کتنے مسائل ہوتے۔۔۔ پھر دفاتر میں کام
کرنے والوں کے لیے کتنی پریشانی ہوتی۔۔۔ایک بھائی کی جگہ دوسرا امتحان کے کمرے
میں بیٹھ جاتا، ایک کی جگہ دوسرا عدالت میں پیش ہوتا، ایک کی جگہ دوسرا انٹرویو میں شریک

ہوتا۔۔۔آج دو جڑواں بھائی یا دو جڑواں بہنیں جن کی شکل وصورت بہت ملتی جلتی ہو وہ کسی تعلیمی ادارے میں داخل ہو جائیں تو ٹیچروں کو پہچان مشکل ہو جاتی ہے اور وہ اس مشکل میں پھنس جاتے ہیں کہ تم عبداللہ ہو یا عبدالرحمن، تم عائشہ ہو یا اسماء۔

شکل وصورت، خدوخال اور نین نقش اس میں یکسانیت اور مماثلت نہیں آنے دی بلکہ انسانوں میں دو آدمی آپ کو ایسے نہیں ملیں گے کہ جن کا لب ولہجہ، طرز تکلم، بولنے کا انداز اور آواز، رنگ وروپ ایک جیسا ہو۔۔۔ ہر شخص کے چلنے کا انداز مختلف ہے، بیٹھنے کا انداز مختلف ہے، دیکھنے کا انداز مختلف ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن نے یوں بیان فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ (الروم:22)

اور اللہ کی قدرت کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی زمین وآسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی ہے دانشمندوں کے لیے اس میں یقیناً بڑی عبرتیں ہیں۔

سامعین گرامی قدر! دنیا میں اتنی زبانوں کا پیدا کر دینا بھی اللہ رب العزت کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، کوئی عربی بول رہا ہے اور کوئی فارسی۔۔۔ کوئی ترکی زبان میں کلام کر رہا ہے اور کوئی اردو میں۔۔۔ کسی کی زبان انگریزی ہے اور کسی کی ہندی۔۔۔ کوئی پشتو بول رہا ہے اور کوئی سندھی میں محو کلام ہے۔ پھر لطف یہ کہ ایک ہی زبان کے مختلف لہجے اور ادائیگی ہے۔۔۔ ایک آدمی ہزاروں کے اجتماع میں اپنی زبان اور طرز کلام اور لہجے سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ آدمی پاکستانی ہے۔۔۔ پھر پاکستان میں بھی پنجاب سے اس کا تعلق ہے پھر پنجاب کے بھی فلاں علاقے کا باشندہ ہے۔

آپ پنجابی زبان کو دیکھیں۔۔۔ میانوالی کی پنجابی اور ہے، سرگودھا کی اور، فیصل آباد کی اور، لاہور کی اور، جھنگ کے علاقے کا رہائشی پنجابی بولتے ہوئے اپنے مخصوص

لہجے سے فوراً پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی ماں باپ (آدم وحواء علیہما السلام) سے ہونے کے باوجود ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف ہے۔۔۔ کوئی سفید ہے، کوئی سانولا ہے، کوئی کالا ہے اور کوئی شاہ کالا، کوئی نیلگوں ہے اور کوئی گندمی۔۔۔ پھر گورے اور کالے رنگ میں اتنے درجات رکھ دیئے ہیں کہ انسان دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کا مشاہدہ نہیں ہے کہ ایک ہی ماں باپ کے خون سے جنم لینے والے بچوں کے رنگوں میں فرق ہوتا ہے۔۔۔ ان کے بات کرنے کے لہجے میں فرق ہوتا ہے، ان کی عادات وخصائل میں فرق ہوتا ہے، ان کے مزاج اور طبائع مختلف ہوتے ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں تحریر فرمایا:

انسان کی زبان اور حلقوم بالکل ایک ہی طرح ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسی ممتاز ہے کہ بچے بوڑھے، عورت، مرد کی آوازیں الگ پہچانی جاتی ہیں اور ہر انسان کی آواز الگ الگ پہچانی جاتی ہے، اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے پورے ہیں کہ ان کے اوپر جو نقش ونگار اور خطوط جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے صرف آدھ انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے اور قدیم وجدید ہر زمانے میں انگوٹھے کے نشان کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے میں ہی نہیں بلکہ ہر انگلی کے پورے کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔ (معارف القرآن ص: 264 جلد: 8)

علامہ عبدالصمد الازہری نے کتنی خوبصورت بات کہی:

ہر مصور تصویر بنانے میں دیوار یا پردہ، لکڑی، کینوس، رنگ وروغن، برش یا قلم،

روشنی اور کیمرے کا محتاج ہوتا ہے کوئی مصور اندھیرے میں تصویر نہیں بنا سکتا اور پانی پر وہ صورت گری اور نقش ونگار نہیں بنا سکتا، مگر مصور حقیقی نے تین اندھیروں میں انسان کی صورت بنائی اور کمال ہے کہ پانی پر بنائی ہے کہ وہاں دیوار ہے نہ پردہ، نہ لکڑی نہ کینوس، نہ رنگ وروغن نہ برش نہ قلم، نہ روشنی نہ آج کل کے جدید کیمرے، عموماً تصویر خواہ کپڑے پر بنائی گئی ہو یا کاغذ پر وہ پانی اور نمی سے بگڑتی ہے مگر اَلْمُصَوِّرُ کی بنائی ہوئی تصوریں پانی لگنے سے بگڑتی نہیں نکھرتی ہیں، میل کچیل، گرد وغبار دھل جاتا ہے اور چاند سا مکھڑا نکل آتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کی مصوری اور کاریگری پر قربان جاؤں۔۔۔ پہاڑوں کا رخ کیجیے! اور وہاں قدرتی مناظر دیکھیے! چشمے ابل رہے ہیں، آبشاریں اور جھیلیں کس قدر حسن ورعنائی سے بھری ہوئی ہیں کہ دستِ قدرت پر نثار ہونے کو جی چاہتا ہے۔

کالام، وادیٔ کاغان اور ناران، بحرین اور مدین کو دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ جگہیں پریوں کا مسکن ہیں۔۔۔ پہاڑوں پر سرو قد سرسبز وشاداب درخت دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔۔۔ کشادہ پہاڑوں پر گھنا سبزہ اور چھوٹی چھوٹی بوٹیاں دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ قدرت نے پھولوں بھرا سبز قالین بچھا دیا ہے۔ سرد موسم میں سرد علاقوں کے پہاڑوں پر برف باری۔۔۔ یوں لگتا ہے کسی نے پہاڑوں پر چاندی بکھیر دی ہو۔

اللہ رب العزت جو اَلْمُصَوِّرُ ہے ایک عظیم نقاش بھی ہے جس نے پتھروں، پودوں، پھولوں، پھلوں، تتلیوں، جانوروں، حشرات الارض، پرندوں پر طرح طرح کے نقش ونگار بنا دیے ہیں۔ پھر ان میں بڑے مناسب اور موزوں رنگ بھرے ہیں۔۔۔ آڑو کو دیکھیے کہ رنگوں کی کیسی آمیزش کی ہے۔۔۔ کیلے پر کیسی نقش نگاری ہوئی ہے۔۔۔ ہدہد کو دیکھیے اور اس کی خوبصورتی کو دیکھتے رہ جائیے۔۔۔ سانپ اور تتلیوں پر اس کی کاریگری دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔۔۔ بعض پرندوں پر اَلْمُصَوِّرُ نے ایسی نقش

ونگاری فرمائی ہے اور اپنی ایسی قدرت دکھائی ہے کہ ایک ہی پَر کہیں سے کالا ہے، کہیں سے سبز اور کہیں سے لال ہے۔۔۔ پھر یہ سب رنگ مل کر ایک خوشنما اور دل موہ لینے والا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

جس شخص کا قلبی تعلق اَلْمُصَوِّر سے جڑ جائے تو وہ یقیناً اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ جس ذات نے تین اندھیروں کے اندر پانی کے حقیر قطرے پر انسان کی اتنی خوبصورت اور مناسب شکل بنائی ہے اور جس ذات نے کسی آدمی کی شکل کو دوسرے آدمی کی شکل سے ملنے نہیں دیا، اور جس ذات نے کائنات کی اشیاء پر صورت گری اور نقش ونگاری کی ہے۔۔۔ عبادت و پکار کے لائق بھی وہی ہے۔۔۔ اس پوری کائنات کا الٰہ اور معبود بھی صرف وہی ہے۔۔۔ اپنا سر اسی اَلْمُصَوِّر کے آگے جھکانا چاہیے اور نذر و نیاز بھی اسی اَلْمُصَوِّر کے نام کی دینی چاہیے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (سورۃ الزمر:53)

وقال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر: اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (زمر:5)

سامعین گرامی قدر! آج خطبۂ جمعۃ المبارک میں اللہ رب العزت کے ایک خوبصورت اور حسین نام اَلْغَفَّارُ، اَلْغَفُوْرُ، اَلْعَفُوُّ، اَلْغَافِرُ کی تشریح اور تفسیر کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے اور اس بات میں رتی برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اولادِ آدم کا ہر فرد خطاو عصیان کا پُتلا ہے اور اس سے گناہوں، غلطیوں اور خطاؤں کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی ہستیوں کو چھوڑ کر۔۔۔ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، عالم ہو یا جاہل، پیر ہو یا مرید، امام ہو یا مقتدی، استاذ ہو یا شاگرد۔۔۔ کوئی عابد ہو، زاہد ہو، مفسر ہو، محدث ہو یا تہجد گزار اور شب زندہ دار ہو۔۔۔ غرضیکہ ہر انسان سے گناہوں کا صدور ہوتا رہتا ہے۔

اگر کوئی انسان اس بات کا دعویدار ہے کہ اس سے کبھی کوئی غلطی اور گناہ صادر نہیں

ہوتا، یا وہ کسی بھی انسان کو معصوم عن الخطاء والعصیان سمجھتا ہے تو گویا کہ وہ خود فرشتہ ہونے کا مدعی ہے اور اس انسان کو بھی فرشتہ سمجھ رہا ہے۔ اگر وہ انسان ہے اور آدم کی اولاد ہے تو پھر اس سے گناہوں کا صدور بھی ہوگا، قصور بھی ہوں گے اور وہ خطاؤں کا ارتکاب کرے گا۔

کیونکہ امام الانبیاء، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ (مشکوۃ ص:204)

اولادِ آدم کا ہر فرد خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہوتے ہیں جو خطا اور گناہ کر کے اللہ کے حضور توبہ کرتے اور معافی مانگتے ہیں۔

امام الانبیاء، سید الکائنات ﷺ کا ایک اور ارشادِ گرامی بھی سن لیجیے۔

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ (مشکوۃ:203، مسلم: جلد:2 ص:355)

مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور تمہاری جگہ ایسے لوگ لے کر آئے جو گناہوں کا ارتکاب کریں اور پھر صدقِ دل سے مغفرت اور معافی طلب کریں اور اللہ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے۔

سامعین گرامی قدر! اَلْغَفَّارُ کا مادہ غفر ہے جس کا معنی آتا ہے ڈھانپنا۔۔۔ عرب کے لوگ کہتے ہیں غَفَرَ الْمَتَاعَ فِي الْوِعَاءِ۔۔۔ اس نے کپڑے صندوق میں رکھ دیئے۔۔۔ غَفَرَ الشَّيْبَ بِالْخِضَابِ۔۔۔ اس نے سفید بالوں کو خضاب سے چھپا دیا۔ چھپا دینے کا مفہوم یہ ہے کہ ہم گندی اور قابل نفرت چیزوں پر مٹی ڈال دیتے ہیں اور اللہ رب العزت انسانوں کے گناہوں والی گندگیوں اور آلودگیوں کو اپنی رحمت و بخشش سے دور فرما دیتا ہے۔ اسی مصدر سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام اَلْغَفَّارُ بھی آتا ہے اور قرآن مجید میں اللہ رب العزت کے لیے غَافِرُ الذَّنْبِ۔۔۔ گناہ بخشنے والا کے الفاظ بھی استعمال

ہوئے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (النجم:32)۔۔۔ یقیناً تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے۔۔۔ میں بھی اللہ کی بخشش و مغفرت کا تذکرہ ہے۔

سورت الاعراف کی آیت نمبر 155 میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ۔۔۔ یعنی تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

سورت المدثر کی آیت نمبر 56 میں هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۔۔۔ یعنی وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشنے کے لائق، کے جملے استعمال ہوئے ہیں۔

سورت المدثر کی اس آیت کی تشریح میں امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

قَالَ رَبُّكُمْ اَنَا اَهْلٌ اَنْ اُتَّقٰى فَلَا يُشْرَكُ بِيْ شَيْئًا فَاِذَا اتَّقَانِي الْعَبْدُ فَاَنَا اَهْلٌ اَنْ اَغْفِرَ لَهٗ (تفسیر عثمانی)

یعنی میں اس لائق ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے پھر جب بندہ مجھ سے ڈرا (اور شرک سے پاک ہوا) تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کے گناہوں کو معاف فرما دوں۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْغَفَّارُ کا معنی کیا ہے:

اَلْغَفَّارُ وہ ہستی ہے جو اپنے بندوں کے عیبوں اور گناہوں پر دنیا میں پردہ ڈالے رکھتی ہے اور آخرت میں ان کو سزا دینے سے درگذر فرماتی ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی اس صفت کو قرآن مجید میں کئی مقامات پر مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ سورت زمر میں ارشاد ہوا:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (زمر:53)

کہہ دیجیے اے میرے بندو! جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنے اوپر زیادتی کی

ہے اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو، بیشک اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے (کیونکہ) وہی ہے گناہ معاف کرنے والا بڑا مہربان۔

سامعین گرامی قدر! یہاں گناہگار آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کے انداز تخاطب پر غور فرمایئے! بیٹا باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرے تو باپ اسے پیارے پیارے القاب کے ساتھ بلاتا ہے مثلاً میرے بیٹے، میرے لال، میرے پیارے، میرے چاند۔۔۔۔ مگر نافرمانی اور حکم عدولی کے وقت والد بیٹے کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ سخت لہجے میں بلاتا ہے او بے غیرت، نمک حرام، بے حیا۔

یہاں گناہگاروں سے خطاب ہو رہا ہے مگر اس طرح نہیں اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔۔۔ او مجرمو! اَيُّهَا الْمُذْنِبُوْنَ۔۔۔ او گناہگارو! اور میری نافرمانی اور حکم عدولی کرنے والے نمک حرامو! نہیں اس طرح خطاب نہیں فرمایا بلکہ فرمایا يٰعِبَادِيَ۔۔۔ گناہ کے مرتکب ہو کر اپنے آپ پر ظلم وزیادتی کرنے والے میرے بندو!

سورت النساء میں ارشاد ہوا: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء:110)

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے (گناہ کر کے) پھر اللہ سے بخشش طلب کرے تو وہ اللہ کو معاف کرنے والا مہربانی کرنے والا پائے گا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کس قدر زیادتیاں سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیں، بڑے طویل عرصہ کے بعد جب سیدنا یوسف علیہ السلام مصر کے وزیر خزانہ کے منصب پر فائز ہو گئے اور بھائی غلہ لینے کے لیے مصر پہنچے پھر انہوں نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو بلایا اور اللہ کے تجویز کردہ ایک حیلے اور تدبیر سے بنیامین کو اپنے ہاں روک لیا اور پھر بھائیوں پر اپنا آپ ظاہر فرمایا، بھائی کرتہ لے کر والد گرامی قدر کی خدمت میں پہنچے، سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی تو ان سے بیٹوں نے درخواست کی یا اَبَانَا

اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا۔۔۔ بابا ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی اپنے پروردگار سے بخشش مانگیے، سیدنا یعقوب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔۔۔ عنقریب میں تمہارے لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا یقیناً وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ رب العزت نے استغفار کرنے کا اور گناہوں سے معافی طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔۔۔ امام الانبیاء ﷺ نے بھی بارہا استغفار کرنے کا حکم فرمایا ہے، آپ خود بھی باوجود اس کے کہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے پاک اور معصوم ہیں دن میں سو مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے۔

نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں

اللہ رب العزت ایسا غفور اور غفار ہے کہ بعض گناہوں کو نیکیوں کے ذریعہ مٹا دیتے ہیں۔ سورت ھود میں ارشاد ہوا: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود:114)

یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

سیدنا ابن عباس، سیدنا ابن مسعود، سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور کئی تابعین مفسرین کے ہاں۔۔۔ یہاں حسنات سے مراد پانچ وقت کی نمازیں ہیں یہ نمازیں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ (جامع البیان)

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخت کی ایک خشک شاخ کو پکڑ کر زور سے ہلایا، درخت کے پتے کثرت سے جھڑنے لگے پھر فرمایا جب کوئی مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر پانچ نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح خشک درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں پھر انہوں نے سورت ھود کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (سنن ابو داود، مسند احمد)

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ

جس مسلمان نے اچھی طرح وضو کیا پھر اس نے دو رکعت اس طرح نماز پڑھی کہ اس نماز میں اس نے اپنے آپ سے باتیں نہیں کیں (یعنی دنیاوی باتوں کو سوچنا اور غور وفکر کرنا منع ہے ہاں جو خیالات اور وسوسے خود بخود آجائیں وہ ممنوع نہیں) تو اللہ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ (بخاری و مسلم)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ پانچ نمازیں ادا کرنے والے مسلمان کے گناہ اس طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح ایک شخص دن میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو اس کے بدن سے میل کچیل دور ہو جاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے امام الانبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے ایک عورت سے چھیڑ خانی کی ہے مگر زنا سے محفوظ رہا ہوں آپ مجھ پر شرعی سزا اور حد جاری فرمائیں۔۔۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ نے تیرے اس گناہ پر پردہ ڈال رکھا تھا کاش! تو اس پردے کو اسی طرح رہنے دیتا۔۔۔ مگر امام الانبیاء ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی وہ شخص آپ کی محفل سے چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد آپ نے ایک شخص کو بھیج کر اسے واپس بلایا اور پھر اسے سورت ھود کی یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ حکم اسی شخص کے ساتھ خاص ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ حکم سب لوگوں کے لیے ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر، مسلم کتاب التوبہ)

سبحان اللہ! کیا کہنے رب العالمین کی شان مغفرت و رحمت کے اور کرم و عنایات اور بخشش کے۔۔۔ اور کیا کہنے رحمۃ اللعالمین ﷺ کی پیش فرمودہ تعلیمات مقدسہ و مطہرہ کے۔۔۔ اور کیا کہنے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نفوس قدسیہ کی عظمتوں اور ان کی پاک دامنیوں کے۔۔۔ کہ کیسے ایک شخص بغیر کسی مقدمہ اور دعویٰ کے اور بغیر کسی گواہ اور

نبوت کے۔۔۔اپنے کیے ہوئے جرم کی سزا کے لیے فوراً اور از خود اپنے آپ کو بارگاہِ نبوت کی عدالتِ عالیہ میں پیش کر کے سزا اور حد کی درخواست کرتا ہے۔ اور پھر بارگاہِ نبوت سے اس کو اور اس کے ذریعہ پوری امت کو یہ خوشخبری ملتی ہے کہ اس طرح کے چھوٹے موٹے گناہ نماز، روزہ وغیرہ اعمال صالحہ سے از خود معاف ہو جاتے ہیں۔

دیگر اعمال گناہوں کا کفارہ اگرچہ مفسرین نے سورت ھود کی اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ پانچ وقت کی نمازوں کی ادائیگی گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔۔۔۔۔مگر احادیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ دیگر اعمال صالحہ بھی گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جس نے رمضان کے مہینے کے روزے ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے شب قدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اللہ (کی رضا) کے لیے حج کیا اس نے دورانِ حج جماع کیا اور نہ جماع کی باتیں کیں نہ کوئی گناہ کیا وہ حج کر کے اس طرح لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ (بخاری و مسلم)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حج اور عمرے کو ایک ساتھ ادا کرو کیونکہ یہ دونوں مل کر گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو ختم کر

دیتی ہے۔(نسائی، کنز العمال)

نیکیوں کی طرح بیماری، بخار اور غم وحزن بھی گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔۔۔

امام الانبیاء ﷺ اپنی ایک زوجہ مطہرہ کے حجرے میں تشریف لائے وہ سخت بخار میں مبتلا تھیں اور گھبراہٹ میں بخار کو لعن طعن کر رہی تھیں آپ نے فرمایا بخار کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ بخار تو اولادِ آدم کے گناہوں کو اس طرح دھو دیتا ہے جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہے۔

مراد صغیرہ گناہ ہیں

ایک بات ذہن نشین رکھیئے کہ نیکیوں سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور بیماریوں سے گناہ دُھل جاتے ہیں۔۔۔اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کیونکہ کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔اور توبہ کی تعریف یہ ہے کہ ماضی کے کیے گئے گناہوں پر ندامت وپشیمانی اور آئندہ کے لیے اللہ رب العزت سے اس بات کا وعدہ اور عہد کہ یہ گناہ دوبارہ نہیں کروں گا۔اس طرح توبہ کرنے اور معافی مانگنے سے اللہ رب العزت بندوں کے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے اللہ رب العزت نے اپنے عرش کے اردگرد یہ تحریر فرمایا: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔۔۔میں ہر اس شخص کے لیے غفار ہوں جو ایمان لائے نیک اعمال کرے اور گناہوں سے توبہ کرے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْاِسْتِغْفَارِ فَاَکْثِرُوْا فِیْهِمَا۔۔۔لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کثرت سے پڑھا کرو اور استغفار کو اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ ابلیس کہتا ہے اَهْلَکْتُ

النَّاسَ بِالذُّنُوْبِ۔۔۔ میں نے گناہوں کے ذریعہ لوگوں کو ہلاکت کی گھاٹیوں میں ڈالا
وَاَھْلَکُوْنِیْ بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَالْاِسْتِغْفَارِ۔۔۔ اور انہوں نے کلمۂ توحید کے ورد اور
استغفار کر کے میری کمر توڑ دی۔ (یعنی میں گناہ کروا کے ان کے دلوں کو زنگ آلود اور سیاہ کر
دیتا ہوں اور وہ کلمۂ توحید کا ورد کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں تو اللہ ان کے دلوں کو آئینے
کی طرح صاف کر دیتا ہے)

شیطان نے جب دیکھا کہ لوگ میری ترغیب پر گناہ کرتے ہیں اور گناہ کو گناہ سمجھ
کر کرتے ہیں بعد ازاں شرمندہ ہو کر استغفار کر لیتے ہیں اور اللہ ان کے گناہوں کو معاف
فرما دیتا ہے تو شیطان نے ایک دوسرا حربہ اور کاری وار کیا۔۔۔ کہتا ہے اَھْلَکْتُھُمْ بِالْاَھْوَاءِ وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (ابو یعلیٰ، الجامع الصغیر)

پھر میں نے انہیں ہوائے نفس یعنی بدعات کے ذریعہ ہلاک کر دیا وہ بدعات جیسا
جرم اور گناہ کر کے اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے رہے۔

یہ ابلیس کا بڑا شدید حملہ ہے اور سخت کاری ضرب ہے کہ غیر دین کو دین کے روپ
میں پیش کرتا ہے اور لوگ اسے دین اور ثواب سمجھ کر کرتے رہتے ہیں جب وہ ایک کام
عبادت اور دین سمجھ کر کر رہے ہوں تو پھر اس سے توبہ اور استغفار کس لیے اور کیونکر ممکن ہے؟

اس لیے ہمیں چاہیے کہ دین کے ہر کام میں نبی اکرم ﷺ اور اصحاب رسول
رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسوہ اور طریقہ کو اپنائیں اور دین سمجھ کر اور ثواب کی امید سے
کوئی ایسا کام اور عمل نہ کریں جو امام الانبیاء ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل
سے ثابت نہ ہو۔ اسی طرح کی ایک اور حدیث بھی ہے اسے بھی سماعت فرمالیں۔

امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

ابلیس نے کہا یَا رَبِّ وَعِزَّتِكَ۔۔۔ میرے رب تیری عزت کی قسم ہے میں
اولادِ آدم کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی ارواح ان کے جسموں میں

ہیں۔۔۔جواب میں اللہ نے فرمایا: وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ یَا مَلْعُوْنُ۔۔۔اے لعنتی! مجھے میری عزت اور جلال کی قسم ہے لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَهُمْ مَا دَامُوْا یَسْتَغْفِرُوْنِیْ۔۔۔جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں بھی ان کے گناہوں کو معاف کرتا رہوں گا۔ (در منثور)

ایک بات ذہن میں رہے سامعین گرامی قدر! یہاں ایک حقیقت کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ استغفار اور توبہ سے وہ گناہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو، رہے حقوق العباد۔۔۔ان میں کوتاہی اور زیادتی وہ توبہ اور استغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ جس پر زیادتی کی ہے یا جس کا حق دبایا ہے (مثلاً کم تولنا، کم ماپنا، گاہک کو دھوکہ دے کر سودا بیچنا، رشوت، سود، کسی کی جائیداد و زمین پر قبضہ کرنا، ناجائز طریقوں سے مال کھانا، بجلی چوری کرنا، پانی ناجائز طریقوں سے زمین کو لگانا، چوری وڈاکہ زنی، تجارت کے مال میں ملاوٹ کرنا، قرضہ لے کر واپس نہ کرنا، یتیموں کا مال ہڑپ کرنا، کسی غریب و نادار پر ظلم و زیادتی کرنا وغیرہ) اس سے معاف کروائے۔

اگر بغیر توبہ کے مر گیا اگر کوئی شخص بغیر استغفار کیے اور بغیر توبہ کے مر گیا تو اگر اللہ کی رحمت و مغفرت متوجہ ہو جائے تو آخرت میں ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا۔۔۔مگر شرک ایک ایسا غلیظ اور منحوس گناہ ہے جسے اللہ رب العزت کسی صورت میں بھی معاف نہیں فرمائے گا۔ سورت النساء میں ارشاد ہوا: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيْمًا (النساء:48)

یقیناً اللہ معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور شرک کے علاوہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا (کیونکہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے وہ گناہ عظیم کا ارتکاب کرتا ہے۔

ایک لمحہ کے لیے غور فرمایئے! شرک کو ایسا سنگین اور منحوس اور خطرناک جرم کیوں

قرار دیا؟ کیا شریک بنانے سے اللہ کی شان کم ہو جاتی ہے؟ اس لیے وہ شرک کے مرتکب کو بخشتا ہی نہیں؟ یقین جانیے ساری کائنات اور پوری دنیا کے لوگ مشرک ہو جائیں تو رب کی شان میں رائی کے دانے کے برابر کمی واقع نہیں ہوتی اور دنیا کے سب لوگ موحّد اور توحیدی بن جائیں تو اس کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا کر انسان اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، اللہ رب العزت نے انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کے شرف سے نوازا، اسے احسن تقویم ہونے کے شرف سے نوازا اور زمین و آسمان اور ما بینہما کی ہر شئی انسان کے نفع کے لیے پیدا کی۔ پھر اتنے شرف و عظمت کے ہوتے ہوئے وہ کبھی بے جان مورتیوں کے آگے، کبھی سورج، چاند اور ستاروں کے آگے، کبھی گائے اور گھوڑے کے آگے یا کبھی قبروں اور مزاروں کے آگے عبودیت کی ذلت اختیار کرتا ہے تو وہ خود اپنے آپ کو اس عظیم اور اعلیٰ مرتبہ سے نیچے گرا دیتا ہے۔۔۔ سچی بات یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا درحقیقت انسانیت کی تذلیل ہے۔

شرک صرف جرم نہیں ہے بلکہ بغاوت ہے اور حکومتیں سنگین سے سنگین جرم کرنے والے کے لیے عفو و درگزر کا دروازہ کھلا رکھتی ہیں مگر علمِ بغاوت بلند کرنے والا گردن زنی ہوتا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ اسی حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان فرمایا، سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے امام الانبیاء ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا۔۔۔ اے آدم کے بیٹے اگر تو مجھے اس حال میں ملے کہ تیرے ساتھ زمین بھر گناہ ہوں۔۔۔ ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا۔ مگر ان گناہوں میں شرک والا گناہ نہ ہو۔۔۔ لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً۔۔۔ تو میں زمین بھر کی بخشش و مغفرت کے ساتھ تجھ سے ملوں گا۔ (ترمذی:194/2)

استغفار ہر تنگی کا علاج

امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ۔۔۔ جس شخص نے استغفار کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔۔۔ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجاً وَّرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔۔۔ اللہ اس کے لیے ہر تنگی اور مشکل سے نکلنے کا راستہ بنائے گا اور اسے ایسی جگہ سے روزی فراہم کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی ہیں ان سے ایک شخص نے اپنی تنگدستی کی شکایت کی انہوں نے فرمایا استغفار کرو، ایک دوسرے شخص نے کہا کہ میرے ہاں اولاد نہیں ہے۔۔۔ اسے بھی استغفار کرنے کا کہا۔ ایک تیرے شخص نے قحط سالی کا رونا رویا تو اسے بھی استغفار کرنے کی ترغیب فرمائی۔ شاگرد نے یہ سب کچھ سن کر عرض کی کہ آپ نے تینوں کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور تلقین فرمائی؟ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے وہی کچھ کہا اور بتایا جو سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ أَنْهٰرًا (نوح:12-11-10)

میں نے اپنی قوم سے کہا مغفرت اور بخشش طلب کرو اپنے رب سے یقیناً وہ ہے بہت بخشنے والا۔ چھوڑ دے گا آسمان کو تم پر لگاتار برسنے والا اور تمہارے مال اور بیٹوں کو بڑھا دے گا اور تمہارے لیے باغ اور نہریں بنا دے گا۔

استغفار کی اہمیت

امام الانبیاء ﷺ خود دن میں سو مرتبہ استغفار فرماتے تھے۔ (مسلم)

اللہ رب العزت نے آپ کو حکم دیا: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (النصر:3)

پس آپ اپنے رب کی تسبیح اور تعریف کریں اور اس سے مغفرت طلب فرمائیں۔

ایک حدیث میں ہے:

طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا (ابن ماجہ، باب الاستغفار)

خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے (قیامت کے دن) اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پایا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا:

عَلِّمْنِيْ دُعَاءً اَدْعُوْا بِهٖ فِيْ صَلَاتِيْ۔۔۔ یارسول اللہ! مجھ کو ایسی دعا بتلایئے جس کو میں نماز میں پڑھوں، آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔۔۔ اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں ہے تو اپنی مہربانی سے میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور مجھ پر رحم فرما یقیناً تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑانا، رونا اور پشیمان ہونا، معافیاں طلب کرنا اور استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ بندے کے رونے، آنسو بہانے اور گڑگڑانے کی آوازاسے سبحان اللہ، سبحان اللہ کی تسبیحات سے زیادہ محبوب ہے۔۔۔ ایک حدیث قدسی ہے:

لَاَنِيْنُ الْمُذْنِبِيْنَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِيْنَ (روح المعانی: 15/351)

گناہگاروں کا رونا مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی آوازوں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اَلْغَافِرُ اللہ رب العزت کا ایک نام اَلْغَافِرُ بھی قرآن میں آیا ہے۔

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ (المومن: 3)

گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا۔

اَلْعَفُوُّ اَلْغَفَّارُ، اَلْغَفُوْرُ، اَلْغَافِرُ سے ملتا جلتا ایک نام اللہ رب العزت کا اَلْعَفُوُّ بھی

قرآن میں آیا ہے۔ سورت الحج کی آیت نمبر 60 میں ہے ---اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ---
بیشک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔
ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا:
اِنْ عَلِمْتُ اَیُّ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْھَا ---اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کونسی رات ہے تو میں اس میں کونسی دعا پڑھوں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ ---یا اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے لہٰذا مجھے معاف فرمادے۔ (ترمذی، الدعوات)
مشہور صحابی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اَیُّ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ---کونسی دعا افضل ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: سَلْ رَبَّكَ الْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ---اپنے رب سے دنیا و آخرت میں عافیت اور معافی مانگا کرو، وہ شخص دوسرے دن پھر آیا اور وہی سوال کیا آپ نے وہی جواب دیا، وہ تیسرے دن پھر حاضر ہوا اور وہی سوال دہرایا آپ نے فرمایا: فَاِذَا اُعْطِیْتَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَاُعْطِیْتَھَا فِی الْاٰخِرَۃِ فَقَدْ اَفْلَحْتَ---اگر تجھے دنیا و آخرت میں عافیت اور معافی عطا ہو جائے (تو تجھے اور کیا چاہیے) تو پھر تو کامیاب ہو گیا۔ (ترمذی)
سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا وہ فرمارہے تھے:

لَمْ تُؤْتُوْا شَیْئًا بَعْدَ كَلِمَۃِ الْاِخْلَاصِ مِثْلَ الْعَافِیَۃِ فَسَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ (مستدرک حاکم جلد: 1 ص: 4)
کلمہ اخلاص کی دولت کے بعد عافیت کی طرح کی کوئی چیز (بندوں کو) عطا نہیں

کی گئی لہٰذا اللہ سے عافیت مانگا کرو۔

استغفار کے مختلف الفاظ انسان خطاؤں کا پتلا ہے وہ دن میں بہت گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے، شریعت نے اسے معافی مانگنے، توبہ کرنے اور استغفار کا حکم دیا ہے۔۔۔ امام الانبیاء ﷺ نے استغفار کے مختلف الفاظ امت کو سکھائے بلکہ انہیں مختلف مواقع پر خود پڑھا بھی، ہم سب کو چاہیے کہ کثرت کے ساتھ استغفار کے ان الفاظ کو ورد زبان بنالیں۔ سب سے جامع اور مختصر الفاظ یہ ہیں:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ اَذْنَبْتُهٗ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

میں اپنے اللہ سے جو میرا پالنہار ہے اپنے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس سے مختصر الفاظ ہیں: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔۔۔ اور اگر یہ کلمات یاد نہ ہوں تو پھر صرف استغفر اللہ کا ورد کریں۔۔۔ یا وہی دعا پڑھتے رہیں جو نماز کے آخر میں پڑھتے ہیں رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

سید الاستغفار استغفار کے کئی الفاظ اور کلمات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں مگر ان کلمات کو سید الاستغفار کہا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (بخاری جلد:2 ص:933)

اے اللہ! تو میرا پالنہار ہے تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں تو ہی میرا خالق ہے میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے عہد اور وعدہ پر ہوں جتنا مجھ سے ہوسکتا ہے اپنے کرتوتوں کی برائی

سے میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں، تیری نعمتیں جو مجھ پر ہیں مجھے ان کا اقرار ہے اور میں اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں پس تو مجھے معاف فرمادے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا اور کوئی نہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے یہ استغفار والی دعا صبح کے وقت کامل یقین کے ساتھ پڑھی وہ اس دن مرگیا تو جنت میں جائے گا اور جس شخص نے یہ دعا شام کے وقت یقین کامل کے ساتھ پڑھی اور اس رات میں مرگیا تو وہ اہل جنت میں سے ہوگا۔

سامعین گرامی قدر! میں اپنے بیان کو مشہور بزرگ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے ان دعائیہ الفاظ پر ختم کرنا چاہتا ہوں:

اِلٰهِيْ عَبْدُكَ الْعَاصِيْ اَتَاكَ مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاكَ

میرے معبود تیرا گناہگار بندہ تیرے دروازے پر حاضر ہے اپنے گناہوں کا اقراری ہوکر آپ سے دعائیں مانگتا ہے۔

فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاكَ اَهْلٌ وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ يَّرْحَمْ سِوَاكَ

اگر تو مجھے معاف کردے تو یہ تیری شان کے مطابق ہے اور اگر تو مجھے اپنے دروازے سے دھتکار دے تو پھر تیرے سوا رحمت کا سایہ کہاں سے نصیب ہوسکتا ہے؟

اللہ رب العزت جو غفار ہے، غفور ہے غافر الذنب ہے، العفو ہے المعافی ہے۔۔۔ جو بار بار معاف کرتا ہے، بندوں کی زیادتیوں سے درگذر کرتا ہے، جو انسانوں کے عیبوں پر پردے ڈالتا ہے، جو لوگوں کے جرموں کی مثلیں اور دفتروں سے گناہوں کے نشانات مٹا دیتا ہے، جو رب ظالم کے مقابلے میں غافر ہے، انسان ظلوم ہوجائے تو غفور ہے اور بندے ظلام بن جائیں تو غفار ہے، جس کی رحمت قیمت نہیں چاہتی بلکہ گناہگاروں کو بخشنے کا بہانہ ڈھونڈتی ہے۔۔۔ اتنے غفور اور غفار رب ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اَلْقَهَّارُ، اَلْقَاهِرُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اِنَّمَا اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (سورت ص:65)

آپ کہیں بیشک میں تو آگاہ کرنے والا ہوں اور اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں جو اکیلا دباؤ اور غلبے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! میں آج کے خطبہ میں اللہ رب العزت کے حسین ناموں میں سے ایک خوبصورت نام اَلْقَهَّارُ کا معنی و مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لیجیے کہ قہر اور قہار کا جو معنی اور تصور اردو زبان میں ہے عربی میں وہ مفہوم نہیں ہے۔ اردو میں قہر کا لفظ عذاب اور غصے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور عربی میں اَلْقَهَّارُ کا معنی ہے۔۔۔ غلبہ پانے والا۔۔۔ قہار وہ ہے جو ہر ایک غالب سے غالب تر ہے اور جو ہر زبردست کو زیردست کرنے والا ہے۔

اَلْقَهَّارُ وہ ہے جو ہر ایک کو اپنے قابو میں رکھنے والا ہے اور جس کے سامنے ہر کوئی مغلوب ہے۔ تمام مخلوق اس کے آگے مسخر اور تابع فرمان، عاجز اور بے بس ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ اور دلائل و حجت کے آگے عاجز آ کر فرعون نے ایک مرتبہ پھر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا ارادہ و اعلان کیا تو تکبر و تعلّی سے کہنے لگا:

وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ (اعراف:127)

ہم بنی اسرائیل کے اوپر غالب اور زور آور ہیں۔

پھر اللہ نے اس کے زور کو توڑا اور اس کے غلبہ و اقتدار کے گھمنڈ کو سمندر میں غرق کر دیا اور دنیا والوں کو بتایا کہ ہر زبردست کو زیر کرنے والا اور ہر غالب کو مغلوب کرنے والا میں ہی ہوں میرے غلبہ و اقتدار کے دائرے سے کوئی نکل کر بھاگ نہیں سکتا۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (الانعام:18)

اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے اور وہی ہے بڑی حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے اور خوب تحریر فرمایا:

هُوَ الَّذِي خَضَعَتْ لَهُ الرِّقَابُ۔۔۔ جس کے آگے سب گردنیں جھک جاتی ہیں۔۔۔ وَذَلَّتْ لَهُ الْجَبَابِرَةُ۔۔۔ اور جس کے سامنے بڑے بڑے جابر تابع دار اور مسخر ہو جاتے ہیں۔۔۔ وَعَنَتْ لَهُ الْوُجُوهُ۔۔۔ اور جس کے سامنے چہرے جھک جاتے ہیں۔۔۔ وَقَهَرَ كُلَّ شَيْءٍ۔۔۔ اور جو ہر چیز پر غالب ہے۔۔۔ وَدَانَتْ لَهُ الْخَلَائِقُ۔۔۔ اور تمام مخلوق جس کی تابع فرمان ہے اور جس کی عظمت، جلال، کبریائی، بلندی و رفعت اور قدرت کی بنا پر تمام خلقت اس کے آگے عاجز، بے بس اور ناتواں ہے۔

اللہ رب العزت کا یہ اسم گرامی قرآن مجید میں چھ جگہوں پر آیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہر جگہ اللہ کے نام الواحد کے ساتھ آیا ہے۔

پہلی جگہ سیدنا یوسف علیہ السلام ناکردہ گناہ کی پاداش میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیے گئے وہ اپنے علم و فضل اور اخلاق و احسان کی وجہ سے جیل میں بھی معزز و مکرم ٹھہرے وہ اپنے اوصاف جمیلہ، عادات عالیہ، نیک نفسی اور اعلیٰ ظرفی کی بنا پر تمام قیدیوں

میں عزت وعظمت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

جیل میں دو قیدی لائے گئے انہوں نے اپنے اپنے خواب سیدنا یوسف علیہ السلام کے سامنے بیان کر کے ان کی تعبیر چاہی، سیدنا یوسف علیہ السلام کو جیل میں سننے والے دو شخص میسر آئے تو انہوں نے انہیں خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے دعوتِ توحید دی اور بڑے حسین اور خوبصورت انداز کے ساتھ دی انہوں نے دعوتِ دین کو کس قدر مناسب طریقے سے اور حکمت عملی کے ساتھ پیش فرمایا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنا تعارف کروایا وہ سننے والوں پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ میں ایک عظیم المرتبت خاندان کا فرد ہوں لہٰذا میری بات غور سے سنیں نیز یہ حقیقت بیان کرنا چاہتے تھے کہ میرا دین اور میری دعوت کوئی نئی، انوکھی دعوت نہیں ہے بلکہ میرا تعلق دعوتِ توحید کی اس عالمگیر تحریک سے ہے جس تحریک کے قائد اور امام سیدنا ابراہیم خلیل اللہ، سیدنا اسحاق اور سیدنا یعقوب علیہم السلام ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کے پیشے اور حالت کو مدنظر رکھ کر بڑے دلنشین اور مؤثر انداز میں اور حسین طریقے سے ان ہی سے پوچھا: يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف:39)

(تم خود ہی بتاؤ) کیا الگ الگ پروردگار بہتر ہیں یا اکیلا اللہ زبردست غلبے والا؟

کیا سر ٹیکنے کے لیے کئی در بہتر ہیں یا ایک ہی در بہتر ہے؟ تم خود ہی فیصلہ کرو اور اپنے ضمیر کے مطابق کرو کیا الگ الگ معبود اور مشکل کشا بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو غالب، زبردست اور طاقت ور ہے۔ ایک معبود تمہارے گمان کے مطابق اولاد دینے والا ہے، دوسرا شفا عطا کرنے والا، ایک رہائی بخشنے والا، کوئی بارش برسانے والا، ایک معبود ایک مشکل حل کرسکتا ہے مگر دوسری مشکل کے حل کے لیے کہیں اور جانا پڑتا ہے۔ کیا یہ بہتر ہیں یا اللہ اکیلا جو غالب ہے، تمام مخلوق پر اسے کلی اختیار اور کامل تصرف اور غلبہ حاصل ہے۔

دوسرا مقام سورت زمر میں ارشاد ہوا: لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ سُبْحٰنَہٗ ھُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (زمر:4)

اگر اللہ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا تو (اس کے لیے) اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چُن لیتا وہ (اولاد کے ہونے سے) پاک ہے وہی ہے اللہ اکیلا زورآور۔

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے باطل اور نامعقول عقیدے کی تردید ہو رہی ہے جو اللہ رب العزت کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ سیدنا عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کا عقیدہ تھا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ مشرکین مکہ کے کچھ قبائل کا نظریہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ وَلَھُمْ مَّا یَشْتَھُوْنَ (النحل:57)

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں وہ اس سے پاک ہے اور اپنے لیے (پسند کرتے ہیں) جو ان کا دل چاہتا ہے یعنی بیٹے۔

سامعین گرامی قدر! یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب اس معنی میں اللہ کے لیے اولاد ہونے کے قائل نہیں تھے کہ العیاذ باللہ اللہ نے شادی کی ہوگی، پھر اس نے اپنی بیوی سے وظیفۂ زوجیت ادا کیا ہوگا، پھر اللہ کی بیوی امید سے ہوئی ہوگی اور مدت پوری ہونے پر اس نے بیٹا یا بیٹی جنم دی ہوگی۔

وہ اتنے پاگل نہیں تھے۔۔۔ قرآن مجید نے ایک سے زیادہ جگہوں پر ان کے عقیدے اور نظریے کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا (البقرہ:116)

وہ کہتے ہیں اللہ نے اولاد بنالی۔

ایک لمحہ کے لیے ٹھہر کر اِتَّخَذَ کے لفظ پر غور فرمایئے!۔۔۔ اللہ نے فلاں پیغمبر کو بیٹا بنالیا، اللہ نے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا۔

ایک ہوتا ہے اولاد کا ہونا۔۔۔ بیٹا ہونا یعنی حقیقی اور صلبی بیٹا جس نے انسان کی بیوی کی کوکھ سے جنم لیا۔ اور ایک ہے کسی بچے کو بیٹا بنا لینا یعنی اسے بیٹوں کی طرح چاہنا اور اس کے ساتھ بیٹوں کی طرح محبت کرنا۔ کیا ان دونوں میں فرق کوئی نہیں؟ ان دونوں میں جو بڑا واضح اور نمایاں فرق ہے اسے ہر ذی عقل شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

میں قرآن مجید سے ہی یہ حقیقت سمجھانے کے لیے دو مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

عزیز مصر سیدنا یوسف علیہ السلام کو مصر کی منڈی سے خرید کے لایا۔۔۔ گھر آنے تک سمجھ گیا کہ بچہ غیر معمولی ذہانت و متانت سے مالا مال ہے لہٰذا اپنی اہلیہ سے کہنے لگا:

أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا (یوسف:21)

عزت و آبرو سے اسے ٹھکانہ دے شاید یہ بچہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔

دوسری مثال بھی سماعت فرمایئے:

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے نومولود موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریا کے حوالے کر دیا۔۔۔ صندوق بہتے بہتے فرعون کے محل کے ساتھ آن لگا، فرعون کی بیوی آسیہ نے ملازمین کو حکم دیا کہ صندوق اٹھا کر اس کے پاس لایا جائے۔۔۔ صندوق کھولا گیا تو سب حیران رہ گئے کہ ایک بڑا ہی خوبصورت بچہ آرام سے لیٹا ہوا اپنا انگوٹھا چوس رہا ہے۔

شاہی محل میں اس عجیب و غریب انداز میں بچے کی آمد نے سب کو حیران کر دیا۔ فرعون اور حکومت کے دیگر کارندے بھاگتے ہوئے آ گئے، کئی ایک نے خدشہ ظاہر کیا کہیں یہ وہی بچہ نہ ہو جس کے متعلق نجومیوں اور معتبرین نے پیشگی اطلاع دی ہوئی ہے اور اولاد ابراہیم میں سے یہی بچہ کہیں ہماری حکومت و سلطنت کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔۔۔ لہٰذا

اسے قتل کردینا چاہیے فرعون نے بھی اس خدشہ کے ساتھ اتفاق کیا۔

فرعون کی بیوی آسیہ نے فرعون اور دوسرے کارندوں کے تیور دیکھے تو کہنے لگی: لَا تَقْتُلُوهُ عَسٰى أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا (القصص:9)

اسے قتل نہ کرو (بڑا پیارا بچہ ہے یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے) ہوسکتا ہے یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔

ان دو مثالوں سے واضح ہوا کہ کسی بچے کے ساتھ بیٹوں جیسی محبت وسلوک کرنا اسے اِتِّخَاذ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہود ونصاریٰ کا خیال بھی یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبیوں کو بیٹا بنالیا ہے وہ ان سے بیٹوں جیسی محبت کرتا ہے یعنی جس طرح باپ اپنے کچھ اختیار بیٹوں کے حوالے کردیتا ہے اسی طرح اللہ نے بھی کچھ اختیار ہمارے نبیوں کے حوالے کردیے ہیں یا اس معنیٰ میں بیٹا یا بیٹی تجویز کرتے کہ جس طرح باپ اپنی اولاد کی بات کو رد نہیں کرتا اسی طرح اللہ بھی ہمارے نبیوں اور فرشتوں کی سفارش کو رد نہیں کرتا۔

آج بھی معاشرہ میں اس طرح کے جملے سننے کو ملتے ہیں "ہماری سنتا نہیں اور ان کی موڑتا نہیں"

جن کی عبادت و پکار ہم کررہے ہیں اور جن کے نام کی نذرو نیاز ہم تقسیم کررہے ہیں اور جن کے نام کی منتیں ہم مان رہے ہیں اور جن کے آگے سجدہ ریز ہورہے ہیں اور جن کے نام کے وظیفے پڑھ رہے ہیں وہ اللہ کے محبوب اور پیارے ہیں ان کے وسیلے سے مانگی ہوئی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔۔۔وہ اللہ سے منوا لیتے ہیں اور ہمارے کام کروادیتے ہیں۔

سورت زمر کی اس آیت میں اللہ رب العزت نے یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ کے اس بیہودہ قول کی تردید عجیب انداز میں فرمائی۔

کہ اگر بالفرض میں یہ ارادہ کرتا کہ میری کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے اپنی مخلوق ہی

میں سے کسی کو اولاد کے لیے چنتا۔

کیونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے میرے سوا جو کوئی چیز ہے وہ سب کی سب مخلوق ہے۔ اب یہ بات تو ظاہر باہر ہے کہ خالق اور مخلوق میں کسی درجہ میں بھی اشتراک نہیں پھر وہ ایک دوسرے کے باپ بیٹا کیسے ہو سکتے ہیں؟

آیت کے آخر میں فرمایا: میں اکیلا ہوں (یکتا و بے نیاز) قہار ہوں یعنی طاقتور، زورآور، غلبے والا، تمام کی تمام مخلوق میرے سامنے عاجز اور بے بس اور مغلوب ہے سب کی گردنیں میرے سامنے جھکی ہوئی ہیں، سب میرے آگے مانگت اور فقیر ہیں مجھے اولاد بنانے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟

تیسرا مقام قیامت کے دن جب سب لوگ اللہ کے حضور میدانِ محشر میں جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ کر آواز لگائے گا:

اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ وَاَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ ---آج دنیا کے بڑے بڑے نامور بادشاہ کہاں ہیں؟ ---وہ کہاں ہیں جو تکبر و تعلّی میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کے دعویدار تھے---ہاں وہ کہاں ہیں جو کہتے تھے میری کرسی بڑی مضبوط ہے۔ بتاؤ آج بادشاہی اور راج کس کا ہے؟

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ رب العزت کے اس سوال کا سچا جواب دینے کی ہمت و جرأت کسی میں نہیں ہو گی حتیٰ کہ چالیس سال اسی سناٹے میں بیت جائیں گے اس کے بعد اللہ خود ہی اس سوال کا جواب دیں گے: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:16)

آج اللہ اکیلے زور آور کی ہی بادشاہی ہے۔

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس جلال بھرے سوال کے جواب میں میدانِ محشر میں کھڑا ہوا ہر شخص پکار اٹھے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

قیامت کے دن ساری حکومتیں، فانی اقتدار اور بادشاہیاں مٹ جائیں گی اور اللہ

کی حکومت واقتدار اور تخت وسلطنت اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ موجود ہوگی۔

میرے عرض کرنے کا مقصد اور مدعا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی بادشاہی وراج کا اعلان اللہ کی صفت اَلْقَهَّارُ کے اسم گرامی کے ساتھ ہوگا کہ اسی کی بادشاہی اور حکومت ہے جو سب پر غالب ہے، ایسا غالب کہ کوئی اس کے آگے دم مارنے کی جرأت نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس کی گرفت اور پکڑ سے نکل کر کہیں بھاگ سکتا ہے، اس کا تسلط اور غلبہ سب پر حاوی ہے کوئی بھی اس کے تسلط سے باہر نہیں نکل سکتا۔۔۔آج حکومت وبادشاہی اسی کی ہے جو زورآور ہے، طاقت ور ہے، غلبہ والا ہے، قوت والا ہے اور ہر ایک کو قابو میں رکھنے والا ہے۔

چوتھا مقام سورۃ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خیال کبھی دل میں نہ لانا کہ میں نے جو وعدے اپنے رسولوں سے کیے ہیں انہیں میں پورا نہیں کروں گا (یعنی میں کفار کو یونہی چھوڑ دوں گا) میں غالب بھی ہوں اور انتقام لینے پر قادر بھی ہوں، یہ انتقام اس دن ہوگا جس دن یہ زمین وآسمان تبدیل کردیئے جائیں گے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم:48)

یعنی نفخۂ اولیٰ کے وقت موجود نظام کائنات درہم برہم ہوجائے گا پھر نفخۂ ثانی تک کیا کیا تغیرات ہوں گے اور یہ درمیانی عرصہ کتنا ہوگا یہ اللہ رب العزت ہی بہتر جانتا ہے۔

زمین وآسمان کی تبدیلی سے مراد ذات کے اعتبار سے تبدیلی ہے یعنی نہ تو یہ زمین رہے گی اور نہ یہ آسمان رہے گا، زمین بھی کوئی اور ہوگی اور آسمان بھی کوئی اور ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت والے دن لوگ سفید بھوری زمین پر اکٹھے کیے جائیں گے جو میدہ کی روٹی کی طرح ہوگی اس میں کسی قسم کا کوئی نشان نہیں ہوگا۔ (مسلم باب صفت القیامۃ)

یا زمین وآسمان کی تبدیلی سے مراد صفات کے لحاظ سے تبدیلی ہے یعنی ان کی

صفات اور شکل وصورت بدل دی جائے گی۔۔۔ پوری زمین ایک جیسی سطح والی بنادی جائے گی، زمین کی بلندی وپستی برابر کردی جائے گی، سب پہاڑ زمین بوس ہوجائیں گے اور سب گڑھے پُر کر دیئے جائیں گے اور سب سے اہم تبدیلی یہ ہوگی کہ سمندروں، دریاؤں، نہروں اور ندی نالوں کو خشک کر دیا جائے گا (یاد رہے کہ سمندر کی سطح کا رقبہ خشکی کے رقبہ سے تین گنا زیادہ ہے اس طرح موجودہ زمین سے اس وقت کی تبدیل شدہ زمین کم از کم چار گنا بڑھ جائے گی پھر وہ زمین بالکل ہموار ہوگی جس میں نہ کسی مکان وبلڈنگ کی آڑ ہوگی نہ درختوں کی رکاوٹ ہوگی نہ کوئی پہاڑ اور ٹیلہ رہے گا نہ کوئی غار اور گہرائی رہے گی۔

آگے فرمایا: وَبَرَزُوا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔۔۔ سب کے سب اپنے اس اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے جو یکتا بھی ہے اور زور آور بھی۔۔۔ طاقت ور بھی اور تسلط و غلبے والا بھی۔۔۔ ایسا طاقت ور کہ آن کی آن میں زمین کو ہموار کر کے رکھ دے گا اور آسمان کی کوکھ سے سورج اور چاند کو چھین لے گا اور ان کے نور کو سلب کر دے گا اور ستاروں کو بے نور بنادے گا۔

پانچواں مقام سورۃ رعد کی آیت نمبر 16 میں اللہ نے اپنی صفت اَلْقَہَّارُ کو اپنی دوسری صفت اَلْوَاحِدُ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الرعد:16)

آپ کہہ دیں کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے اور (اپنی ذات وصفات میں) وہی اکیلا ہے اور (ہر ایک پر) زور آور اور غالب ہے۔

یعنی وہ سب پر غالب اور زور آور ہے وہی قوت وطاقت والا ہے اور تمام مخلوق مغلوب اور اس کے آگے عاجز اور بے بس ہے اس لیے معبود حقیقی اور الٰہ بھی صرف وہی ہے اور وہ اپنی الوہیت، معبودیت اور ربوبیت میں یکتا اور اکیلا ہے تمام کی تمام مخلوق اس کے سامنے عاجز، غلام اور مقہور و مغلوب ہے اور مغلوب و مقہور اور عاجز و بے کس خلاق عالم اور

قہار کی صفتوں میں شریک اور ساجھی کیسے ہو سکتی ہے؟

عجیب انداز سورۃ رعد کی آیت 16 سے پہلے اللہ رب العزت نے بڑے عجیب اور حسین انداز میں تین مثالوں کے ذریعہ توحید اور شرک کے فرق کو واضح فرمایا۔

پہلی مثال سورۃ رعد کی آیت نمبر 14 میں پہلی مثال یوں بیان فرمائی: وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (الرعد:14)

اللہ کے سوا جن جن کو یہ لوگ (مصائب وحاجات میں) پکارتے ہیں وہ ان کے کسی کام پر نہیں پہنچتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلاتے ہوئے کہ پانی اس کے منہ پر آ جائے حالانکہ وہ پانی ازخود اس کے منہ تک کسی طرح آنے والا نہیں ہے اور کفار کی پکار سوائے گمراہی کے کچھ نہیں ہے۔

یعنی غیر اللہ کو مصائب ومشکلات میں مدد کے لیے پکارنے والوں کی مثال اس احمق وبے وقوف آدمی کی طرح ہے جسے پیاس کی شدت نے بدحواس کر دیا ہو اور وہ کنوئیں کی منڈیر پر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا کر پانی کو آواز لگاتا ہے آ پانی۔۔۔ آ پانی۔۔۔ وہ بدحواس شخص اتنا نہیں سمجھتا کہ کنوئیں میں رسی اور ڈول تو ہے کوئی نہیں، پھر وہ قیامت کی صبح تک پانی سے فریاد کرتا رہے تو پانی اس کی فریاد کو مان کر اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

پانی کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کون مجھ سے فریاد کر رہا ہے اور کیا فریاد کر رہا ہے؟ اور پانی میں یہ قدرت بھی نہیں ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ سکے۔ اسی طرح غیر اللہ کو پکارنے والا اتنی بات نہیں سمجھتا کہ جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکار رہا ہوں ان میں روح والی رسی اور ڈوال تو ہے نہیں جس طرح پانی پیاسے کی

فریادرسی نہیں کرسکتا اسی طرح غیر اللہ بھی پکارنے والے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتے۔۔۔غیر اللہ کے پجاری جن جن کو مصائب وحاجات میں پکار رہے ہیں انہیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ انہیں کون پکار رہا ہے اور کون سی حاجت اور درخواست کر رہا ہے اور پانی کی طرح ان کی حاجت روائی کرنے کی ان میں قدرت وطاقت بھی نہیں ہے اس لیے ہماری بات کو تسلیم کرلو کہ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۔۔۔اسی ایک اللہ کو پکارنا حق ہے اور غیر اللہ کی پکار ضلال ہی ضلال ہے، بے فائدہ ہے جس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

دوسری مثال سورۃ رعد کی آیت نمبر 16 میں دوسری مثال یوں بیان فرمائی: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ (الرعد:16)

آپ ان سے پوچھیں کیا نابینا اور دیکھنے والا برابر ہوسکتا ہے؟

ادنیٰ سمجھ اور معمولی عقل رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اندھا اور بینا ایک جیسے نہیں ہوتے اسی طرح موحّد اور مشرک، مسلمان اور کافر بھی یکساں نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ موحّد اور مسلمان کا دل اور سینہ توحید کے دلائل وبراہین سے اور توحید کے نور اور بصیرت سے روشن اور معمور ہوتا ہے جبکہ مشرک اور کافر ان نعمتوں سے محروم ہوتا ہے۔

ایک اللہ ہی کا پجاری اور ایک اللہ ہی کے در پر جھکنے والا اور در در پر ماتھا ٹیکنے والا بھلا برابر کیسے ہوسکتے ہیں؟ موحّد آنکھوں والا ہوتا ہے وہ توحید کے نور کو دیکھتا ہے کائنات کے ایک ایک ذرے سے اللہ کی وحدانیت پر استدلال کرتا ہے دوسری طرف مشرک ہے جو نور توحید سے محروم ہے یہ دونوں یکساں کیسے ہوسکتے ہیں۔

تیسری مثال أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ (رعد:16)

یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہوسکتی ہے؟

شرک وکفر ظلمات ہی ظلمات ہیں۔۔۔اندھیرے ہی اندھیرے ہیں اور توحید اور

اسلام روشنی اور نور ہے۔ کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔۔۔اسی طرح شرک اور توحید اور کفر اور اسلام بھی یکساں نہیں ہو سکتے۔

تین مثالیں بیان کرنے کے بعد اللہ رب العزت نے مشرکین کے رویئے اور نظریے پر شکوہ کرتے ہوئے فرمایا: اَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ (الرعد: 16)۔۔۔اتنے دلائل اور اتنی مثالیں سننے کے بعد بھی حیرت ہے کہ انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں۔

خَلَقُوا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ (الرعد:16)

ان کے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کی کوئی چیز پیدا کی ہے (جس کی وجہ سے) ان کی نظر میں تخلیق مشتبہ (رَل مِل) ہو گئی ہے۔

یعنی ان کے معبودوں اور مشکل کشاؤں نے بھی زمین و آسمان میں کوئی چیز بنائی ہے جس کی بنا پر انہیں شبہ ہو گیا کہ فلاں شئی ہمارے فلاں معبود نے بنائی ہے اور فلاں شئی ہمارے فلاں مشکل کشا کی تخلیق شدہ ہے اس لیے ہم انہیں حاجات میں پکارتے ہیں، ان کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔

ان کے معبودوں نے اور ان کے مشکل کشاؤں نے کوئی حقیر سے حقیر شئی بھی پیدا نہیں کی۔۔۔لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (النحل:20)۔۔۔وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے (بلکہ) وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔

لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (الحج:73)

جن کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سارے کے سارے اکٹھے ہو جائیں۔

پھر ایسے عاجزوں اور مجبوروں کو اللہ کی صفتوں میں شریک کرنا کس قدر گستاخی، بے ادبی اور اللہ کی ناشکری ہے۔۔۔اسی لیے اس آیت کے بعد اللہ نے ایک گلا کیا: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔۔۔انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں۔

سامعین گرامی قدر! اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد کی آیت نمبر 16 کے آخر میں اپنی تین صفات کا تذکرہ کر کے شرک کے کئی انواع کی تردید فرمائی ہے۔ پہلی صفت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ۔۔۔کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔

دوسری صفت کا تذکرہ اَلْوَاحِدُ کے ساتھ فرمایا کہ وہ اپنی صفت کے اعتبار سے بھی یکتا اور اکیلا ہے اور وہ اپنی صفات کے لحاظ سے بھی وحدہ لاشریک ہے۔

تیسری صفت کا ذکر اَلْقَهَّارُ کے ساتھ فرمایا کہ وہی زور آور، طاقت ور، زبردست اور اپنی تمام مخلوق پر غالب اور حاکم ہے، اس کے آگے دم مارنے کی کسی میں جرأت وہمت نہیں۔۔۔سب اسی کے محکوم ہیں۔

چھٹا مقام سورۃ ص میں ارشاد ہوا: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (ص:65)

آپ کہیں میں تو صرف آگاہ اور خبردار کرنے والا ہوں اور اللہ اکیلے غالب کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ تم کو اس آنے والی خوفناک گھڑی سے ہوشیار کردوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اس سے بے خبر نہ رہنے دوں باقی تمہیں سابقہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے وہ تو وہی اکیلا اللہ ہے جس کے سامنے کوئی چھوٹا بڑا دم نہیں مار سکتا ہر چیز اس کے آگے دبی ہوئی ہے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز نہیں جو اس کے زیر تصرف نہ ہو جب تک چاہے ان کو قائم رکھے اور جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کردے اس عزیز وغالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے اس کے قبضہ سے نکل کر کون بھاگ سکتا ہے۔

اسم گرامی اَلْقَهَّارُ کی تاثیر وبرکت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر

فتح کیا تو چند ماہ کے بعد دریائے نیل کے پانی میں کمی واقع ہونے لگی۔ اہل مصر نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ جب تک ایسی کنواری لڑکی جو والدین کی اکلوتی اولاد ہو اسے صلیب کے دن دریائے نیل کے حوالے نہ کیا جائے تو دریا خشک ہو جاتا ہے۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رسم پر عمل درآمد کرنے سے انکار کر دیا کہ ہمارا دین اس کی اجازت نہیں دیتا۔۔۔۔ دریائے نیل کا پانی ختم ہونے کے قریب ہو گیا، مصر کے لوگ ہجرت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین خلیفۂ ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے ایک خط دریائے نیل کے نام تحریر فرما کر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں روانہ فرمایا۔ ذرا خط کا مضمون ملاحظہ فرمائیں، تحریر فرمایا:

فَاِنْ كُنْتَ تَجْرِيْ مِنْ قِبَلِكَ فَلَا تَجْرِ وَاِنْ كَانَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ يُجْرِيْكَ فَنَسْأَلُ اللهَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ اَنْ يُجْرِيَكَ

اگر تو اپنے اختیار اور مرضی سے چلتا ہے تو مت چل اور اگر تجھے اللہ الواحد القہار چلاتا ہے تو ہم اللہ واحد اور قہار سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے چلائے۔

خط کی ابتداء میں تحریر تھا۔۔۔۔ یہ خط اللہ تعالیٰ کے بندے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دریائے نیل کے نام ہے! کہتے ہیں کہ خط دریا میں ڈالنے کی دیر تھی کہ دریائے نیل میں عجیب طغیانی آئی اور پھر اس دن سے لے کر آج تک دریائے نیل مسلسل چل رہا ہے۔ (حیات الصحابہ عربی جلد:3 ص:862)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں اللہ رب العزت کی ان ہی دو صفات کا تذکرہ فرمایا جن اوصاف کو قرآن مجید نے چھ مقامات پر اکٹھے ذکر کیا یعنی اَلْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔۔۔۔ ذات و صفات میں تنہا، یکتا اور اکیلا اور ایسا زور آور، قوت والا، غلبے والا اور غالب کہ دم میں شاہوں کو گدا کر دے اور گداؤں کو تختِ شاہی پر بٹھا دے، ایسا غالب کہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دشمن کی گود میں پالے اور سیدنا یوسف علیہ السلام کو کنوئیں سے نکال کر وزیر خزانہ کے گھر پہنچا دے اور پھر جیل سے نکال کر وزارت کی کرسی پر بٹھا دے، ایسا غالب جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں کے نرغے سے بچا کر آسمان پر اٹھالے اور محمد عربی ﷺ کو دشمن کے حصار سے نکال کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچائے اور پھر غار ثور میں حفاظت کر کے عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اَلْوَهَّابُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران:8)

اے ہمارے پالنہار! ہمیں ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما یقیناً تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ میں ۔۔۔ میں اللہ رب العزت کے خوبصورت ناموں میں سے ایک بڑے حسین نام اَلْوَهَّابُ پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وہاب کے لغوی معنی ہیں كَثِيْرُ الْهِبَةِ ۔۔۔ بہت عطا کرنے والا ۔۔۔ دَائِمُ الْهِبَةِ ۔۔۔ ہمیشہ عطا کرنے والا۔

اَلْوَهَّابُ وہ ہستی ہے جس کی عطا و بخشش بے حد و حساب ہو، اَلْوَهَّابُ ایسے دینے والے کو کہتے ہیں جس کا کوئی ثانی نہ ہو۔

خالق اور مخلوق کی صفات کے درمیان ۔۔۔ عابد اور معبود کی صفات کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ ہر شخص جو اپنے دوست کو ۔۔۔ یا کسی عزیز کو کوئی چیز

ہبہ کرتا ہے (ہبہ اس عطیہ کو کہتے ہیں جو بلا کسی غرض و امید اور بلا کسی عوض کے ہو) اسے واہب (یعنی ہبہ کرنے والا) تو کہا جا سکتا ہے مگر اسے وہّاب نہیں کہا جا سکتا۔۔۔ کیونکہ وہّاب اس ہستی کو کہتے ہیں جس کی بخشش اور جس کی عطایا اور انعامات قسم قسم کے ہوں اور اتنے کثیر ہوں کہ گنے نہ جا سکیں اور ان کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے اور کسی لمحہ بھی ختم نہ ہو۔

مخلوق کی تو صرف اتنی ہی طاقت و گنجائش ہے کہ وہ کبھی کبھار کسی پر کوئی احسان کر دے۔۔۔ کسی کو زمین کا ایک ٹکڑا ہبہ کر دے اور کچھ رقم عطا کر دے۔۔۔ مگر وہ کسی بیمار کو تندرستی عطا نہیں کر سکتے، وہ کسی بے اولاد کی گود ہری نہیں کر سکتے۔۔۔۔ وہ کسی گمراہ کو ہدایت کی پٹڑی پر نہیں لا سکتے، وہ کسی مصیبت زدہ سے مصیبت کو نہیں ہٹا سکتے۔۔۔ اس لیے مخلوق کو واہب تو کہا جا سکتا ہے مگر اس پر وہّاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

اَلْوَهَّابُ کی سب سے بڑی اور عظیم عطا اور نعمتِ کبریٰ یہ زندگی ہے پھر زندگی والی نعمت بخش کر اس نے طرح طرح اور قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔۔۔ چلنے کے لیے ہموار زمین، گھنے سایہ دار درخت، پہاڑوں جیسے بادل اور ان میں سے برسنے والی بارش اور بارش کے ذریعہ نباتات کو اگایا۔۔۔ مختلف قسم کے پھل اور پھول، دن کو روشن بنایا کام کاج کے لیے اور رات کو تاریک بنایا تا کہ آرام کر کے پھر سے تازہ دم ہو جاؤ۔

کائنات کی ایک ایک شئ کو ہمارے لیے مسخر کر دیا وہ سب کے سب ہماری خدمت پر مامور ہیں، اس بھری کائنات سے ہٹ کر ہم اپنے وجود کے اندر جھانک کر دیکھیں تو بے شمار اور اَن گنت نعمتیں اور عطایا اَلْوَهَّابُ کی اپنے اندر پاتے ہیں۔۔۔ آنکھ عطا کی دیکھنے کے لیے۔۔۔ زبان بولنے کے لیے۔۔۔ اور کان سننے کے لیے۔۔۔ ہاتھ عطا کیے پکڑنے کے لیے۔۔۔ اور پاؤں دیئے چلنے کے لیے۔۔۔ دماغ سوچنے کے لیے۔۔۔ کوئی عضو ہماری غذا کو ہضم کر رہا ہے اور کوئی خون بنا رہا ہے اور کوئی جسم سے غلاظتوں کو دور کر رہا ہے۔

الۡوَهَّابُ کا ایک معنی علماء نے کیا ہے جو بغیر مانگے عطا کرنے والا ہو۔۔۔ہم نے اپنی زندگی۔۔۔اپنا وجود۔۔۔وجود پر فٹ ایک ایک نعمت۔۔۔آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، دل، دماغ، عقل، فہم وفراست۔۔۔ان میں سے کون سی چیز مانگی؟ الۡوَهَّابُ نے بن مانگے یہ سب نعمتیں عطا فرمائیں۔ سورج، چاند، ستارے بھی تو بغیر سوال کے عطا فرمائے۔

سورۃ ابراہیم میں اللہ رب العزت نے اپنے انعامات واحسانات کا تذکرہ فرمایا اور آخر میں فرمایا: وَاٰتٰکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ (ابراہیم:34)

اور اللہ نے تمہیں ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی۔

یعنی جتنی چیزیں مانگنے کے لائق تھیں اور تمہاری ضرورت تھیں وہ میں نے بن مانگے تمہیں عطا کر دیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ جو تم اللہ سے طلب کرتے ہو وہ بھی عطا کرتا ہے اور جسے تم نہیں مانگتے مگر اسے معلوم ہے کہ تمہاری ضرورت ہے وہ بھی دیتا ہے۔

ہر حاجت اللہ کے سامنے قرآن نے ایک سے زیادہ جگہوں پر اس بات پر زور دیا ہے کہ اپنی حاجات میں اللہ ہی کو پکارنا چاہیے اور اسی سے مدد مانگنی چاہیے۔۔۔ امام الانبیاء ﷺ نے بھی امت کو یہی تعلیم دی کہ اپنی ہر حاجت اپنے اللہ سے مانگو یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کی درخواست بھی اللہ کے حضور کرو۔ قرآن مجید نے انبیاء کرام علیہم السلام کی کئی دعاؤں کا تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی حاجت کے لیے اپنے اللہ ہی کو پکارا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بت پرست والد کو اور مشرک قوم کو اور وقت کے بادشاہ کو بڑے احسن اور خوبصورت انداز میں دعوتِ حق دی جس کے جواب میں انہوں نے منفی رویہ اپنایا، گھر سے نکلنے کی دھمکی دی اور جلتی ہوئی آگ کے حوالے کر دیا۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان پر گلزار بنا دیا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام حکمِ الٰہی پا کر وطن سے ہجرت فرما

گئے۔۔۔اس سفرِ ہجرت میں ان کی اہلیہ سیدہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان کے ہم سفر تھیں۔۔۔راستے میں مصر کے بادشاہ نے سیدہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی بیٹی جس کا نام ہاجرہ تھا خدمت گزاری کے لیے دے دی تھی۔۔۔سیدہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اولاد نہ تھی۔۔۔سیدہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محسوس کیا کہ شاید میں بانجھ ہوگئی ہوں تو انہوں نے یہی ہاجرہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی انہوں نے سیدہ ہاجرہ سے نکاح کر لیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگی: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ (صافات:100)

میرے پالنہار! مجھے نیک بیٹا بخش دے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں هَبْ لِي کے لفظوں پر غور فرمائیے۔۔۔ هَبْ لِي کہہ کر انہوں نے اَلْوَھَّابُ کے دروازے پر دستک دی ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کی دعا کو قبول فرما کر ایک فرزند کی خوشخبری یوں سنائی:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ (صافات:101)

ہم نے انہیں ایک حلیم الطبع بیٹے کی خوشخبری دی۔

(حلیم کہہ کر اس جانب اشارہ فرمایا کہ یہ بچہ اپنی زندگی میں ایسے صبر و استقلال اور حلم و حوصلہ اور بردباری دکھائے گا کہ دنیا حیران و ششدر رہ جائے گی)

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے یہ فرزند پیدا ہوا جس کا نام اسماعیل رکھا گیا۔ بعد ازاں اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سیدہ سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے بھی ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام اسحاق تجویز کیا گیا۔

اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ (ابراہیم:39)

تمام صفات الوہیت اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے یقیناً میرا پالنہار اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے شکرانہ کے ان کلمات میں وھب لی کے لفظوں پر توجہ فرمایئے اور فیصلہ کیجیے کہ کیا ہمیں بھی ہر حاجت کے لیے اَلْوَهَّابُ کا دروازہ نہیں کھٹکھٹانا چاہیے؟

سیدنا ایوب علیہ السلام پر عطاءِ الٰہی

سیدنا ایوب علیہ السلام کی بیماری اور دکھ اور اس میں ان کا تحمل اور صبر مشہور ہے، اللہ رب العزت نے مال وجائیداد کی تباہی، مکانوں کی بربادی، اہل وعیال کی ہلاکت اور شدید ترین بیماری کے ذریعے ان کی آزمائش فرمائی۔ صرف ایک بیوی ان کے ساتھ رہ گئی جو ان کی خدمت بھی کرتی اور لوگوں کے کام کاج کر کے ان کے لیے کچھ کھانے پینے کا انتظام بھی کرتی۔

ایک دن شیطان نے ان کی رفیقۂ حیات کو ورغلایا اور شرکیہ عمل پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔۔۔ سیدنا ایوب علیہ السلام نے صحت وتندرستی کے لیے اپنے رب کو پکارا، قرآن نے اسے سورۃ انبیاء میں ذکر فرمایا: وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الانبیاء:83)

اور ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریئے اور غور فرمایئے کہ اللہ کا پیغمبر بیماری، تکلیف اور دکھ میں کئی برس تک مبتلا رہا پھر صحت اور تندرستی کے لیے کس کے دروازے پر دستک دی؟ اپنی بیماری اور مصیبت کی شکایت کس کے آگے کی؟ بیماری میں گھبر کر کسے پکارا اور کس کو ندا دی؟ ہمیں بھی چاہیے کہ مصائب ومشکلات میں گھر جائیں یا بیماریوں میں جکڑے جائیں تو صرف اور صرف اس ہستی کو پکاریں جس ہستی کے دروازے پر سیدنا ایوب علیہ السلام جیسا

برگزیدہ پیغمبر دستک دے رہا ہے۔۔۔اگر بیمار کرنا، دکھ دینا اللہ کے اختیار میں ہے تو پھر شفا دینا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ایوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور انہیں حکم دیا اپنا پیر زمین پر مارو جس سے ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگا اس کے پانی پینے سے اندرونی بیماریاں اور غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں دور ہو جائیں گی۔

سیدنا ایوب علیہ السلام جب صحتمند اور توانا ہو گئے۔۔۔تو ہم نے انہیں کیا عطا فرمایا؟ ارشاد ہوا: وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا (ص:43)

اور ہم نے بخشے اسے اس کے گھر والے اور اتنے ہی ان کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو ہلاک ہو گیا تھا اسے بھی زندہ کر دیا اور اس کے مثل اور مزید کنبہ عطا فرمایا، مگر یہ بات کسی مستند حوالے سے ثابت نہیں ہے۔۔۔صحیح بات یہی ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلے سے زیادہ مال و اولاد سے انہیں نوازا جو پہلے سے دگنا تھا۔

سامعین گرامی قدر! سیدنا ایوب علیہ السلام کی التجا اور دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے وَوَهَبْنَا کہنے پر غور فرمائیے! کیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت اَلْوَهَّابُ کو اجاگر نہیں فرمایا؟

سیدنا زکریا علیہ السلام پر اَلْوَهَّابُ کی رحمت

سیدہ مریم علیہا السلام سیدنا زکریا علیہ السلام کی پرورش اور تربیت میں تھیں، سیدنا زکریا علیہ السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے تو پوچھا:

أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا (آل عمران: 37)۔۔۔ان پھلوں کا موسم نہیں ہے تمہارے ہاں کہاں سے آئے؟۔۔۔یا یہ پھل کسی منڈی میں بکتے اور ملتے نہیں تمہارے پاس کہاں سے

آئے؟

سیدہ مریم علیہا السلام نے جواب دیا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران: 37)

وہ اللہ کے پاس سے آتا اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

سیدنا زکریا علیہ السلام جو بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ چکے تھے اوران کی بیوی عمر رسیدہ بھی تھیں اور بانجھ بھی۔۔۔سیدہ مریم علیہا السلام کے جواب سے سیدنا زکریا علیہ السلام کے دل میں اولاد کی خواہش اور آرزو نے انگڑائی لی کہ جو اللہ مریم کو بے موسم پھل عطا کرسکتا ہے وہ میری بیوی کے بانجھ پن کو دور کرکے بڑھاپے میں مجھے بھی بیٹا عطا کرسکتا ہے۔قرآن کہتا ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ (آل عمران: 38)

اسی وقت یا اسی جگہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (آل عمران: 38)

اے میرے پالنہار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔

سامعین کرام! ذرا ایک نظر هَبْ لِي کے لفظوں پر ڈالیے کیا اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت اَلْوَهَّابُ کی جھلک نظر نہیں آرہی؟ اور پھر مِنْ لَدُنْكَ۔۔۔کے الفاظ ظاہر کررہے ہیں کہ مانگنے والے اور ہاتھ پھیلانے والے کی نظر اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر ہے۔

تفسیر در منثور نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام کے ہاں بے موسم کے پھل دیکھ کر سیدنا زکریا علیہ السلام نے ان الفاظ سے دعا کی:

يَا رَازِقَ مَرْيَمَ ثِمَارَ الصَّيْفِ فِي الشِّتَاءِ وَثِمَارَ الشِّتَاءِ فِي الصَّيْفِ هَبْ

لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ

اے مریم کے روزی رساں! سردیوں کے میوے گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں پہنچانے والے مجھے اپنی بارگاہ سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو دعا کو سننے والا ہے۔

دیکھیے اور غور فرمایئے! قرآن میں بیان ہونے والے اس واقعہ نے واضح طور پر ثابت کیا کہ اولاد کی نعمت حاصل کرنے کے لیے اللہ ہی کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے۔۔۔۔ سیدنا زکریا علیہ السلام اولو العزم پیغمبر ہیں مگر اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔۔۔ پھر اولاد مانگنے کے لیے کتنی عاجزی کے ساتھ اَلْوَهَّابُ کے آگے گڑگڑائے اور عاجزی کی۔

اگر اولاد کی نعمت عطا کرنا کسی بزرگ یا کسی نبی اور ولی کے ہاتھ میں ہوتا تو سیدنا زکریا علیہ السلام اتنی عمر اس نعمت کو کیوں ترستے؟ اللہ تعالیٰ نے سیدنا زکریا علیہ السلام کی التجا اور دعا کے جواب میں فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ (الانبیاء:90)

ہم نے زکریا کی دعا کو قبول فرمایا اور اسے یحییٰ بخش دیا اور اس کی بیوی کو درست کر دیا۔

(وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بڑھاپے کی انتہاء کے باوجود اور بیوی بانجھ ہونے کے باوجود بیٹا عطا کرنا اَلْوَهَّابُ ہی کی رحمت و بخشش ہے)

رَاسِخُوْن فِی الْعِلْم کی دعا

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اَلرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کی ایک دعا کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے کمال علمی اور طاقتِ ایمانی پر مغرور اور مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ اللہ رب العزت سے استقامت علی الدین اور اللہ کے مزید فضل و کرم اور رحمت و عنایت کے طلبگار اور خواہشمند رہتے ہیں کہ کہیں کمائی ہوئی پونجی ضائع

نہ ہو جائے اور صراط مستقیم پر گامزن قدم پھسل نہ جائیں۔

اَلرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ (پختہ اور مضبوط علم والے) کیا دعا مانگتے ہیں؟

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران:8)

اے ہمارے پالنہار! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو (دین اسلام سے) نہ پھیر اور عطا کر ہم کو اپنی بارگاہ سے رحمت یقیناً تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا ہے۔

ذرا وَهَبْ لَنَا کے الفاظ پر غور فرمایئے! اَلرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ۔۔۔۔ هَبْ لَنَا کے ساتھ دعا مانگ کر اللہ رب العزت کی عظیم صفت اَلْوَهَّابُ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

دین پر ثابت قدم رہنے کی یہ دعا ہم میں سے ہر ایک کو ہر وقت مانگنی چاہیے۔۔۔۔ ہماری علمی اور عملی حالت اس درجہ کی نہیں ہے جس درجہ کی اَلرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کی ہے۔۔۔۔ اَلرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ تو رہے ایک طرف یہ دعا تو کائنات کے سرتاج، امام الانبیاء، معصوم عن الخطاء والعصیان، محبوب الٰہی، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی اکثر مانگا کرتے تھے۔

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ

اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

دعائے نبوی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ رات کے کسی پہر جاگ اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَاَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (ابوداؤد)

تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو (شریکوں سے) پاک ہے اے اللہ! میں اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سوالی ہوں اے میرے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما اور ہدایت عطا کرنے کے بعد میرے دل کو ٹیڑھا نہ فرما اور اپنی بارگاہ سے مجھے رحمت عطا فرما یقیناً آپ وَھَّاب (یعنی بہت زیادہ عطا کرنے والے ہیں)

اس دعا میں نبی اکرم ﷺ نے ھَبْ لِیْ کے لفظوں سے رحمت کو طلب فرمایا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی صفت اَلْوَھَّابُ کو ذکر فرمایا۔

گناہوں کی بخشش کی درخواست سے مراد خلاف اولیٰ امور ہیں ورنہ آپ ﷺ کی ذات گرامی ہر طرح کے گناہوں سے مبرّا اور معصوم ہے یا امت کو تعلیم دینا مقصود ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے رہیں۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ ہر دعا کے شروع میں یہ کلمات ضرور فرماتے:

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰی الْوَھَّابِ (مسند احمد جلد:4 ص:54)

میرا پالنہار مولا سب عیبوں اور شریکوں سے پاک ہے سب سے بلند و بالا سب سے زیادہ عطا کرنے والا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بندوں پر فرض ہے کہ جب وھّاب صرف اللہ ہے تو ہر چیز اسی سے مانگیں اور اپنی تمام تر امیدیں اسی سے وابستہ رکھیں اور اس کے سوا ہر ایک سے امید اور طمع توڑ دیں۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

وَ کَذَالِکَ الْوَھَّابُ مِنْ اَسْمَائِہٖ ۔۔۔ فَانْظُرْ مَوَاھِبَہٗ مَدَی الْاَزْمَانِ

الوھّاب بھی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اللہ کے ان احسانوں کو دیکھ جو مدتوں سے چلے آرہے ہیں

تِلْكَ الْمَوَاهِبُ لَيْسَ يَنْفَكُّ عَنْ أَهْلِ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى وَالْأَرْضِ

بلند وبالا آسمان والے ہوں یا زمین والے سب کے سب اس کے احسانات سے نفع حاصل کر رہے ہیں

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی دعا سیدنا سلیمان علیہ السلام ایک آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیے گئے تو معافی کی درخواست ان الفاظ کے ساتھ کی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (ص:35)

میرے پالنہار! مجھے معاف فرما اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق اور مناسب نہ ہو یقینا تو ہی ہے سب کچھ عطا کرنے والا۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی دعا میں هَبْ لِي مُلْكًا کے الفاظ پر غور فرمایئے! آخر میں انہوں نے اللہ رب العزت کی صفت اَلْوَهَّابُ کو ذکر کر کے اپنی دعا پر اسے بطور دلیل پیش فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کر کے انہیں ایسی بادشاہی اور حکومت عطا فرمائی کہ ان کے بعد ایسی حکومت اور ایسی بادشاہی کسی کو نصیب نہ ہوئی۔۔۔ ہوا کو ان کے تابع کر دیا۔۔۔ وہ ہوا کو حکم دیتے وہ تیز وتند چلنے لگتی جس کے ذریعہ تخت فضا میں پرواز کرنے لگتا اور پھر وہ اسے نرم چلنے کا حکم صادر فرماتے۔۔۔ جنات ان کے تابع فرمان کر دیئے گئے اور پرندوں کی بولیاں وہ سمجھتے تھے۔

یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ کا ایک اعتراض اور شبہ نبی اکرم ﷺ پر یہ تھا کہ ہم سب میں سے آپ کو نبوت کے لیے کیسے چن لیا گیا جبکہ آپ کسی قبیلے کے سردار نہیں پھر سرمایہ دار اور مالدار نہیں۔۔۔ نبی تو کسی مالدار اور سردار شخص کو ہونا چاہیے تھا۔

اللہ رب العزت نے سورۂ ص میں ان کے اعتراض کا جواب دیا: أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ (ص:9)

کیا تیرے غالب اور بہت عطا کرنے والے رب کے خزانے ان (کفار) کے پاس ہیں؟

کہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو نہ چاہیں نہ دیں۔۔۔ یقیناً ان کے پاس نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ رب کی رحمت کے خزانے اسی کے پاس ہیں جو العزیز بھی ہے اور الوھاب بھی۔۔۔ اور نبوت بھی اللہ کی رحمت کے خزانوں میں سے ہے جو میں نے محمد عربی ﷺ کو عطا فرمائی ہے تو پھر اس پر اعتراض کیوں اور نبوت محمدی ﷺ کا انکار کیوں؟

اللہ رب العزت کا یہی اسم اَلْوَهَّابُ ہدایت کرتا ہے کہ بندے کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کے گھر کی چیز نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے وہ اَلْوَهَّابُ کا عطا کردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ بن مانگے عطا کرتا ہے اس لیے وہ اَلْوَهَّابُ ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ چونکہ بلاعوض اور بلا غرض عطا کرتا ہے اس لیے وہ اَلْوَهَّابُ ہے۔۔۔ اللہ رب العزت کَثِیْرُ الْهِبَه ہے یعنی کثرت سے عطا کرنے والا اس لیے وہ اَلْوَهَّابُ ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ دَائِمُ الْعَطَاء ہے یعنی ہمیشہ عطا کرنے والا اس لیے وہ اَلْوَهَّابُ ہے۔

پھر بندے کو ہر حاجت اور ہر ضرورت کا سوال اسی اَلْوَهَّابُ کے آگے کرنا چاہیے۔۔۔ اور اپنا سر اور پیشانی اسی اَلْوَهَّابُ کی چوکھٹ پر جھکانی چاہیے۔۔۔ اور اپنا مال بطور نذر و نیاز اَلْوَهَّابُ ہی کے نام پر تقسیم کرنا چاہیے۔

عجیب اتفاق ہے کہ آج ہمارے ہاں جو شخص موحد بن جائے اور توحید پرست ہو جائے اور اَلْوَهَّابُ ہی کے در کا سوالی ہو۔۔۔ کمزور عقیدے کے حامل لوگ اسے وہابی کا طعنہ دیتے ہیں۔۔۔ بالکل اسی طرح جس طرح نبوت کے ابتدائی دور میں جو شخص شرک سے تائب ہو کر ایمان قبول کرتا تو مشرکین اسے صابی کہا کرتے ہیں۔۔۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ توحید پرستوں کو وہابی نجدی تحریک کی بنا پر کہتے ہیں تو نجدی تحریک کے قائد کا نام تو محمد تھا ہاں البتہ ان کے والد کا نام عبدالوھاب تھا یعنی محمد ابن عبدالوھاب۔۔۔ پھر ان کے

عقائد ونظریات کے اپنانے والوں کو محمدی کہنا چاہیے۔ معمولی عقل وشعور رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ وھّاب کے ساتھ "یا" نسبت کی لگائی جائے تو وہابی بنتا ہے یعنی وھاب والا۔۔۔رب والا۔۔۔اللہ والا۔

جیسے پاکستان سے پاکستانی۔۔۔پنجاب سے پنجابی۔۔۔اور سندھ سے سندھی وغیرہ۔ یہی تو انبیاء کرام علیہم السلام کے پیغام کا خلاصہ اور مدعا تھا جسے سورۃ آل عمران میں بیان فرمایا گیا: وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ (آل عمران:79)

لیکن (وہ پیغمبر تو یہی کہے گا) کہ تم سب رب والے بن جاؤ۔

میں اپنے اَلْوَهَّابُ مولا پر قربان جاؤں جس نے ہمارے مخالفین کی زبانوں سے ہمارے لیے وہابی (یعنی وہاب والے) کا حسین اور خوبصورت لفظ نکلوایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں اللہ والا بنائے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلرَّزَّاقُ، اَلرَّازِقُ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ (57) إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (زاریات:57.58)

نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں اور نہ میری چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں اللہ خود ہی سب کا روزی رساں قوت والا زورآور ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں۔۔۔ میں اللہ رب العزت کے حسین ناموں میں سے ایک انتہائی دلربا اور خوبصورت نام اَلرَّزَّاقُ کے متعلق کچھ گذارشات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے رزق کا معنی کیا ہے۔۔۔ عطا، خواہ دنیاوی عطا ہو یا اخروی عطا ہو۔۔۔ اور رزق کا ایک معنی نصیب ہے جو غذا اور خوراک پیٹ میں جائے اس کو بھی رزق کہتے ہیں۔۔۔ علم وحکمت کے عطا کرنے پر بھی رزق کا اطلاق ہوتا ہے۔ (المفردات ص:194)

رزق وہ ہے جسے اللہ رب العزت ہر جاندار تک پہنچائے اور وہ اس کو کھائے اور پیئے۔ (شرح عقائد ص:74)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کی تفسیر میں لکھا ہے:

مِمَّا عَلَّمْنٰهُمْ يُعَلِّمُوْنَ۔۔۔ یعنی ہمارے دیئے ہوئے علم کو آگے پھیلاتے اور سکھاتے ہیں۔

مشرکین بھی قائل تھے ہر جاندار کو روزی عطا کرنا۔۔۔ اور ہر ہر شئی کا رازق ہونا اللہ رب العزت کی ایسی صفت ہے جس کے مشرکین مکہ بھی قائل تھے۔

سورۃ یونس میں اللہ رب العزت نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان غیر اللہ کے پجاریوں سے پوچھیئے۔۔۔ یہ جو غیر اللہ کے نام پر اناج اور جانور اور دودھ بطور نذر و نیاز تقسیم کر رہے ہیں ان سے پوچھیئے:

مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (یونس:31)

تمہیں زمین و آسمان سے رزق کون عطا کرتا ہے؟

آسمان سے بایں طور کہ ہواؤں کو چلاتا ہے جو بادلوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھاتی ہیں۔۔۔ پھر انہیں پیاسی اور ضرورت مند زمین کی جانب ہانک دیتا ہے۔۔۔ پھر بارش برسا کر خشک زمین کو سرسبز و شاداب کر دیتا ہے۔۔۔ سورج کی آتشیں کرنوں کے ذریعہ فصلیں پکاتا ہے۔۔۔ اور چاند کی ضیا پاشیوں سے اور اس کی ٹھنڈی اور میٹھی میٹھی روشنی سے پھلوں اور پھولوں میں ذائقہ، مزہ، چاشنی اور رنگ بھرتا ہے۔۔۔ میرے پیغمبر ﷺ! ان سے پوچھ: تمہارا رازق اور روزی رساں کون ہے؟

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ۔۔۔ وہ یقیناً جواب میں کہیں گے کہ اللہ ہے۔

مشرکین عرب کا یہ نظریہ قرآن نے بیان فرمایا کہ وہ کہتے تھے ہمارا روزی رساں اور رازق اللہ ہے۔۔۔ مگر بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے اور بڑا تعجب ہے کہ آج ہمیں اپنے اردگرد ایسے جملے سننے کو ملتے ہیں۔۔۔ کہ ہمیں جو کچھ دے رکھا ہے یہ سب فلاں حضرت کی نظر کرم ہے۔۔۔ یا ہمیں جو کچھ دے رکھا ہے اور ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ

ہمارے حضرت صاحب کا دیا ہوا ہے۔ کچھ ایسے اشعار سننے کو ملتے ہیں۔

جہاں سے رزق بندوں میں خدا تقسیم کرتا ہے — وہاں مجھ کو نظر آئی کلائی اپنے خواجہ کی

عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ---۔ زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ کے ذمہ ہیں۔

یاد رکھیے! دَآبَّة عرف عام میں چوپایہ اور زمین پر چلنے والے کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد ہر جاندار ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث، انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، بحری مخلوق ہو یا بری، کیڑے مکوڑے ہوں، مکھیاں مچھر ہوں یا چونٹیاں، حشرات الارض ہوں۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کی طبیعتوں اور کیفیتوں کے مطابق اور ان کی نوعی اور جنسی ضروریات کے مطابق خوراک اور روزی مہیا کرتا ہے۔ اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت کو بیان فرمایا:

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا (ھود:6)

وہ ہر دابہ کے رہنے سہنے کی جگہ اور اس کی سپردگی کی جگہ کو جانتا ہے۔

مُسْتَقَرّ سے مراد دنیا اور مستودع سے مراد مرنے کے بعد سپرد ہونے کی جگہ ہے۔

مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ مستقر سے مراد رحم مادر اور مستودع سے مراد باپ کی پشت ہے۔ (ابن کثیر جلد:2 ص:485)

جب اللہ تعالیٰ ہر جاندار کے مستقر اور مستودع کا علم رکھتا ہے تو پھر وہ ہر ایک کو روزی پہنچانے پر بھی قادر اور ذمہ دار ہے اور وہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے۔

چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ممولے سے لے کر شہباز تک، مینڈک سے لے کر مگرمچھ تک ہر ایک کو روزی فراہم کرتا ہے، فضا میں فضائی جانوروں کے لیے روزی مہیا کرتا ہے اور پانی کے اندر پانی کے جانوروں کے لیے روزی کے انتظام کر رہا ہے اور زمین کے

اندر رہنے والے جاندار زمین چاٹ کر روزی حاصل کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت اپنی مخلوق پر شفقت کرنے والی ماں سے بھی بڑھ کر مہربان اور شفیق ہے۔۔۔ زمین میں آسائش کے کیسے کیسے سامان اور اسباب مہیا کیے اور کیسے کیسے لذیذ پھل اور انواع واقسام کے رزق پیدا کیے تاکہ میری مخلوق ایک ہی چیز کھاتے کھاتے اکتا نہ جائے۔۔۔ ہر ایک کے لیے اس کی زندگی کے ہر موڑ پر اس کی طبیعت ومزاج کے مطابق اور اس کی ضرورت کے مطابق روزی کا کتنا زبردست اہتمام فرمایا کہ حیرت ہوتی ہے۔

ایسا رازق ہے کہ ماں کے پیٹ میں۔۔۔ تین اندھیروں میں۔۔۔ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ۔۔۔ چار مہینے کے بعد روح پھونکی تو بچے کو بھوک اور پیاس لگنے لگی۔۔۔ رحم مادر میں بچہ مانگ نہیں سکتا وہ ہاتھ اٹھانے اور لب کھولنے کی سکت نہیں رکھتا۔۔۔ مگر وہ رازق۔۔۔ اس کی رمزیں سمجھ لیتا ہے اور ماں کا گندا خون اس کی ناف کے ذریعہ اس کی خوراک اور روزی بنا دیتا ہے۔

(رحم مادر میں جب مانگ بھی نہیں سکتا تھا تو رازق اللہ نے بن مانگے خوراک بھی دی، شکل وصورت بھی بخشی، اعضا بھی عطا کیے۔۔۔ اب جب تو مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کے قابل ہوا تو کہتا ہے۔۔۔ میری سنتا نہیں، میری بزرگوں کے آگے اور ان کی رب کے آگے کیونکہ ان کی موڑتا نہیں ہے)

پتھر میں کیڑا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب طور پر پہنچے اور انہیں نبوت وپیغمبری کی شان سے نوازا گیا تو وہ اپنے گھر والوں کو پیچھے چھوڑ کر آگ لینے کے لیے طور پر گئے تھے۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ پیچھے گھر والوں نے خدا معلوم کوئی شئی کھائی بھی ہے یا

نہیں؟ میں اپنے بال بچوں کو تنہا چھوڑ آیا ہوں ان کی کفالت کون کرے گا؟

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دل کی تسلی کے لیے اللہ رب العزت نے انہیں حکم دیا کہ سامنے پڑی ہوئی چٹان پر لاٹھی سے ضرب لگائیں، انہوں نے لاٹھی ماری تو چٹان پھٹی اور اس میں سے ایک بڑا پتھر برآمد ہوا۔۔۔ رزّاقِ عالم نے حکم دیا کہ اس پر بھی لاٹھی ماریں۔۔۔ ان کے لاٹھی مارنے سے اس میں سے تیسرا پتھر نکلا۔۔۔ اس پر بھی لاٹھی مارنے کا حکم ہوا تو وہ پھٹا اور اندر سے ایک کیڑا برآمد ہوا جس کے منہ میں ہرے رنگ کا پتہ تھا، وہ کیڑا یہ تسبیح پڑھ رہا تھا۔۔۔ اللہ رب العزت نے اس کی تسبیح اور اس کا کلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو سنایا۔۔۔ کیڑا کہہ رہا تھا: سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِيْ وَيَسْمَعُ كَلَامِيْ وَيَعْرِفُ مَكَانِيْ وَيَذْكُرُنِيْ وَلَا يَنْسَانِيْ (تفسیر کبیر جلد: 6 ص: 318)

ہر قسم کے عیبوں، نقائص، کمزوریوں اور شریکوں سے پاک ہے وہ جو مجھے تین پتھروں کے اندر دیکھتا ہے اور میری دعا، پکار اور کلام کو سنتا ہے اور میرے رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، اور ہمیشہ مجھے یاد رکھتا ہے اور مجھے کبھی فراموش نہیں کرتا۔

پتھر میں کیڑے کی حفاظت

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا شیخ عبداللہ۔۔۔ یہ چودہ سال کی عمر میں ہندو مذہب سے تائب ہو کر مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور انہوں نے اس کا نام عبداللہ تجویز فرمایا۔

مجھے (بندیالوی کو) شیخ عبداللہ نے ایک واقعہ سنایا کہ میں سرگودھا کے قریبی ایک قصبہ جاڑا سے اونٹوں کے ذریعہ غلہ سرگودھا منڈی تک لایا کرتا تھا۔۔۔ میرے راستے میں پٹھانوں کا ایک ڈیرہ تھا وہاں کچھ دیر ستانے کے لیے میں ٹھہر جایا کرتا تھا۔ وہ پٹھان ایک دن مجھے کہنے لگا کہ جس پتھر پر ہم روٹی پکاتے ہیں وہاں روپیہ برابر ایک جگہ ایسی ہے جہاں سے روٹی کچی رہ جاتی ہے اور اسے آگ کا سینک نہیں پہنچتا۔

شیخ عبداللہ کہتا ہے کہ ایک دن میں پٹھانوں کے ڈیرے پر پہنچا تو وہ پٹھان مجھے بتانے لگا کہ روٹی کے مکمل نہ پکنے والا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ ایک دن ہماری بیٹی کے ہاتھ سے وہ پتھر پھسلا اور زمین پر گر کے دو ٹکڑے ہو گیا۔۔۔ ہم یہ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے کہ جس جگہ پر سینک نہیں پہنچتا تھا وہاں اللہ رب العزت نے ایک کیڑے کو ٹھکانہ عطا کر رکھا تھا اور اللہ العزت اسے وہاں روزی بھی پہنچاتا تھا اور آگ کی تپش سے حفاظت بھی کرتا تھا۔

ایک اور واقعہ ایک ڈاکٹر صاحب اپنے اہل وعیال کے ہمراہ پہاڑی علاقے میں سیر وتفریح کے لیے گئے۔۔۔ ایک پہاڑ پر ایک چھوٹا سا بڑا خوبصورت پتھر سب گھر والوں کو اس کے رنگ و روپ کے لحاظ سے بڑا پیارا لگا۔ وہ اسے اٹھا کر لائے اور مہمان خانے میں سجا لیا۔۔۔ تقریباً دو سال تک وہ پتھر ان کے مہمان خانے میں رہا۔ ایک دن صفائی کے دوران وہ پتھر گرا، ٹوٹا اور دو ٹکڑے ہو گیا۔۔۔ پھر یہ دیکھ کر سب حیرت کا مجسمہ بن گئے کہ اس پتھر میں ایک سوراخ کے اندر سے ایک کیڑا نکل کر زمین پر چلنے لگا۔۔۔ سب پکار اٹھے: اے مالک وقادر اور رازق و رزّاق۔۔۔ تیری قدرت وعلم کس قدر وسیع ہے کہ بند پتھروں میں بھی تو کیڑوں کو روزی اور غذا پہنچاتا ہے۔

يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ مشہور مفسر قرطبی نے سورۃ ھود کی آیت نمبر 6 کی تفسیر و تشریح میں ایک روایت کا تذکرہ کیا ہے کہ قبیلہ اشعر کے چند لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، زادِ راہ ان کے ہمراہ تھا جسے کچھ روز وہ استعمال کرتے رہے، زادِ راہ ختم ہو جانے پر انہوں نے ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارے کھانے پینے کا کوئی انتظام کیا جائے۔۔۔ یہ شخص جب نبی اکرم ﷺ کے ہاں پہنچا تو اس نے وہاں ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔۔۔ اس شخص نے اس آیت کو سنا تو دل میں خیال آیا کہ جب سب جانداروں کی روزی اللہ نے اپنے ذمہ

لے رکھی ہے تو پھر اشعری بھی اللہ کی نگاہوں میں دوسرے جانوروں سے گئے گزرے نہیں ہیں۔۔۔وہ لازماً ہمیں بھی رزق عطا فرمائے گا۔

یہ خیال کر کے وہ شخص نبی اکرم ﷺ سے کچھ لیے بغیر ہی واپس آ گیا اور واپس آ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ تم کو خوشخبری ہو تمہارے ہاں اللہ کی مدد آنے والی ہے۔

اس کے ساتھیوں نے یہی سمجھا کہ نبی اکرم ﷺ نے ہماری درخواست کو قبول فرما کر کھانے کا سامان بھیجنے کا وعدہ فرما لیا ہے۔ اسی دوران دو شخص برتنوں میں کھانا لے کر ان کے پاس آ گئے جن میں وافر مقدار میں گوشت کا سالن اور روٹیاں تھیں۔۔۔انہوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔۔۔کھانا پھر بھی بچ رہا تو ان لوگوں نے مناسب سمجھا کہ بچا ہوا کھانا نبی اکرم ﷺ کے ہاں بھیج دیں تاکہ آپ اسے دوسرے ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیں۔

پھر جب وہ سب لوگ نبی اکرم ﷺ کے ہاں پہنچے تو کہا یا رسول اللہ! آپ نے جو کھانا ہمیں بھیجا تھا اس سے لذیذ اور مزے دار کھانا ہم نے کبھی نہیں کھایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہارے لیے کوئی کھانا نہیں بھیجا۔۔۔پھر ساری حقیقت سے جب آپ ﷺ کو آگاہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ذَالِكَ رَزَقَكُمُوْهُ اللهُ ۔۔۔۔۔۔ یہ رزق اللہ رب العزت نے تمہیں عطا فرمایا تھا۔ (تفسیر قرطبی جلد: 5 ص: 7)

سچی اور حقیقی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات بندوں کو ایسی جگہ سے رزق فراہم کرتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

ایک اور واقعہ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے ہمارا تین سو پر مشتمل ایک دستہ ساحلِ سمندر کی جانب روانہ فرمایا جس کا امیر سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا گیا۔

دورانِ سفر ہی ہمارا زادِ راہ ختم ہو گیا تو امیر لشکر نے حکم دیا کہ جس فوجی کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے، کچھ کھجوریں جمع ہو گئیں۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں سے ہر ایک کو تھوڑی تھوڑی کھجوریں روزانہ دیتے۔ پھر یہ کھجوریں بھی ختم ہونے کے قریب ہوئیں اور ہم میں سے ہر ایک کو صرف ایک کھجور کھانے کے لیے ملنے لگی۔ یہ سن کر سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد نے ازراہِ تعجب پوچھا کہ پورا دن ایک کھجور پر کیسے گذارا ہوتا تھا؟ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس ایک کھجور کی قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہوا جب ایک کھجور بھی ملنا بند ہو گئی۔

(سامعین گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریئے! اور غور فرمایئے کہ اصحاب رسول کی مقدس جماعت نے کس قدر تکلیفیں اٹھا کر اور کتنی مصیبتیں برداشت کر کے اور کیسے کیسے مشکل سفر طے کر کے اور بھوک اور پیاس کی کتنی صعوبتیں جھیل کر اللہ کے دین اور کلمہ کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا اور محمد عربی ﷺ کے جھنڈے کو کہاں کہاں جا کر لہرایا۔۔۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے تمغے اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کی سندیں اللہ نے یوں ہی عطا نہیں کیں)

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جب ہم ساحل سمندر پر پہنچے تو وہاں ایک چھوٹے پہاڑ جتنی اونچی ایک مچھلی ہمیں ملی۔۔۔ جس کے گوشت سے تین سو آدمیوں پر مشتمل لشکر اٹھارہ دن تک لطف اندوز ہوتا رہا۔۔۔ بعض روایات میں اٹھارہ دن کے بجائے ایک مہینہ کا تذکرہ ہوا ہے۔

پھر سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے پر اس مچھلی کے دو کانٹے کھڑے کیے گئے اور ایک اونٹنی کجاوے سمیت ان کانٹوں کے نیچے سے گذاری گئی اس اونٹنی کا سر یا کوہان کانٹوں سے نہ ٹکرایا۔ (مسلم جلد:2 ص:147)

یقیناً اَلرَّزَّاقُ اپنے بندوں کے رزق اور روزی کا ذمہ دار ہے اور بعض اوقات

بندوں کو ایسی جگہ سے روزی فراہم کرتا ہے کہ بندوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔

انگور کے خوشے بند کمرے میں 4ھ میں عضل اور قارہ قبیلوں کے کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے قبیلوں کے کچھ لوگ اسلام قبول کرنے کی طرف مائل ہو رہے ہیں اس لیے آپ کچھ پڑھے لکھے لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو ان قبیلوں میں دین کے مبلغ کی حیثیت سے کام کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں دس صحابہ پر مشتمل ایک دستہ ان کے ساتھ روانہ فرما دیا، ابھی انہوں نے کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ دو سو آدمیوں پر مشتمل دستے نے جن میں ایک سو تیر انداز تھے ان صحابہ کو گھیر لیا۔۔۔۔ اصحاب رسول نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر اپنے بچاؤ کی کوششیں کیں۔۔۔۔ اُن لوگوں نے قسمیں کھا کر انہیں بلانے کی کوشش کی کہ ہم تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتے تم ہماری پناہ میں آجاؤ۔

ان دس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا ہم کفار کی پناہ اور قسموں کا اعتبار نہیں کریں گے بلکہ ان کا مقابلہ کریں گے۔ ان میں سے ہر ایک پکارنے لگا:

اَللّٰهُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا رَسُوْلَكَ

اے ہمارے پالنہار! اپنے رسول کو ہمارے اس حال اور دکھ کی خبر پہنچا دے۔

(سامعین گرامی قدر! آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ دعا مانگنے والے صحابہ کرام کا عقیدہ اور نظریہ کیا تھا؟ کیا ان کا عقیدہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہیں؟ اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا تو انہیں رب سے التجا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ مولا! ہماری حالت کی خبر ہمارے نبی تک پہنچا دے)

ان دس صحابہ نے ان سے دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی۔۔۔۔ مگر کہاں دس مسافر جن کے پاس انتہائی محدود اسلحہ ہے اور کہاں دو سو افراد پر مشتمل ماہر تیر اندازوں کا

دستہ۔۔۔لڑائی میں آٹھ صحابہ شہید ہو گئے۔ مبلغین کے اس مختصر سے قافلے میں صرف دو شخص زندہ بچے جنہیں ان لوگوں نے گرفتار کر لیا۔۔۔۔ایک تھے سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے تھے زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔ان غداروں نے انہیں مشرکین مکہ کے ہاتھ بیچ دیا۔

جس گھر میں سیدنا خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قید تھے اس گھر کی ایک خاتون ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں بیان کرتی ہیں کہ جس کمرے میں خبیب بند کیے گئے تھے۔۔۔میں نے ایک روز دروازے کے جھروکے میں سے جھانک کر دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران وششدر رہ گئی کہ خبیب کے ہاتھ میں انسان کے سر کے برابر انگوروں کا ایک خوشہ ہے جس میں سے وہ مزے مزے سے کھا رہے ہیں۔۔۔اس وقت مکہ مکرمہ کے بازاروں میں انگوروں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مگر اللہ رازق نے انہیں ایسی جگہ سے رزق فراہم کیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں تھا اور ایسے پھل کھانے کے لیے عطا کیے جن کا موسم بھی نہیں تھا۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ

یہ بات اٹل ہے کہ ہر ایک کا روزی رساں اللہ ہے۔۔۔مگر اللہ نے ہر شخص کو روزی اور رزق اس کی گنجائش کے مطابق عطا فرمایا ہے۔ جسے قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر ذکر فرمایا۔

ایک جگہ پر ارشاد ہوتا ہے: أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ (زمر 52)

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)

یعنی دنیا میں روزی کا کشادہ یا تنگ ہونا کسی شخص کے مقبول یا مردود ہونے کی

دلیل نہیں ہو سکتی۔۔۔روزی کا کشادگی کے ساتھ ملنا عقل و ذہانت اور علم ولیاقت پر منحصر نہیں ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ کتنے ناقص العقل اور بد کردار عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں اور کتنے کامل العقل اور صالح لوگ فاقوں کی زندگی گزار رہے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ رزق اور روزی کی تقسیم رزّاقِ حقیقی کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے اور اس کے قبضہ واختیار میں ہے۔

سورۃ رعد میں ارشاد ہوا: اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (رعد 26)

اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی دنیا کی عیش و فراخی کو دیکھ کر سعادت و شقاوت کا فیصلہ نہیں ہوتا اور نہ یہ ضروری ہے کہ جس کو دنیا میں اللہ نے رزق اور پیسہ زیادہ دیا ہے وہ اس کی بارگاہ میں مقبول ہو، بہت سے مقبول بندے بطور آزمائش و امتحان یہاں عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور مردود مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے وہ مزے اڑاتے ہیں یہی دلیل ہے اس کی کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جہاں ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پورا پھل مل کر رہے گا۔

قرآن مجید میں ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (بنی اسرائیل 31)

اور بھوک کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو انہیں بھی اور تمہیں بھی رزق ہم دیتے ہیں، اولاد کو قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

اسی طرح کی نہی سورۃ الانعام کی آیت نمبر 151 میں بھی گذر چکی ہے۔۔۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شرک کے بعد قتل اولاد کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا

ہے۔فرمایا:

اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ (بخاری)

اس ڈر اور خوف سے اپنی اولاد کو قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔

یقین کیجیے۔۔۔ بھوک اور مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت رزّاقیت پر عدم توکل یا توکل پر براہِ راست حملہ کی دلیل ہے۔

اللہ رب العزت نے یہاں فرمایا کہ تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ تمہیں بھی تو رزق ہم فراہم کرتے ہیں، پھر جیسے تمہیں رزق پہنچا رہے ہیں ویسے تمہاری اولاد کو بھی روزی ضرور فراہم کریں گے۔ اگر تمہیں بھوک اور مفلسی کا اتنا ہی ڈر ہے تو پہلے تمہیں خود مر جانا چاہیے اولاد کو کیوں مارتے ہو؟ بڑے افسوس کی بات ہے عرب میں جاہلیت کے دور میں قتل اولاد کا سلسلہ انفرادی طور پر ہوتا تھا مگر آج کل یہ کام حکومت کی سرپرستی میں اجتماعی طور پر بڑے منظم طریقے سے ہو رہا ہے اور اربابِ اقتدار نے اس کے لیے بنائے گئے محکموں کے بڑے دلربا اور خوشنما نام تجویز کر رکھے ہیں۔ پہلے اس کا نام محکمہ خاندانی منصوبہ بندی رکھا گیا پھر اسے محکمہ بہبود آبادی کا نام دیا گیا مگر اس کے پیچھے نظریہ اور خیال وہی مفلسی اور بھوک کا ڈر ہے۔۔۔ بچے زیادہ ہوں گے تو کھائیں گے کہاں سے؟

مرد حضرات بہتر تعلیم و تربیت کے نام پر اور خواتین اپنے حُسن کو برقرار رکھنے کے لیے اس جرم کا عام ارتکاب کر رہی ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی کے پرچار کرنے والے احباب سے دست بستہ گذارش ہے کہ تمہارا دعویٰ مشاہدہ اور تجربہ کے بھی خلاف ہے۔ ہر شخص دیکھے کہ اس کے والدین، دادا، پڑدادا زیادہ خوشحال تھے یا آج وہ مالی اور معاشی اعتبار سے خوشحال ہے؟

آج ہر شخص اپنے آباؤ واجداد کی نسبت بہت زیادہ خوشحال ہے۔۔۔ ان چشم دید اور ہر شخص کے تجربہ میں آنے والے واقعات کے بعد اللہ رب العزت کی رزاقیت میں کوئی

شک کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

ہم اور ہماری اولاد تو مسلمان ہیں وہ تو اپنے منکروں اور کفار و مشرکین کا بھی رزق روزی بند نہیں کرتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے پرامن ہونے کی دعا کے ساتھ اہل مکہ کے لیے رزق اور روزی کی درخواست کی تو ساتھ ایک قید لگا دی: وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (بقرہ 126)

یہاں (مکہ) کے رہنے والوں کو روزی دے پھلوں سے جو کوئی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے۔

یعنی مومنین اور فرمانبردار لوگوں کو روزی عطا فرما۔ تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (بقرہ 126)

جو کفر کریں اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس کو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی۔ یعنی دنیا میں کافروں کو بھی روزی دوں گا۔

اللہ کا چیلنج اللہ رب العزت نے سورۃ الملک میں ایک چیلنج فرمایا:

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ (الملک 21)

بھلا کون ہے جو تمہیں روزی پہنچائے اگر اللہ اپنی روزی روک لے۔

فصلوں، باغات، پیداوار، پھلوں اور پھولوں کی افزائش کا تمام تر دارومدار پانی پر ہے اگر اللہ تعالیٰ بارش کو روک لے تو کوئی ہے جو ایک بوند ٹپکا کر دکھائے؟ یا زمین ہی کو بنجر اور سیم زدہ کر دے تو کون ہے اسے قابل کاشت بنانے والا؟ یا تباہ شدہ فصلوں کو اور لہلہاتے کھیتوں کو برباد اور تباہ کر دے تو ایسا کون ہے جو اس کے فیصلوں کے آگے بند باندھ سکے؟

اسی کو سورۃ قصص کی آیت نمبر 72,71 میں بیان فرمایا کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک کے لیے رات ہی رات کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے دن کی روشنی لائے۔۔۔ اور اگر تم پر قیامت کے دن تک دن ہی دن رکھے تو اللہ کے سوا کوئی معبود

ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے۔

اسی حقیقت کو سورۃ نمل میں اپنی معبودیت والوہیت کی دلیل قرار دیا: وَمَن يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (نمل 64)

(بھلا بتاؤ تو سہی) کہ تمہیں آسمان وزمین سے روزی کون دیتا ہے؟ (پھر) اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہوسکتا ہے۔

پھر بڑے دلنشین اور حسین انداز میں اسے سورۃ فاطر میں بیان فرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (فاطر 3)

اے لوگو! اللہ نے جو تم پر انعام کیے ہیں انہیں یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے؟ جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی پہنچائے۔ (اگر تمہارا جواب نفی ہے اور یقینا نفی میں ہی ہوگا کہ اللہ خلاق عالم کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے اور اللہ رزّاق کے سوا کوئی روزی رساں نہیں ہے تو پھر ہمارے دعویٰ اور میرے پیغمبر کے پیغام کو قبول کرلو) کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ اور معبود نہیں ہے۔

سامعین گرامی قدر! میرے پیش کردہ دلائل سے یہ حقیقت ثابت ہوگئی ہے کہ ہر جان دار کا روزی رساں اللہ رب العزت ہی ہے۔۔۔ وہ اپنی مصلحت کے مطابق روزیاں تقسیم کرتا ہے کسی کو زیادہ، کسی کو بہت زیادہ اور کسی کو کم اور کسی کو بہت ہی کم۔

خلیفہ رابع امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ اگر کسی شخص کو ایسی کوٹھری میں بند کردیں جو ہر طرف سے بند اور سیل ہو تو وہاں رزق کہاں سے آئے گا؟ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بڑے حاضر جواب تھے۔۔۔ انہوں نے جواب میں فرمایا۔۔۔ جہاں سے موت آئے گی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلْفَتَّاحُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ (سبا 26)

آپ کہیں ہم سب کو ہمارا پالنہار جمع کرے گا پھر عدل وانصاف کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا وہی ہے فیصلہ چکانے والا سب کچھ جاننے والا۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے پیارے پیارے ناموں میں سے ایک انتہائی دلربا اور حسین نام اَلْفَتَّاحُ کا معنی اور تشریح آج کے خطبہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اَلْفَتَّاحُ اور اَلْفَاتِحُ کا مادہ فَتْحٌ ہے اور فتح کے معنی ہیں کھولنا۔۔۔۔ پھر اَلْفَتَّاحُ کے معنی ہوں گے کھولنے والا۔ کنجی اور چابی کو عربی میں مِفْتَاحٌ کہتے ہیں یعنی کھولنے کا آلہ۔۔۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ (انعام 59)

اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

موجودہ ترتیب کے اعتبار سے قرآن مجید کی سب سے پہلی کو سورۃ الفاتحہ اور فاتحۃ الکتاب کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی سورۃ جو قرآن کو کھولنے اور ابتداء کرنے والی ہے یا ایسی سورۃ

جو نماز میں قرآءۃ کو کھولنے والی ہے۔۔۔ نمازوں میں امام صاحب اسی سورۃ سے قرأت کو شروع کرتے ہیں۔

علمائے امت نے اَلْفَتَّاحُ کے مختلف معنی اور مفہوم بیان فرمائے ہیں اور ہر معنی اپنے اندر عجیب لذت اور سرور لیے ہوئے ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں:

اَلْفَتَّاحُ الَّذِیْ فَتَحَ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَعْرِفَتِہٖ وَفَتَحَ عَلَی الْعَاصِیْنَ اَبْوَابَ مَغْفِرَتِہٖ

اَلْفَتَّاحُ وہ ہستی ہے جس نے مومنین کے دلوں کو اپنی توحید کی پہچان اور معرفت کے لیے کھول دیا ہے اور نافرمانوں کے لیے اپنی مغفرت و بخشش کے دروازے کھول رکھے ہیں۔

کچھ علماء فرماتے ہیں:

اَلْفَتَّاحُ الَّذِیْ لَا یَغْلِقُ وُجُوْہَ النِّعْمَۃِ بِالْعِصْیَانِ

اَلْفَتَّاحُ وہ ذات ہے جو بندوں کے گناہوں کی وجہ سے نعمت کے دروازے بند نہیں کرتا۔

کچھ علماء نے یوں فرمایا ہے:

اَلْفَتَّاحُ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے لیے رزق اور رحمت کے دروازے کھولتا ہے، ان کے دلوں اور بصیرت کی آنکھوں کو کھولتا ہے تاکہ لوگ حق کو پہچان سکیں۔

علماء کے بیان کردہ اس مفہوم کو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کئی جگہوں پر بیان فرمایا:

سورۃ اعراف میں بیان کیا کہ جس بستی میں ہم کسی نبی کو مبعوث فرماتے تھے پھر بستی والے اس نبی کی تکذیب پر کمر کس لیتے تو ہم انہیں جسمانی اور مالی پریشانیوں میں مبتلا کر دیتے تھے تاکہ مکذبین تازیانے کھا کر شرارتوں سے باز آجائیں اور وقت کے نبی کی مان

کر اللہ کی طرف جھکیں۔۔۔جب وہ لوگ ان تازیانوں کا اثر قبول نہیں کرتے تھے تو ہم ان کی تنگدستی کو خوشحالی سے اور بیماری کو صحت و عافیت میں تبدیل کر دیتے تھے تا کہ وہ نعمت الٰہی کا شکر ادا کرتے ہوئے شرک و کفر سے تائب ہو کر ایمان لے آئیں۔

مگر اس طرح بھی وہ راہِ راست پر نہ آئے اور ان میں معمولی تبدیلی بھی پیدا نہ ہوئی بلکہ وہ کہنے لگے کہ یہ تو گردشِ زمانہ ہے کہ کبھی تنگی آ گئی اور کبھی خوشحالی آ گئی۔۔۔کبھی بیماری نے آ لیا پھر صحت و عافیت نصیب ہو گئی۔۔۔کبھی فقیری اور کبھی امیری۔۔۔دونوں علاج (تنگدستی اور خوشحالی) ان کے ایمان لانے کا سبب نہ بنے تو ہم نے انہیں اچانک دھر لیا اور ایسے پکڑا کہ انہیں خبر ہی نہ ہوئی اور ہم نے ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (اعراف:92)

اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان قبول کر لیتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکتیں (نعمتیں) کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کو وطیرہ بنائے رکھا تو ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا۔

اسی حقیقت کو سورۃ الانعام کی آیت نمبر 43 اور 44 میں بیان کیا گیا: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ

پھر وہ لوگ جب اس نصیحت کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (یعنی دنیاوی عیش و آرام، زمینیں، باغات بارشوں سے سیراب، دولت کی فراوانی اولاد و خوشحالی کا دور دورہ وغیرہ) پھر جب وہ ان دی گئی چیزوں پر (بجائے ماننے اور شکر کرنے کے) اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا پھر وہ بالکل حیرت زدہ

اور نا امید ہو گئے۔

فتح و کامیابی اَلْفَتَّاحُ کے ہاتھ میں

سامعین گرامی قدر! فتح و ظفر اور وسعت و کشادگی اسی اَلْفَتَّاحُ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔۔۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسباب کام کر رہے ہوتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے پیچھے مُسبب الاسباب وہی ہوتا ہے۔۔۔ اسی لیے قرآن مجید میں جہاں کہیں فتح و نصرت اور کامیابی کا تذکرہ ہوا اس کی نسبت اللہ رب العزت نے اپنی طرف کی ہے۔

صلح حدیبیہ کے معاہدے کی کچھ شقیں بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے ناگوار تھیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام الانبیاء ﷺ سے شکایت کی کہ اس طرح دب کے صلح کس لیے کی گئی تو آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور میرا ہر اقدام اللہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہوتا ہے۔

پھر دنیا نے دیکھا کہ بظاہر شکست نظر آنے والا یہ معاہدہ دراصل اسلام کی ایسی فتح تھی جسے اللہ رب العزت نے فتح مبین قرار دیا۔ ارشاد ہوا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (الفتح 1)

بیشک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی ہے۔

دوسری جگہ پر فتح مکہ کو یوں بیان فرمایا:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (النصر 1)

جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی۔

إِذَا کی جزاء محذوف ہے فَسَتَرٰی مَا تَریٰ۔۔۔ جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے گی تو تم اس کی برکات اور ثمرات اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔۔۔ ان برکات و ثمرات میں سے ایک برکت اور ایک ثمرہ یہ ہے:

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (النصر 2)

آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

جب آپ جوان تھے، اعصاب توانا و مضبوط تھے، ہمت و قوت اپنے عروج پر تھی تو کئی سال کی محنت و تبلیغ کے بعد کبھی ایک شخص مسلمان ہوتا تھا۔۔۔تین سال تک مسلمانوں کی تعداد چالیس کے ہندسے کو کراس نہ کر سکی۔۔۔اور اب آپ اپنی زندگی کے اکسٹھ سال بتا چکے ہیں، قوت و طاقت بھی پہلی والی نہیں رہی، جوانی ڈھل گئی ہے۔۔۔مگر اب ایک ایک نہیں۔۔۔اَفْوَاجاً۔۔۔گروہ در گروہ، فوج در فوج اور غول کے غول اسلام کو قبول کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کی دو آیتوں کے سننے کے بعد نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی بھی سن لیجیے۔

غزوۂ خیبر میں ایک قلعہ کے فتح ہونے میں مسلمانوں کو دشواری کا سامنا تھا کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ رَجُلاً يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ (مسلم، باب فضائل علی)

(کل) میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا۔

(یہ جھنڈا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ ﷺ نے عطا فرمایا اور اللہ رب العزت نے خیبر کے اس قلعہ پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی)۔۔۔اس حدیث سے جہاں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور فضیلت ثابت ہو رہی ہے وہاں یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ اگرچہ کل کی ہر ہر بات کو جاننا صرف اور صرف اللہ کی صفت ہے۔ سورۃ لقمان کی یہ آیت اس پر گواہ ہے:

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (لقمان 34)

کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

مگر اللہ کل کی کچھ باتوں پر اپنے نبی مکرم ﷺ کو اطلاع دے دے تو اس سے انکار نہیں ہے۔۔۔مگر اسے علم غیب نہیں کہتے بلکہ اسے اطلاع علی الغیب کہتے ہیں۔

رحمت کے دروازے کھولنے والا کون ہے؟ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے کتنے خوبصورت اور حسین انداز میں یہ حقیقت اپنے بندوں کو سمجھائی۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (فاطر:2)

اللہ تعالیٰ جو رحمت (کے دروازے) لوگوں پر کھول دے تو اس کو بند کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو روک لے تو اس کو جاری کرنے والا کوئی نہیں (کیونکہ) وہی ہے غالب حکمت والا۔

اس آیت میں رحمت کے لفظ پر غور فرمایئے! رحمت عام ہے اس میں دنیا و آخرت کی نعمتیں داخل ہیں۔۔۔اس میں جسمانی اور روحانی تمام نعمتیں شامل ہیں۔

وہ روزی اور رزق کے دروازے کھول دے تو کوئی اسے روکنے والا نہیں۔۔۔وہ اولاد کی رحمت کرنا چاہے تو کوئی اسے بند کرنے والا نہیں۔۔۔وہ بارش برسا کر زمینوں کو سرسبز و شاداب کرنا چاہے تو کوئی اس کے آگے بند باندھنے والا نہیں۔۔۔وہ صحت و تندرستی بخشنا چاہے تو اس کے ہاتھ کو پکڑنے والا کوئی نہیں۔۔۔وہ مال و عزت عطا کرنا چاہے تو کوئی اس رحمت کو روکنے والا نہیں۔

اسی طرح روحانی نعمتیں کرنا چاہے۔۔۔مکہ کے یتیم کے سر پر نبوت کا تاج سجایا۔۔۔ان پر قرآن جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی۔۔۔انہیں عظیم الشان معجزات سے نوازا۔۔۔اللہ کی ان ہونے والی رحمتوں کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔۔۔کسی خوش نصیب کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرما دے۔۔۔کسی کو اعمال صالحہ کی توفیق بخشے۔۔۔کسی کو علوم دینیہ کے زیور سے آراستہ کرے۔۔۔کسی کو تکلم و خطابت کا ملکہ عطا کرے۔۔۔اس

کی رحمت کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔

اسی طرح دوسرا جملہ "وَمَا يُمْسِكْ" بھی عام ہے۔۔۔یعنی جس چیز کو اللہ کسی بندے سے روک لے تو اس کو وہ چیز عطا کرنے والا۔۔۔اور رحمت کے اس بند دروازے کو کھولنے والا کوئی نہیں ہے۔

بارش کو روک لے۔۔۔صحت وتندرستی کو روک لے۔۔۔اولاد کی نعمت کو روک لے۔۔۔تجارت میں نفع کو روک لے۔۔۔خوشحالی کو روک لے۔۔۔تو پھر اسے جاری کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔

اسی حقیقت کو سورۃ یونس میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (یونس:107)

اگر تمہیں اللہ کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کے سوا دور کرنے والا کوئی نہیں ہے اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی (راحت) پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی پھیرنے والا نہیں وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کرتا ہے اور وہی ہے بخشنے والا رحمت کرنے والا۔

قرآن کریم کی ان دو آیتوں کے ساتھ میں امام الانبیاء ﷺ کی وہ دعا آپ کو سنانا بلکہ یاد کروانا چاہتا ہوں جو آپ ﷺ فرض نماز کے بعد اللہ کے حضور مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (مسند احمد جلد:4 ص:245)

اے مولا! جس کو تو کوئی چیز دینا چاہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو روک لے اس کو دینے والا کوئی نہیں اور تیرے ارادے اور مشیت کے خلاف کسی کوشش کرنے والے کی کوشش اسے کوئی نفع نہیں دے سکتی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دیکھتے کہ بارش برس رہی ہے تو فرمایا کرتے تھے:

ہمیں بارش آیت فتح کی برکت سے عطا ہوئی ہے پھر وہ سورۃ فاطر کی یہی آیت

مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ۔۔۔ تلاوت فرماتے تھے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان میں مشرکین عرب کے جاہلانہ اور جھوٹے خیالات کی تردید ہے جو کبھی بارش کو خاص ستاروں سے منسوب کر کے کہتے تھے کہ ہمیں بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ملی ہے ۔۔۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بارش رب کی رحمت ہے اور رحمت کے دروازے کو کھولنے والا اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں داخل ہونے کی یہ دعا سکھائی ہے:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس دعا میں اس جانب توجہ مبذول فرمائی کہ رحمت کے دروازے کھولنے والے اللہ ہی اَلْفَتَّاحُ کے صفاتی نام کے حقدار ہیں۔

بنی اسرائیل کے تین افراد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کے تین افراد جو بارش کے خوف سے کسی غار میں جا چھپے تھے۔ اچانک غار کے منہ پر ایک وزنی چٹان گری اور اس نے غار کے منہ کو بند کر دیا۔ (اس صورت حال سے وہ انتہائی غمگین اور پریشان ہوئے کہ کیا کریں خالی ہاتھ ہیں اوپر بھاری چٹان ہے نہ اوزار اور نہ چھینی اور ہتھوڑا)

انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ رب العزت کے آگے عاجزی کے ساتھ ہاتھ پھیلائے جائیں شاید یہ چٹان ہٹ جائے اور ہم زندہ باہر نکل سکیں۔

طے پایا کہ ہم میں سے ہر ایک کسی ایسے عمل کے وسیلے سے دعا مانگے جو اس نے خالصتاً اللہ کی خوشنودی اور رضا کے لیے کیا ہو، شاید اللہ اس دعا کی برکت سے ہمارے لیے غار کا منہ کھول دے۔

ان میں ایک شخص نے دعا مانگتے ہوئے کہا:

میرے والدین بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے۔۔۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے میں سارا دن بکریاں چراتا شام کو گھر پلٹتا دودھ دوہتا اور بچوں سے پہلے اپنے والدین کو پلاتا۔۔۔ ایک دن میں واپس آیا تو میرے والدین سو چکے تھے، میں دودھ کا پیالہ لے کر ان کے سرہانے کھڑا رہا میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ والدین کو نیند سے جگا دوں میں چاہتا تھا وہ از خود بیدار ہوں تو دودھ ان کی خدمت میں پیش کروں وہ صبح تک سوتے رہے اور میں دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیے ساری رات کھڑا رہا۔

اے میرے اللہ! اگر میرا یہ عمل صرف تیری خوشنودی اور رضا کے لیے تھا تو ہمارے واسطے اس غار کا منہ کھول دے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں۔ اللہ رب العزت نے اس کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے اتنی کشادگی پیدا کر دی کہ وہ آسمان کو دیکھنے لگے۔

دوسرے شخص نے یوں دعا مانگی:

اے میرے اللہ! میری چچا زاد بہن تھی جس کے ساتھ میں شدید محبت کرتا تھا مگر وہ میری خواہش کو پورا کرنے سے ہمیشہ انکاری رہی۔۔۔ پھر اسے سو دینار کی شدید ترین ضرورت پیش آئی میں نے سو دینار کا انتظام کیا وہ مجبوراً میری بات ماننے پر رضا مند ہو گئی۔ جب میں اس کے ساتھ ہم بستر ہونے لگا اور میں نے اس پر مکمل قابو پا لیا تو وہ کہنے لگی اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور میری مہر کو ناحق طریقہ سے نہ کھول۔ میں یہ سن کر اسی وقت اس سے الگ ہو گیا۔۔۔ اے میرے اللہ! اگر یہ کام میں نے صرف تیری خوشنودی اور رضا کے لیے کیا ہے تو ہمارے لیے اس چٹان کو ہٹا کر کشادگی پیدا فرما۔۔۔ چنانچہ چٹان تھوڑی

سی اور سرک گئی۔

تیسرے شخص نے دعا مانگتے ہوئے کہا:

میرے اللہ! میں نے مقرر اجرت پر ایک مزدور رکھا، جب اس کا کام ختم ہو گیا تو اس نے مزدوری طلب کی میں نے مقرر شدہ اجرت اسے پیش کی مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور لینے سے انکار کر دیا اور چلا گیا۔۔۔ میں نے اس کی مزدوری والی رقم سے زراعت شروع کر دی اس میں برکت ہوئی اور میں نے اس سے گائیں اور مویشی خرید لیے۔۔۔ کئی سالوں کے بعد وہی مزدور میرے پاس آیا اور کہنے لگا اللہ سے ڈر! اور میری اجرت میرے حوالے کر۔۔۔ میں نے اسے کہا جاؤ یہ سارے مویشی تمہارے ہیں لے جاؤ۔۔۔ اس نے کہا مجھ سے مذاق نہ کر، میں نے کہا میں تم سے مذاق نہیں کر رہا، حقیقتاً وہ ساری گائیں اور مویشی تمہارے ہی ہیں۔۔۔ اس نے وہ سب گائیں اور مویشی لے لیے اور چلا گیا۔۔۔ اے میرے اللہ! میں نے اگر یہ کام محض تیری رضا اور خوشنودی کے لیے کیا ہے تو ہمارے لیے چٹان کو ہٹا کر کشادگی فرما، چنانچہ اللہ رب العزت نے اس کی دعا کو قبول کر کے رکاوٹ کو بھی کھول دیا۔ (بخاری جلد: 1 ص: 493)

سامعین گرامی قدر! اس حدیث اور اس واقعہ سے ہمیں کئی سبق ملتے ہیں۔

اس واقعہ سے پہلا سبق یہ ملا کہ ہر قسم کی پریشانی، کاروبار میں بندش، بیماریاں اور آنے والی آفتیں اور مسائل کا حل نہ ہونا۔۔۔ ان تمام تر مصائب و تکالیف اور پریشانیوں کا سب سے بڑا تعویذ اور دم اپنے معاملات کو درست رکھنا ہے۔

ان افراد پر جو پریشانی اور مصیبت اچانک ٹوٹی اور انہوں نے اپنی اپنی دعا میں جن نیک اعمال اور کاموں کا وسیلہ دیا وہ معاملات کے صحیح اور درست ہونے والے اعمال تھے۔۔۔ پہلے شخص نے اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھا، دوسرے نے رشتے دار عورت کے ساتھ اور تیسرے نے ملازم کے ساتھ۔

اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملا کہ اللہ رب العزت دنیا اور آخرت کی کامیابیاں اور اپنی رحمت و فضل کے خزانے ایسے لوگوں پر کھولتا ہے جو صرف اسی کے در کے ہو رہیں۔۔۔ جو اللہ کی رضا کے مطابق زندگی گذاریں اور تقویٰ کو حرزِ جان بنائیں۔

اس واقعہ سے تیسرا سبق یہ ملتا ہے کہ فتح و کشادگی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔۔۔ آلات و اسباب نظام عالم کی صرف ایک کڑی ہے ان تین افراد کے پاس کسی قسم کے اوزار نہ تھے۔۔۔ بظاہر باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔۔۔ مگر اَلْفَتَّاحُ نے اپنے فضل و کرم سے کشادگی عطا فرمائی وہ جسے چاہے فتح و کشادگی عطا کر دیتا ہے اور جب چاہے اور جسے چاہے بغیر اسباب و وسائل کے بھی کام بنا دیتا ہے اس لیے فتح و نصرت، ہر تنگی میں کشادگی کی درخواست اسی سے کرنی چاہیے اور اسباب و وسائل پر مکمل بھروسہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ مسبب الاسباب ہے خود کوئی سبب پیدا کر دیتا ہے اور بغیر سبب کے بھی کشادگی عطا فرما دیتا ہے۔

اس واقعہ سے سب سے زیادہ اہم نصیحت اور سبق یہ ملتا ہے کہ اپنی دعاؤں میں اپنے مایہ ناز عمل کا وسیلہ اور واسطہ پیش کرنا جائز بلکہ قبولیتِ دعا کا ایک ذریعہ ہے۔ ان تین افراد نے اپنی اپنی دعا میں اپنے کسی نہ کسی عمل کا وسیلہ پیش کیا۔ (نیک عمل کا ہو جانا بھی اللہ کی خصوصی رحمت ہے اور یہ رحمت الٰہی ہی کا وسیلہ بنا)

اپنی دعا میں کسی زندہ یا مردہ شخص کا وسیلہ اور واسطہ پیش کرنے کی نہ قرآن اجازت دیتا ہے، نہ تعلیماتِ نبوی اس کی تائید کرتی ہے، نہ اصحابِ رسول کا یہ وطیرہ ہے اور نہ ائمہ مجتہدین اس کے قائل ہیں۔ قرآن مجید نے انبیاء کرام علیہم السلام کی جتنی دعائیں ذکر کی ہیں سب کی سب رَبَّنَا، رَبِّ سے شروع ہوتی ہیں ان میں کسی وسیلے اور واسطے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

قرآن مجید نے جتنی دعائیں اپنے ماننے والوں کو سکھائی ہیں یقین کیجیے کسی دعا میں

بھی وسیلے اور واسطے کا دور دور تک نشان نہیں ملتا۔ قرآن کے بعد حدیث کی کتب کا مطالعہ فرمالیں! ہر حدیث کی کتاب میں ایک مستقل باب موجود ہے جس کا نام ہے بَابُ الدَّعْوَات۔۔۔ اس باب میں ان دعاؤں کا تذکرہ ہوا ہے جو نبی اکرم ﷺ دن رات کے اوقات میں مانگا کرتے تھے یا آپ نے مختلف صحابہ کو دعائیں سکھائیں۔۔۔ یقین فرمائیے! کسی دعا میں یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ فلاں کے وسیلے اور واسطے سے یا فلاں کے صدقے اور طفیل دعا مانگنی چاہیے۔

ہم امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔۔۔ آپ فقہ حنفی کی معتبر کتابیں اٹھائیے اور پڑھیئے۔۔۔ سب نے لکھا ہے کہ بحق انبیاء اور بحق اولیاء کے الفاظ دعاؤں میں کہنے مکروہ ہیں۔۔۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔

قرآن وحدیث کی تعلیم یہی ہے کہ مصائب ومشکلات میں دکھوں اور غموں میں گھر کر براہِ راست (ڈائریکٹ) بغیر کسی وسیلے اور واسطے کے اللہ ہی کو پکارو، وہ ہر بندے کے قریب ہے اور اپنوں، پراؤں کی دعائیں اور التجائیں یکساں اور برابر سنتا ہے۔

ہاں دعاؤں میں اللہ کے حسین صفاتی ناموں کا واسطہ دیا جا سکتا ہے مثلاً مولا! تجھے غفار ہونے کا واسطہ ہے میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔۔۔ تجھے شافی ہونے کا واسطہ ہے مجھے شفاء دے دے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ اسی طرح اپنے کسی مایہ ناز عمل کے واسطے سے بھی دعا کی جا سکتی ہے جس طرح بنی اسرائیل کے اُن تین افراد نے اپنے اپنے عمل پیش کر کے دعا مانگی تھی۔

اَلْفَتَّاحُ کا ایک معنی کچھ علماء نے اَلْفَتَّاحُ کا معنی کیا ہے اَلْحَاكِمُ بَيْنَ عِبَادِهٖ ۔۔۔ یعنی اَلْفَتَّاحُ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔

سورۃ سبا میں فرمایا جا رہا ہے: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ (سبا 26)

کہہ دیجیے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کرے گا (میدانِ محشر میں) پھر ہمارے درمیان حق وانصاف کا فیصلہ کردے گا وہی فیصلہ چکانے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال جرأت وہمت سے پیغامِ الٰہی اپنی قوم کو سنایا۔۔۔ مخالفین کی گالیاں سنیں۔۔۔ طعنے برداشت کیے اور زخم اٹھائے مگر ان کی دعوت وتبلیغ میں رائی برابر کمی نہیں آئی۔۔۔ مخالفت، عناد اور ضد کی جب انتہائی ہوگئی تو سیدنا نوح علیہ السلام نے رب کے سامنے یوں درخواست کی:

فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (شعراء 118)

پس میرے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ کردے اور مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو بچالے۔

سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کی تکذیب واستہزاء میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔۔۔ طعنے اور دھمکیاں روزانہ کا معمول بن گیا تو سیدنا شعیب علیہ السلام نے یوں دعا مانگی:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ (اعراف 89)

اے ہمارے پالنہار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کردے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

یہاں فتح بمعنی فیصلہ اور فاتح بمعنی فیصلہ کرنے والا ہے۔۔۔ مفہوم وہی ہے جو اَلْفَتَّاحُ کا ہے یعنی کھولنے والا۔۔۔ رحمت کے دروازے، رزق کے دروازے، اولاد کے دروازے، بارش کے دروازے، صحت کے دروازے کھولنے والا۔۔۔ مشکل کشا۔۔۔ کھوئی قسمت کھری کرنے والا۔

سیدنا نوح اور سیدنا شعیب علیہما السلام کی دعا میں اِفْتَحْ ۔۔۔ فیصلہ کردے کا مفہوم ہوگا۔۔۔ اس کو کھول دے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے؟ رحمت کا مستحق کون ہے

اور عذاب کا سزاوار کون ہے؟

اللہ رب العزت اَلْفَتَّاحُ ہے یعنی ہر رحمت اور نعمت کے دروازے کو وہی کھولنے والا ہے اور اس کا اپنا دروازہ تو ہر وقت کھلا ہی کھلا رہتا ہے مگر بڑے افسوس اور تعجب کی بات ہے کہ جس کا دروازہ مانگنے والوں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا ہے اس سے مانگنا مشکل لگتا ہے اور جنہوں نے اپنے دروازوں پر چوکیدار بٹھار کھے ہیں ان کے سامنے دامن پھیلانا آسان لگتا ہے۔۔۔ ہم اپنے اللہ اَلْفَتَّاحُ کا کھلا در چھوڑ کر بند دروازوں کا رخ کیوں کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے اس کے دروازے کو چھوڑ رہے ہیں جس سے نہ مانگو تو ناراض ہوتا ہے اور ایسوں کے دروازے کھٹکھٹا رہے ہیں جو مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں۔ آج عہد کریں کہ اپنی ہر حاجت وضرورت کے لیے اللہ کے حضور نوافل میں جھکیں گے اور اپنی ہر حاجت اَلْفَتَّاحُ ہی سے مانگیں گے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلْعَلِیْمُ، اَلْعَالِمُ، عَالِمُ الْغَیْبِ، عَلَّامُ الْغُیُوْبِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ (البقرہ:32)

یقیناتو ہی ہے سب کچھ جاننے والا حکمت والا۔

قال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر: وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (المائدہ:97)

اور یقینا اللہ ہی ہر ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ جمعۃ المبارک میں۔۔۔ میں اللہ رب العزت کے ایک انتہائی حسین نام اَلْعَلِیْمُ کی تفسیر وتشریح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل کرم سے مجھے بیان کرنے کی توفیق بخشے۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جس جگہ اور جس مقام پر اپنی الوہیت ومعبودیت کا تذکرہ فرمایا ہے وہیں اللہ نے بطور دلیل اپنے علم کی وسعت کو بھی بیان فرمایا ہے۔۔۔ اس لیے کہ معبود اور الٰہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ عابد اور پکارنے والے کے حالات سے واقف اور باخبر ہو۔

جو لوگ نادانی سے غیر اللہ کو حاجات میں غائبانہ پکارتے ہیں یا ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔۔۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہوتا ہے کہ جن کو میں پکار رہا ہوں وہ میری پکار کو

سن رہے ہیں اور میرے حالات سے باخبر ہیں، آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ اگر ان کا یہ نظریہ ہوتو پھر غیر اللہ کو پکاریں گے؟ پھر ان کے نام کی نذر و نیاز دیں گے؟ ہرگز نہیں۔

اسی لیے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جہاں جگہ جگہ اپنے علم کی وسعت کو بیان فرمایا ہے وہاں غیر اللہ سے عالم الغیب ہونے کی نفی بھی فرمائی ہے۔

ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ عقیدہ اور نظریہ رکھے کہ کائنات کی ہر ہر شئی کا تفصیلی اور محیط اور مکمل علم۔۔۔ایک ذرے سے لے کر آفتاب تک، ایک قطرے سے لے کر سمندر تک، حشرات الارض سے لے کر حاملین عرش تک، ایک چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، گھاس کے ایک تنکے سے لے کر جنگل تک، ریت کے ایک حقیر ذرے سے لے کر صحرا تک، زمین کی پستیوں سے لے کر آسمانوں کی بلندیوں تک، ماتحت الثریٰ سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک۔۔۔ ہر ہر شئی کا تفصیلی اور مکمل علم صرف اور صرف اللہ۔۔۔ اَلْعَلِیْمُ ہی کو ہے۔

تفصیلی، محیط، مکمل اور کلی علم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت ہی مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن (یعنی جو کچھ ماضی میں ہو چکا اور مستقبل میں جو کچھ ہوگا) کا علم رکھتا ہے۔۔۔ ماضی، حال اور مستقبل کا تفصیلی علم اسی کے پاس ہے۔ دنیا و آخرت، زمین و آسمان اور ما بینہما کی ہر ہر بات کو وہی جانتا ہے۔۔۔ وہی جانتا ہے کہ اس زمین میں صحرا کتنے ہیں۔۔۔ ریت کے ٹیلے کتنے ہیں اور ان میں ریت کے ذروں کی تعداد کیا ہے؟۔۔۔ اس دنیا میں سمندر، دریا، ندیاں، نہریں، نالے، چشمے اور آبشاریں کتنی ہیں اور پانی کی مقدار کیا ہے؟۔۔۔ اس دنیا میں درخت کتنے ہیں اور ان کی ٹہنیوں پر لگنے والے پتوں، پھولوں اور پھلوں کی تعداد کیا ہے؟۔۔۔ اس دنیا میں کتنے انسان اپنی زندگی کے ایام مکمل کر کے فنا کے گھاٹ اتر چکے ہیں اور اس وقت کتنے انسان اور جنات بس رہے ہیں؟۔۔۔ اس وقت وہ زندگی کے کتنے ایام بسر کر چکے ہیں اور باقی کتنے ایام انہوں نے دنیا میں بتانے ہیں؟

زمین پر رینگنے والا ہر جاندار کہاں پیدا ہوا؟۔۔۔ اس کے رشتے دار کون کون

ہیں؟۔۔۔ یہ باقی ایام کہاں گذارے گا؟۔۔۔ پھر کب مرے گا؟۔۔۔ کیسے موت واقع ہوگی اور کہاں مرے گا؟۔۔۔ اور پھر اس کا جسم کہاں سپرد ہوگا؟

اس زمین میں کیڑے مکوڑے، مکھیاں، مچھر اور چیونٹیوں کی تعداد کیا ہے؟۔۔۔ سمندر میں کتنی مخلوق آباد ہے؟۔۔۔ وہ زندگی کس طرح بسر کر رہی ہے؟

آسمانوں میں کیا کچھ ہے۔۔۔ آسمانوں سے اوپر کی اشیاء (عرش وکرسی، جنت ودوزخ، سدرۃ المنتہٰی اور جنت الماویٰ، فرشتے اور حور وقصور کی تعداد اور ان کا علم۔۔۔ آسمانوں کی وسعت کیا ہے؟ چاند، سورج اور ستاروں کی رفتار کیا ہے؟۔۔۔ بادلوں میں پانی کی مقدار کیا ہے؟۔۔۔ بارش کب برسے گی؟۔۔۔ کتنی برسے گی؟۔۔۔ کتنے قطرے زمین پر گریں گے؟۔۔۔ بارش مفید ہوگی یا غیر مفید؟۔۔۔ ہر ہر مادہ کے پیٹ میں کیا ہے؟۔۔۔ مدتِ حمل کتنی ہے؟۔۔۔ بچوں کی تعداد کیا ہے؟۔۔۔ رحم میں پلنے والا بچہ ناقص الاعضا ہوگا یا کامل الاعضاء؟۔۔۔ خوبصورت ہوگا؟۔۔۔ قبول صورت ہوگا یا بدصورت ہوگا؟۔۔۔ اس کا رنگ کیا ہوگا؟۔۔۔ نیک بخت ہوگا یا بدبخت ہوگا؟

اسے کہتے ہیں تفصیلی، مکمل اور کلی علم۔۔۔ یا علم غیب۔۔۔ اور یہ خاصہ مخلوق میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے یہ صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی کی صفتِ خاص ہے۔۔۔ قرآن کریم نے اسے جگہ جگہ پر بیان فرمایا ہے۔۔۔ آپ قرآن کریم کی تلاوت کریں آپ کو کئی جگہوں پر ملے گا (اللہ کا صفاتی نام اَلْعَلِیْمُ ایک سو ستاون مقامات پر آیا ہے)

وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (مائدہ 97) وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بقرہ 29) اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (آل عمران 119) وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (بقرہ 33) میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔۔۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (الحشر 22)۔۔۔ جو چیزیں لوگوں سے پوشیدہ ہیں اور جو چیزیں لوگوں کے

سامنے ہیں سب کو جاننے والا ہے۔
لغت کے مشہور امام ابن منظور افریقی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف لسان العرب میں لکھتے ہیں:

لَمْ يَزَلْ عَالِماً وَّلَا يَزَالُ عَالِماً بِمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ ۔۔۔ اللہ رب العزت ہمیشہ سے جاننے والا اور ہمیشہ جانتے رہیں گے ۔۔۔ وَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ خَافِيَةٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۔۔۔ اس سے زمین و آسمان کی کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے ۔۔۔ أَحَاطَ عِلْمُهٗ بِجَمِيْعِ الْأَشْيَاءِ بَاطِنِهَا وَظَاهِرِهَا دَقِيْقِهَا وَجَلِيْلِهَا ۔۔۔ اللہ رب العزت کا علم تمام چیزوں کے ظاہر و باطن اور ہر چیز کی باریکیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔
قرآن مجید نے ایک جگہ پر اللہ رب العزت کے علم کی وسعت کو یوں بیان فرمایا ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِيْنٍ (انعام:59)

اور اسی کے پاس ہیں غیب کے خزانے (چابیاں) جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ بحر و بر کی ہر شئی کو جانتا ہے اور کوئی پتا (درخت سے ٹوٹ کر) نہیں گرتا مگر اللہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور ہری یا سوکھی چیز نہیں مگر وہ روشن کتاب (علم الٰہی یا لوحِ محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔
اس آیت کریمہ میں مفاتح الغیب سے مراد ان پانچ چیزوں کا تفصیلی علم ہے جس کا تذکرہ سورۃ لقمان کی آخری آیت کریمہ میں ہوا۔ (بخاری جلد:2 ص:681)
سورۃ لقمان کی آخری آیت میں ارشاد ہوا:

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ

عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (لقمان:34)

یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم (جس کے وقوع کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا) اور وہی بارش برساتا ہے (یعنی بارش کے برسنے کا تفصیلی علم، کب برسے گی، کتنی دیر برسے گی، کتنے قطرے زمین پر گریں گے، ساتھ ژالہ باری بھی ہوگی یا نہیں، بارش لوگوں کے لیے اور ان کی فصلوں کے لیے مفید ہوگی یا غیر مفید) وہی جانتا ہے جو کچھ (حاملہ کے) پیٹ میں ہے (یعنی اس پرورش پانے والے بچے کا تفصیلی علم، بچہ ایک ہے یا ایک سے زیادہ، پیٹ میں کتنی مدت سے ہے اور آئندہ کتنی مدت تک رہے گا، اعضا اس کے کامل ہیں یا ناقص، خوبصورت ہے یا بدصورت عالم ہوگا یا جاہل، سعید ہوگا یا شقی، امیر ہوگا یا غریب) اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا یقیناً اللہ ہی ہے سب کچھ جاننے والا خبردار۔

سورۂ رعد میں اپنے علم کی وسعت کو کتنے حسین انداز میں بیان فرمایا: اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ (رعد 8,9,10)

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں اٹھاتی ہے ہر مادہ (کہ نر ہے یا مادہ، پورا ہے یا ادھورا، صالح ہے یا بد، حسین ہے یا بدصورت، گورا ہے یا کالا) اور پیٹ کے سکڑنے اور بڑھنے کو بھی وہی جانتا ہے (یعنی حاملہ کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا ایک سے زیادہ، پورا بن چکا ہے یا ابھی نامکمل ہے، تھوڑی مدت میں جنم لے گا یا زیادہ میں) اور ہر چیز کا اس کے ہاں اندازہ مقرر ہے (یعنی اپنے علم بسیط ومحیط کے مطابق ہر چیز کو ہر حالت میں اس کے اندازہ اور استعداد کے مطابق رکھتا ہے) اللہ ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جاننے والا ہے وہ سب سے بڑا اور عالی مرتبہ ہے تم میں سے کوئی آہستہ بات کرے یا زور سے بولے یا رات کو کہیں چھپ

جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اللہ کے ہاں) سب برابر ہے۔

سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ علم کو یوں بیان فرمایا: وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (یونس:61)

اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہیں پڑھتے آپ اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) قرآن اور (صرف نبی نہیں بلکہ) نہیں کرتے ہو تم لوگ کوئی کام مگر ہم تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں جب تم اس کام میں مصروف ہوتے ہو اور تیرے رب سے پوشیدہ نہیں رہتا ایک ذرہ بھر زمین میں اور آسمان میں اور نہ کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر یہ سب روشن کتاب (لوحِ محفوظ، علم الٰہی) میں لکھی ہوئی ہے۔

سورۃ سبا میں اپنے علم کی وسعت کو یوں بیان فرمایا:

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ (سبا:2)

وہی (اللہ) جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے (مثلاً جانور، کیڑے مکوڑے، نباتات کا تخم اور بیج، بارش کا پانی، مردہ کی لاش وغیرہ) اور جو کچھ زمین میں سے نکلتا ہے (مثلاً کھیتی، سبزہ، معدنیات، پانی، تیل کے ذخائر، کوئلہ وغیرہ) اور جو کچھ آسمان کی طرف چڑھتا ہے (مثلاً ارواح، اعمال، دعائیں، ملائکہ وغیرہ) اور وہی ہے رحم کرنے والا بخشنے والا۔

سورۃ آل عمران میں اللہ رب العزت نے اپنی الوہیت و معبودیت پر اپنے علم کی وسعت ہی کو بطور دلیل پیش فرمایا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (آل عمران 5)

یقیناً اللہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

اسی بات کو سورۃ الانعام میں کچھ تفصیل کے ساتھ یوں بیان فرمایا:

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ (انعام:3)

اور وہی اللہ آسمانوں اور زمین میں معبود ہے (کیونکہ) تمہاری کھلی اور چھپی سب باتوں کو وہی جانتا ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو (اس کا بھی) مکمل علم اللہ کو ہے۔

سورۃ طٰہٰ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت و معبودیت پر اپنے علم کی وسعت کو بطور دلیل پیش فرمایا: وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى (طٰہٰ:7)

اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو اس کی کیا ضرورت ہے) اللہ تو پوشیدہ بلکہ پوشیدہ تر چیز کو بھی جانتا ہے۔

اَلسِّر راز کو کہتے ہیں اور راز وہ ہوتا ہے جو بندے کے دل میں آ گیا ہے مگر اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو اس کا علم اور خبر نہیں ہے۔ اور اَخْفٰی کا مطلب ہے ایسا راز جو ابھی تک بندے کے ذہن میں اور دل میں نہیں آیا۔۔۔ سال بعد یا دس سال بعد آئے گا اللہ اسے بھی اب جانتا ہے۔

اسی حقیقت کو سورۃ ق میں یوں بیان فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق:16)

یقیناً ہم نے انسان کو بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں ان باتوں کو جو اس کے دل میں آتی رہتی ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں۔

اسی حقیقت کو اور اسی بات کو قیامت کے دن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بیان کریں گے جسے قرآن میں سورۃ مائدہ کے اندر بیان فرمایا گیا کہ اللہ قیامت کے دن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے۔

کیا تم لوگوں سے یہ کہہ کر آئے تھے کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا لینا۔۔۔ ہماری بھی پوجا پاٹ کرنا، ہمارے نام کی نذر و نیاز دینا اور ہمیں حاجات میں پکارنا؟

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس سوال پر کانپ اٹھیں گے اور جواب دیتے ہوئے کہیں گے کہ جس بات کے کہنے کا مجھے حق ہی حاصل نہیں میں وہ بات کیسے کہہ سکتا تھا۔

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۔۔۔ اگر میں نے یہ ناپاک اور خبیث بات کہی ہوگی تو یقیناً تیرے علم میں ہوگی۔

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ (المائدہ:116)

تو میرے دل کے اندر کی بات (بھی) جانتا ہے اور میں تیرے دل کی بات کو نہیں جانتا۔

مولا! تو تو میرے دل کے راز اور بھید تک کو جانتا ہے۔۔۔ مولا! یہ خبیث اور ناپاک وسوسہ تو میرے دل میں بھی کبھی نہیں آیا۔

اسی حقیقت کو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحتیں کرتے ہوئے بیان فرمایا۔۔۔ حضرت لقمان انتہائی حکیم، دانشمند اور زیرک آدمی تھے انہوں نے انتہائی خوبصورت اور دلنشین انداز اور ترتیب سے اپنے بیٹے کو نصائح فرمائے۔ سب سے پہلے اکبر الکبائر شرک سے روکا اور اسے ظلم عظیم قرار دیا، پھر دل میں خشیتِ الٰہی اور تقویٰ پیدا کرنے کے لیے فرمایا:

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (لقمان:16)

اے میرے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر میں (پوشیدہ) ہو یا آسمانوں (کی بلندیوں) میں ہو یا زمین میں ہو اسے اللہ لا حاضر کرے گا

(کیونکہ) اللہ باریک بین خبردار ہے۔

آیت الکرسی کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ایک دعویٰ پیش فرمایا ہے اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔۔۔کہ اس پوری کائنات میں میرے سوا کوئی بھی الٰہ اور معبود نہیں ہے۔۔۔اس دعویٰ پر اللہ نے کئی دلائل دیئے، ان دلائل میں سے ایک دلیل میں اپنے علم کی وسعت کو بیان فرمایا۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اللہ جانتا ہے جو کچھ مخلوق کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اسے بھی اللہ جانتا ہے اور جو کچھ لوگوں سے پوشیدہ اور اوجھل ہے اسے بھی اللہ ہی جانتا ہے یہ اسی مفہوم کو بیان کر رہا ہے جو عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کا ہے۔ یعنی جو کچھ لوگوں سے پوشیدہ ہے اور جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اللہ سب کو برابر جانتا ہے۔

کچھ علمائے کرام کا خیال یہ ہے کہ یہ محاورہ ہے جس کے ساتھ اللہ رب العزت نے اپنے احاطۂ علمی کو بیان فرمایا ہے۔ یعنی زمین وآسمان کی تمام مخلوقات کے ہر قسم کے ظاہر وباطن اور گذشتہ وآئندہ کے حالات وواقعات کو جاننے والا اللہ ہی ہے۔

ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ سے مراد مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد کے حالات وواقعات مراد ہیں جن کو صرف اللہ رب العزت ہی جانتا ہے۔

منفی پہلو سامعین گرامی قدر! میری پیش کردہ معروضات سے اتنی حقیقت تو آپ نے سمجھ لی ہوگی کہ علم غیب خاصۂ الٰہی ہے۔۔۔وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وہی ہے، وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بقرہ 231) اسی کا دعویٰ ہے، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (آل عمران 119) اس کا اعلان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ 115) وَهُوَ بِكُلِّ

شَيْءٍ عَلِيمٌ (یاسین 79) اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (نحل 28) يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ (هود 5) يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ (رعد 42) عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (حشر 22) وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (انعام 59)

ان کے علاوہ بھی کئی آیات ہیں جن سے اللہ رب العزت کے علم کی وسعت ثابت ہوتی ہے۔۔۔جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب صرف اور صرف وہی ہے۔

اب میں آپ کے سامنے اس مسئلے کا منفی پہلو بھی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ یہ مسئلہ واضح طور پر آپ کے ذہن نشین ہو جائے۔۔۔۔قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے غیر اللہ سے علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔ سورت نمل میں پہلے اپنی قدرت و تصرف اور طاقت و تسلّط اور اختیار و اقتدار کا تذکرہ فرمایا اور پھر ارشاد ہوا:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (النمل:65)

میرے پیغمبر! آپ اعلان کریں کہ آسمان و زمین میں بسنے والی مخلوق غیب کا علم نہیں رکھتی سوائے اللہ کے (غیب کی ہر ہر بات کو جاننا تو دور کی بات ہے) انہیں تو اتنا بھی علم نہیں کہ وہ کب اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے۔

آسمانوں میں بسنے والے کون ہیں؟ یقیناً اللہ کے مقرب ترین ملائکہ مراد ہیں۔۔۔وہ غیب کا علم تو کجا انہیں تو سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کرنے میں جو حکمتیں پوشیدہ تھیں ان کا بھی علم نہ ہو سکا جب انہوں نے کہا کہ اولاد آدم زمین میں فساد اور خون ریزی کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ 30)

جو کچھ میں جانتا ہوں تم اسے نہیں جانتے۔

پھر تخلیق آدم کے بعد فرشتوں سے چند چیزوں کے نام اور ان کے خواص کے

بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے واضح طور پر اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (بقرہ 32)

تیری ذات پاک ہے (یعنی علم غیب تیری صفت ہے اور تو اپنی صفات میں شریکوں سے پاک ہے قرطبی جلد 1 ص:58) ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے، بیشک ہر ہر شئی کا جاننے والا حکمت والا تو ہی ہے۔

زمین والے اور زمین میں بسنے والے کون ہیں؟ انبیاء کرام علیہم السلام زمین کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ و افضل ہستیاں ہیں بلکہ وہ تو آسمان والوں سے بھی بلند تر اور بالا قدر ہیں۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو باقی تمام مخلوق سے علم و دانش، فہم و فراست، عقل و دانائی اور دیگر تمام اوصاف و کمالات میں منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے۔

اللہ رب العزت نے جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے اسی طرح علمی اعتبار سے بھی ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں، جنت و جہنم میں پیش آنے والے حالات، قبر و حشر کی تفصیلات اور اس قسم کی دیگر بے شمار غیب کی باتیں اپنی اپنی امت کو بتائیں۔ مگر باوجود اتنے علوم کے اور باوجود اتنے کمالات و اوصاف کے اور باوجود اتنے مقام و مرتبہ کے انہیں علم غیب کی صفت سے نہیں نوازا گیا۔

قرآن کریم نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے چند اولوالعزم نبیوں کے حالات و واقعات کا جو تذکرہ فرمایا ہے۔۔۔ انہیں غور سے پڑھیں تو معمولی سمجھ اور شعور رکھنے والے ہر شخص پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ علم غیب کی صفت سے مالا مال نہیں تھے۔ یہ مختصر سا وقت مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں ان واقعات کو تفصیلا بیان کروں۔۔۔ مگر آپ کو سمجھانے کے لیے اور آپ کو توجہ دلانے کے لیے صرف چند اشارے کروں گا۔ (خطباء حضرات اسے تفصیلا بھی بیان کر سکتے ہیں)

سیدنا آدم علیہ السلام اگر عالم الغیب ہوتے تو ابلیس کے چکر اور چال میں آکر ممنوعہ درخت کا پھل کیوں کھاتے اور اللہ رب العزت یہ کیوں فرماتے فَنَسِیَ ۔۔۔ آدم بھول گئے، جو بھول جائے وہ عالم الغیب کیسے ہوسکتا ہے۔
(تفصیل کے لیے دیکھیے بقرہ 26، اعراف 19 طٰہٰ 115)

سیدنا نوح علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو اپنے مشرک بیٹے کے لیے سفارش کیوں کرتے اور اللہ رب العزت کو جواب میں یہ کیوں کہنا پڑتا: فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ۔۔۔ جس بات کا آپ کو علم نہیں ہے اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کیجیے۔ (ھود 47)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اگر عالم الغیب ہوتے تو بشری لبادہ میں آنے والے فرشتوں کی مہمان نوازی کے لیے بچھڑا کیوں ذبح کرتے؟ پھر ان کے کھانے کی طرف مائل نہ ہونے پر خوف زدہ کیوں ہوتے؟ (دیکھیے ھود 69)

سیدنا لوط علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو انہی فرشتوں کو جو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں ان کے ہاں پہنچے تھے دیکھ کر کیوں گھبراتے؟ ھٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ (ھود 77) آج کا دن بڑا سخت دن ہے کیوں فرماتے؟

سیدنا یعقوب علیہ السلام اگر عالم الغیب ہوتے تو بیٹوں کے مشوروں سے باخبر ہوتے پھر یوسف علیہ السلام کو ان کے ہمراہ کبھی روانہ نہ فرماتے۔ سورۃ یوسف پڑھیے۔۔۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے درد بھرے اور نصیحت آموز واقعہ کے ایک ایک موڑ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام عالم الغیب نہیں تھے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو مدین سے واپسی پر اپنے شہر مصر کا راستہ کیوں بھولتے؟ رب کی تجلی کو آگ کیوں سمجھتے؟ پھر مقدس وادی طویٰ پر جوتیوں سمیت

آتے؟ عطاء نبوت کے بعد معجزہ عطا ہوا تو لاٹھی کو سانپ بنتا ہوا دیکھ کر خوفزدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے؟ (تفصیل کے لیے دیکھیے طٰہٰ، قصص، شعراء، نمل)

سیدنا سلیمان علیہ السلام اگر عالم الغیب ہوتے تو پرندوں کی حاضریاں لگاتے؟ اور ہدہد کو موجود نہ پاتے تو فرماتے مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ (النمل 20) مجھے کیا ہو گیا ہے میں ھدھد کو نہیں دیکھ رہا یا وہ بھی ان چیزوں میں سے ہو گیا ہے جو مجھ سے پوشیدہ اور غائب ہیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو انہیں قیامت کے دن یہ کہنا پڑتا تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ---- میرے دل کی بات تو جانتا ہے اور تیرے دل کی بات میں نہیں جانتا۔

وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (مائدہ 117)

جب تک میں ان کے اندر موجود رہا اس وقت تک ان کے حالات کی خبر رکھتا تھا جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو پھر ان کا نگران اور خبر رکھنے والا تو ہی تھا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات و حالات آپ نے سماعت فرما لیے، اب میں قرآن مجید کی ایک ایسی آیت آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنے اقرار سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں۔ قیامت کے دن اللہ رب العزت تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پوچھیں گے کہ تمہاری امتوں نے تمہیں کس طرح مانا؟ امتوں کی طرف سے تمہیں کیا جواب ملا تھا؟ تمام انبیاء جواب میں کہیں گے:

لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (مائدہ 109)

ہمیں کچھ علم نہیں یقیناً پوشیدہ باتوں کا جاننے والا صرف تو ہی ہے۔

یعنی باطنی امور کا علم تو کلیۃً صرف اللہ ہی کو ہے یا اللہ رب العزت کے سوال کا تعلق انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد کے حالات سے ہو گا کہ تمہاری وفات کے بعد تمہاری امتیں کیا کرتی رہیں جیسے اگلے رکوع میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے سوال و جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اس سوال کے جواب میں کہیں گے لَا عِلْمَ لَنَا ہمیں اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم الغیب نہیں

سامعین گرامی قدر! یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مخلوقات میں سے کسی ہستی کو اگر علم غیب کی صفت عطا کی جاتی تو یقیناً وہ ہستی امام الانبیاء، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جو مجموعۂ کمالات ہیں۔۔۔۔۔آپ ہی رحمۃ للعالمین کے لقب سے مزین اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہیں۔۔۔۔آپ ہی سیّد ولد آدم کے شرف سے مشرف ہیں۔۔۔۔آپ ہی ساقی کوثر اور مقامِ محمود کے دولہا اور لواء الحمد کے حامل ہیں۔۔۔۔آپ ہی بعد از خدا بزرگ توئی کا مصداق ہیں۔۔۔۔اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت اور فہم و فراست میں آپ کو ممتاز مقام عطا فرمایا ہے۔۔۔۔مگر علم غیب جو خاصۂ الٰہی ہے اس میں آپ کو شریک نہیں بنایا گیا۔

قرآن کریم میں آپ کی زبان مقدس سے اعلان کروایا گیا: قُلْ لَّا أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُوْلُ لَكُمْ إِنِّيْ مَلَكٌ (انعام 50)

آپ اعلان کریں! میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب نہیں جانتا اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔

دوسری جگہ پر اعلان کروایا گیا:

قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ (اعراف 188)

آپ کہہ دیں کہ میں تو اپنی جان کے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں اور اگر میں

عالم الغیب ہوتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو کچھ بد باطن لوگوں کے مطالبے پر ستر جلیل القدر قراء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے ہمراہ نہ بھیجتے جنہوں نے ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔ (بخاری جلد:2 ص:946)

اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان کے سلسلہ میں ایک مہینے تک پریشان کیوں رہے۔۔۔۔۔۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہار گم ہو جانے کی صورت میں پریشان اور غمگین نہ ہوتے۔ (بخاری جلد:1 ص:68)

اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو بھول کر عصر کی نماز چار کے بجائے دو رکعتیں نہ پڑھاتے پھر یہ نہ فرماتے میں تمہاری طرح انسان ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ (مسلم جلد:1 ص:212)

سامعین گرامی قدر! اب تک جتنی گفتگو میں نے امام الانبیاء ﷺ کے بارے میں کی ہے اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کی۔۔۔ جو آیات اور احادیث پیش کی ہیں ان سے ثابت ہو رہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصاً امام الانبیاء ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔

یاد رکھیے! بحث امام الانبیاء ﷺ کے علم کے متعلق نہیں ہے۔۔۔ میرا اور میرے اکابرین کا مسلک ونظریہ اور عقیدہ ہے کہ مخلوقات میں سے سب سے زیادہ علم اللہ تعالیٰ نے میرے محبوب پیغمبر ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔۔۔ دوسرے کمالات اور اوصاف کی طرح علمی کمال میں بھی بعد از خدا بزرگ توئی کا حقیقی مصداق آپ ہی ہیں۔۔۔ ایک اللہ سے کم اور ساری مخلوق سے زیادہ علم آپ ہی کے پاس ہے۔۔۔ مگر اس کے باوجود آپ کو علم غیب کی صفت سے نہیں نوازا گیا کیونکہ یہ خاصہ الٰہی ہے اور صفت ربانی ہے۔

ایک اور بات بھی آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ اللہ رب العزت نے غیب کی بے شمار خبروں کی نبی اکرم ﷺ کو اطلاع دی ہے۔خیبر میں کہا کل جھنڈا اس کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خیبر کا یہ قلعہ فتح ہوگا۔۔۔ میدانِ بدر میں دائرے کھینچ کر کفار کے مرنے کی جگہ کی نشاندہی کی۔۔۔ اپنے نواسہ سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا اس کے ذریعہ اللہ مومنوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔۔۔ قیامت کی بے شمار علامتیں اور نشانیاں بتائیں۔۔۔ یہ سب غیب کی خبریں تھیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی۔۔۔ مگر اسے علم غیب نہیں کہتے بلکہ اسے اطلاع علی الغیب کہتے ہیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ نہ چاہے تو صرف تین میل کے فاصلے پر کنویں میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی موجودگی کا علم سیدنا یعقوب علیہ السلام کو نہ ہو۔۔۔ اور اللہ اطلاع دینا چاہے تو سینکڑوں میل کی دوری سے کرتے کی خوشبوئیں سیدنا یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دے۔۔۔ اللہ نہ چاہے تو سیدنا سلیمان علیہ السلام کو ہدہد کے بارے میں علم نہ ہو اور وہ اطلاع دینا چاہے تو چیونٹی کی نحیف آواز سیدنا سلیمان علیہ السلام کو سنا دے۔۔۔ اسی حقیقت کو آیۃ الکرسی میں بیان فرمایا۔

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۔۔۔ اور مخلوق کے لوگ اللہ کے علم میں سے کسی ایک چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے (اسی قدر بتا دے)

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (البقرہ 245)

کون ہے جو اللہ کو قرض دے وہ اسے اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے گا اور اللہ تنگی کرتا ہے اور کشادگی کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ میں میرے مولا نے مجھے توفیق مرحمت فرمائی تو میں اللہ رب العزت کے دو متضاد ناموں اَلْقَابِضُ اور اَلْبَاسِطُ کا مفہوم بیان کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات متضاد صفات سے متصف ہے اور اس طرح وہ مجموعۂ اضداد ہے۔۔۔ منطق اور فلسفہ کے علماء کا کہنا یہ ہے کہ اجتماعِ ضدّین ناممکن اور محال ہے۔۔۔ جیسے دن اور رات۔۔۔ سردی اور گرمی۔۔۔ صبح اور شام۔۔۔ روشنی اور اندھیرا۔۔۔ زمین اور آسمان۔۔۔ عالم اور جاہل۔۔۔ مرد اور عورت۔۔۔ مردہ اور زندہ۔۔۔ توحید اور شرک۔۔۔ سنت اور بدعت۔۔۔ آنِ واحد میں یہ متضاد چیزیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

ظاہر بات ہے کہ دن ہوگا تو اس وقت رات نہیں ہوگی، سردی ہوگی تو اس وقت گرمی نہیں ہوگی وغیرہ وغیرہ، مگر اللہ رب العزت کی ذات آنِ واحد میں قابض (تنگی کرنے

والا) بھی ہے اور باسط (فراخی کرنے والا) بھی ہے۔۔۔ وہ آنِ واحد میں اَلرَّافِعُ (بلند کرنے والا) بھی ہے اور اَلْخَافِضُ (پست کرنے والا) بھی ہے۔۔۔ وہ آنِ واحد میں اَلْمُعِزُّ (عزت دینے والا) بھی ہے اور اَلْمُذِلُّ (ذلیل کرنے والا) بھی ہے۔۔۔ وہ مُحیی بھی ہے اور مُمیت بھی۔۔۔ وہ قہار بھی ہے اور رحیم بھی۔

اَلْقَابِضُ۔۔۔ قَبْضٌ سے ہے اور قبض کے معنی ہیں پورے ہاتھ کے ساتھ کسی چیز کو لے لینا، اس کا استعمال دونوں طرح پر ہے یعنی ایک چیز کو دوسرے سے لے کر اپنے پاس رکھنا یا ایک چیز دوسرے کو دینے سے ہاتھ روک لینا۔

امام راغب نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف مفردات میں اَلْقَابِضُ اور اَلْبَاسِطُ کی کئی توجیہات کی ہیں یعنی اللہ کبھی ایک چیز لے لیتا ہے کبھی عطا کر دیتا ہے یا ایک قوم سے لے کر دوسری قوم کو دے دیتا ہے یا کبھی مارتا ہے اور کبھی زندہ کرتا ہے۔

اور ایک معنی یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کو اپنی طرف لے لیتا ہے اور پھر اس کو بڑھاتا رہتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص کے اعمال جب قیامت کے دن نیکی والے پلڑے میں کم پڑ جائیں گے تو اللہ رب العزت ایک پہاڑ کے برابر نیکی اس کے پلڑے میں رکھیں گے وہ حیران ہو کر اس عظیم نیکی کے بارے میں دریافت کرے گا تو ارشاد ہو گا یاد کر تو نے ایک دن کھجور کا ایک دانہ میری راہ میں صدقِ نیت سے خیرات کیا تھا ہم نے اسے بڑھا کر آج پہاڑ بنا دیا ہے۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ اَىْ فِىْ كُلِّ شَيْءٍ مِّنَ الْاَخْلَاقِ وَالْاَرْزَاقِ وَالْاَشْبَاحِ وَالْاَرْوَاحِ اِذَا قَبَضَ فَلَا طَاقَةَ وَاِذَا بَسَطَ فَلَا فَاقَةَ

اللہ رب العزت ہر چیز میں تنگی اور کشادگی فرماتے ہیں خواہ وہ اخلاق ہوں۔۔۔

روزی ہو۔۔۔اجساد یا ارواح ہوں جب اللہ کسی چیز میں تنگی فرمادیں تو کسی میں کشادگی کرنے کی طاقت نہیں اور جب اللہ کشادگی پیدا فرمادیں تو اس میں رکاوٹ ڈالنے والا کوئی نہیں۔(مرقاۃ جلد:5 ص:81)

کچھ علماء نے کہا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یَقْبِضُ الْاَرْوَاحَ عَنِ الْاَشْبَاحِ عِنْدَ الْمَمَاتِ وَ یَنْشُرُ الْاَرْوَاحَ فِی الْاَجْسَادِ عِنْدَ الْحَیَاتِ

اَلْقَابِضُ وہ ہستی ہے جو موت کے وقت روحوں کو جسموں سے قبض کرتی ہے اور حیات بخشنے کے لیے روحوں کو جسموں میں پھیلا دیتی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے:

قَبْضُ الْقُلُوْبِ وَبَسْطُهَا تَارَةً بِالضَّلَالِ وَالْهُدٰی وَتَارَةً بِالْخَشْیَةِ وَالرَّجَاءِ

قبض اور بسط دلوں پر کبھی تو گمراہی اور ہدایت کے اعتبار سے ہوتا ہے (یعنی کچھ دلوں کو ہدایت کے لیے کھول دیتے ہیں اور بعض دلوں کو گمراہی سے تنگ کر دیتے ہیں) اور کبھی یہ قبض و بسط (یعنی کشادگی اور تنگی) خوف اور امید کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت کے یہ دونوں نام اَلْقَابِضُ اور اَلْبَاسِطُ بطور اسماء قرآن میں موجود نہیں ہیں البتہ قرآن کی آیات کریمہ سے ان ناموں کا استخراج ہو سکتا ہے۔

ایک جگہ پر ارشاد ہوا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔۔۔تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو خیرات و صدقات کر کے اللہ کو قرض حسنہ دے دے (یہ اللہ کی مہربانی اور شفقت ہے کہ اپنے راستے میں خرچ کرنے کو قرضہ سے تعبیر کر دیا ورنہ تو ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سارے کا سارا اسی کا ہے)

فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً۔۔۔اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا

فرمائے گا۔ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ۔۔۔اور اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا: اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ (بنی اسرائیل 30)

بیشک تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو برابر روزی عطا نہیں فرمائی۔ سب کو ایک جیسا مالدار اور دولتمند نہیں بنایا بلکہ اس علیم و بصیر اور حکیم و خبیر نے جس کے لیے بسط یعنی فراوانی اور کشادگی رکھی ہے اس کے لیے روزی میں کشادگی ہی بہتر تھی اور جس کے لیے قبض یعنی تنگدستی و غربت رکھی ہے اس کے لیے روزی میں تنگی ہی بہتر تھی۔

اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ (الشوریٰ: 27)

اگر اللہ سب بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فتنہ و فساد بپا کر دیتے مگر وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے وہ اپنے بندوں کے حالات سے پورا پورا باخبر ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر دنیا کے ہر فرد پر ہر قسم کی نعمت و رحمت اور روزی اور دولت کی فراوانی کر دی جاتی تو انسانوں کے مابین سرکشی اور فساد اور جھگڑے حد سے بڑھ جاتے۔۔۔ اگر سب دولتمند ہوتے، سب مالدار ہوتے تو پھر کوئی کسی کا محتاج نہ رہتا۔۔۔ کوئی کسی کے آگے نہ دبتا۔۔۔ پھر جوتیاں کون بناتا۔۔۔؟ کپڑے کون سیتا اور دھوتا۔۔۔؟ بال کون کاٹتا۔۔۔؟ سڑکوں اور گلیوں کی صفائی کون کرتا۔۔۔؟ مکان کی تعمیر میں مزدوری کون کرتا۔۔۔؟ اینٹیں کون بناتا۔۔۔؟ شادیوں اور خوشیوں کے مواقع پر

خدمت کون کرتا۔۔۔؟

اور ویسے بھی دولت اور مال جتنا بڑھتا چلا جاتا ہے حرص وہوس میں بھی اتنا ہی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ حرص وہوس کی بہتات اور دولت کی فراوانی انسان میں تکبر پیدا کرتی ہے اور تکبر کا نتیجہ ظلم وزیادتی کی صورت میں نکلتا ہے۔ پھر انسان غریبوں پر ظلم کرتا ہے۔۔۔ ناداروں کے پنجے مروڑتا ہے۔۔۔ مسکینوں کو حقیر سمجھتا ہے۔۔۔ فقیروں سے بے اعتنائی برتتا ہے۔۔۔ پھر وہ دوسروں کی املاک پر قبضہ جمانے کے لیے اپنے وسائل استعمال کرتا ہے۔۔۔ دوسروں کی زمینوں پر ناجائز قبضے کرتا ہے۔۔۔ لڑائی، جھگڑے، فتنہ وفساد کے بازار گرم ہوتے ہیں۔

آنکس کہ توانگرت نمی گرداند   کہ اُو مصلحت تُو از تُو بہتر داند

جس کو اللہ تعالیٰ نے مالدار نہیں بنایا (وہ پریشان نہ ہو) کہ وہ ذات تیری مصلحت کو تجھ سے بہتر جانتی ہے۔

اس لیے اللہ رب العزت نے ہر انسان کو ہر قسم کی نعمت اور ہر قسم کی روزی دینے کے بجائے ان نعمتوں کو اور روزی کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ کسی کے ہاں مال زیادہ ہے اور کسی کے ہاں کم۔۔۔ کسی کے پاس دولت کی فراوانی ہے اور کوئی حاجتمند۔۔۔ کوئی زمیندار اور کوئی مزارع۔۔۔ کوئی مل اونر اور کوئی مزدور۔۔۔ کوئی مالک اور کوئی نوکر۔۔۔ کسی کو صحت وقوت میں دوسروں پر برتری عطا کی ہے اور کسی کو حسن وجمال کی نعمت سے مالامال فرمادیا ہے۔۔۔ کسی پر رحمت فرمائی اور اسے علم وحکمت کی دولت سے سرفراز کیا۔

غرضیکہ ہر شخص کسی نہ کسی چیز کے لیے دوسروں کا محتاج ہے اور اسی باہمی احتیاج پر تمدن اور معاشرہ کی عمارت قائم ہے۔۔۔۔۔ روزی اور رزق کی کشادگی اور فراوانی عطا کرنے پر آئے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو ایک چٹیل میدان میں کھانے کے لیے من وسلویٰ سے نواز دے، انہیں پیاس محسوس ہو تو پتھروں سے بارہ چشمے جاری کر

دے۔۔۔ مائی مریم کو بند کمرے میں بے موسمے پھل عطا کر دے۔۔۔ تنگی کرنے پر آئے تو سیدنا زکریا علیہ السلام کو ایک سو بیس سال کی عمر تک اولاد کی نعمت سے محروم رکھے اور پھر کشادگی کرنے پر آئے تو بانجھ بیوی سے یحیٰ جیسا فرزند مرحمت فرمادے۔

تنگی کرنے پر آئے تو سیدنا یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ کا لقمہ بنادے اور کشادگی کا مظاہرہ کرنے پر آئے تو انہیں صحیح سلامت باہر لے آئے۔

تنگی کرنے پر آئے تو سیدنا ایوب علیہ السلام سے گھر بار، مال و دولت، اہل وعیال اور صحت واپس لے کر انہیں تنگدست اور بیمار کردے اور پھر کشادگی کا مظاہرہ کرنے پر آئے تو چشمہ جاری کر کے ان کی اندرونی اور بیرونی بیماریاں دور کر کے پھر ہر لحاظ سے خوشحال بنا دے۔

تنگی کرنے پر آئے تو حنین میں بارہ ہزار کے مسلح لشکر کو چار ہزار کفار کے لشکر کے مقابلے میں بھاگنے پر مجبور کردے وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ۔۔۔ اور پھر کشادگی کرنے پر آئے تو انہیں دوبارہ منظم کر کے اور فرشتوں کو اتار کر انہیں فتح سے ہمکنار کر دے۔

تنگی کرنے پر آئے تو میدانِ احد میں عطا شدہ فتح کو عارضی شکست میں تبدیل کر دے اور اصحاب رسول کے پاؤں اکھاڑ دے اور پھر کشادگی کرنے پر آئے تو کفار کے قدم اکھاڑ دے۔

تنگی کرنے پر آئے تو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین صحابہ پر یوں تنگی کرے کہ ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ۔۔۔ زمین ان پر تنگ کردے اور پھر کشادگی کرنے پر آئے تو ان کی توبہ قبول کر کے رحمت کی چادر ان پر پھیلا دے۔

سامعین گرامی قدر! اَلْبَاسِطُ وہ ہے جس نے چلتے ہوئے پانی پر زمین کا فرش بچھا دیا۔۔۔ پھر زمین کے سینے پر طرح طرح کے جاندار پھیلا دیئے۔۔۔ زمین کے اوپر

سمندروں، دریاؤں، نہروں اور ندیوں نالوں کے جال بچھا دیئے۔۔۔ اَلْبَاسِطُ وہ ہے جس نے فضاؤں میں پہاڑ جیسے بادلوں کو بچھا دیا۔۔۔ سطح زمین پر پھول، پھل، سبزیاں، ترکاریاں، بوٹیاں اور جانور بکھیر دیئے۔۔۔ اَلْبَاسِطُ وہ ہے جس نے ہمارے اوپر آسمانوں کو پھیلا دیا اور انہیں بغیر کسی ستون کے قائم کر دیا۔۔۔ آسمانوں پر ستاروں کے جال بکھیر دیئے۔۔۔ اَلْبَاسِطُ وہ ہے جس نے ہمارے جسم میں رگ اور پٹھے بچھا دیئے ہیں۔

اَلْقَابِضُ کسی معاملے میں تنگی کرنا۔۔۔ رزق میں، دولت میں، بارش میں، صحت میں، اولاد میں۔۔۔ یہ اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے کیونکہ اس کے صفاتی ناموں میں ایک نام اَلْقَابِضُ بھی ہے، وہی ہے جو لوگوں کو اقتدار اور بادشاہی بخشتا ہے اور پھر اچانک اقتدار اور بادشاہی سے محروم کر کے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دھکیل دیتا ہے اور کبھی کبھی تختہ دار پر لٹکا دیتا ہے۔

ہماری سیاست کا ایک نامور نام ذوالفقار علی بھٹو ہے۔ 1970ء کے الیکشن میں انہیں عوام کی طرف سے ایسی پذیرائی ملی جس کی مثال ملنا بھی مشکل ہے۔۔۔ وہ لوگوں کے دلوں میں چراغ بن کے جگمگاتے تھے۔۔۔ وہ وزارتِ عظمٰی کے عہدے تک پہنچے پھر 1977ء میں ایک زبردست تحریک کے نتیجے میں وہ اقتدار سے محروم ہوئے اور 1978ء میں انہیں قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا ہوئی۔

مغل بادشاہوں میں شاہ جہان کا نام ایک نمایاں نام ہے جن کی سلطنت کے طول وعرض کا اندازہ بھی مشکل ہے۔۔۔ انگریز جب ہندوستان پر قابض ہوئے تو ایک روز وائسرائے ہند شاہ جہان کی تعمیر کردہ مسجد۔۔۔ شاہی مسجد دہلی کو دیکھنے کے لیے آیا۔ معائنہ کرنے کے بعد واپس جانے لگا تو دیکھا کہ سیڑھیوں پر فقیر اور گدا کھڑے ہیں۔۔۔ اس نے ہماری لوٹی ہوئی دولت پر حاتم طائی بنتے ہوئے ہر فقیر کو ایک ایک روپیہ دیا۔۔۔ فقیروں میں دس بارہ سال کی ایک لڑکی بھی کھڑی تھی۔۔۔ وائسرائے نے جب

روپیہ اس کی ہتھیلی پر رکھا تو اس نے اسے دور پھینکا اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے وائسرائے کی طرف پیٹھ کرکے کھڑی ہوگئی۔

وائسرائے ہند غصہ سے لال سرخ ہوگیا۔۔۔ سیکورٹی کے لوگوں نے لڑکی کو غور سے دیکھا اور پہچان لیا کہنے لگے۔۔۔ جناب یہ مسجد جو آپ دیکھ کر آرہے ہیں سابق شہنشاہ ہند شاہ جہان کی بنائی ہوئی ہے یہ لڑکی اس کی پوتی ہے۔۔۔ اللہ اللہ! دادا بادشاہوں کا بادشاہ اور پوتی کو اس نے فقیروں اور منگتوں میں کھڑا کردیا۔

یہ واقعہ پڑھ کر ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو دولتمند ہیں اور لاکھوں کروڑوں میں کھیلتے ہیں کہ دولت بڑی بے وفا چیز ہے یہ کسی کے پاس رہ کر فائدہ اور نفع نہیں پہنچاتی اور ہمیشہ کسی کے پاس رہتی بھی نہیں ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ (الھمزہ 1 تا 4)

بڑی خرابی اور ہلاکت ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہے جو مال کو جمع کرکے گنتا رہتا ہے سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا ہرگز نہیں وہ تو توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

سامعین گرامی قدر! جب اَلْبَاسِطُ اور اَلْقَابِضُ صرف اور صرف وہی ہے، جب روزی کی تنگی اور فراوانی اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر روزی کی کشادگی اور فراوانی کے لیے اسی کے دروازے پر دستک دینی چاہیے۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (عنکبوت 17)

اللہ کے سوا جن کی پوجا پاٹ تم کررہے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں پس

تمہیں چاہیے کہ تم اللہ ہی سے روزی طلب کرو (چونکہ رازق وہی ہے) اس لیے اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر بجالاؤ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

امام الانبیاء ﷺ نے بھی یہی تعلیم دی اور یوں دعا سکھائی:

اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ

اے اللہ! ہم پر اپنی برکتوں، اپنی رحمتوں، اپنے فضل اور اپنے رزق کے دروازے کھول دے۔

اللہ رب العزت کے ان دونوں ناموں سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنی دونوں حالتوں پر نظر رکھیں۔ تنگی اور مشکلات کو اللہ رب العزت کی طرف سے آزمائش اور امتحان سمجھتے ہوئے صبر کریں اور مال و دولت، اولاد وغیرہ کی کشادگی و فراخی کو اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان سمجھ کر اس کا شکر کریں۔

اللہ رب العزت کے ان دونوں ناموں کے ساتھ مضبوط تعلق صرف اسی بندے کا ہوگا جو عزت و ذلت، صحت و بیماری، تنگدستی و خوشحالی، غمی اور خوشی، مصیبت اور راحت، ساری نعمتوں اور مصیبتوں کا دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے اور اپنا پختہ عقیدہ اور نظریہ یہ رکھے کہ اللہ کے سوا راحت اور مصیبت پہنچانے والا اور کوئی نہیں ہے کیونکہ اَلْبَاسِطُ۔۔۔ فراخی اور کشادگی کرنے والا اور اَلْقَابِضُ۔۔۔ تنگی کرنے والا صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

الرَّافِعُ، الْخَافِضُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ (مسلم جلد:1 ص:272)

یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کی بدولت کئی قوموں کے درجے بلند کرتا ہے اور اسی کی بدولت بہت سارے لوگوں کو پست کرتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں میری کوشش ہوگی کہ اللہ کے دو ناموں اَلرَّافِعُ اور اَلْخَافِضُ کے مفہوم کو بیان کروں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و مہربانی سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ رب العزت کے یہ دونوں نام بطور اسماء قرآن میں نہیں آئے۔۔۔ البتہ اَلرَّافِعُ کے مفہوم کے متعلق بہت سی آیات قرآنیہ سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کا کہنا یہ تھا کہ ہم نے انہیں قتل کر دیا ہے۔۔۔ قرآن میں ان کے اس باطل قول کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (157) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ (النساء 158.157)

یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا۔

(یہ صریح نص ہے اس بات پر کہ اللہ رب العزت نے یہود کی تمام تر تدبیروں اور سازشوں کو ناکام بنا کر اپنی قدرتِ کاملہ سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا وہ قربِ قیامت دمشق کی مسجد کے شرقی منارہ کے پاس فجر کی نماز کے وقت اتریں گے، کئی احادیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور قیامت کے قریب ان کا نزول ہوگا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ یہ تمام احادیث اور روایات ذکر کر کے فرماتے ہیں: پس یہ احادیث نبی اکرم ﷺ سے متواتر ہیں ان کے راویوں سیدنا ابوہریرہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص اور سیدنا حذیفہ بن السید رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے لوگ شامل ہیں)

سورۃ الرحمن میں اپنی کاریگری اور تخلیق کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ (الرحمن 7)

اسی (اللہ) نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر بنی اسرائیل کے ہاں پہنچے تو انہوں نے ازراہِ شرارت کہا کہ اس میں بیان ہونے والے احکام بڑے سخت ہیں یہ اللہ مہربان کی طرف سے نہیں ہو سکتے اور ہم ان پر عمل پیرا ہونے سے قاصر ہیں اس وقت اللہ نے طور پہاڑ کو سائبان کی طرح ان کے اوپر کر دیا۔۔۔ اسی کو قرآن نے بیان کیا:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ (البقرہ 63)

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور ہم نے تمہارے سروں پر کوہِ طور کو بلند کر دیا۔

مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ نبوت و رسالت والی نعمت کے لیے مکہ اور طائف کے کسی سردار اور چوہدری کا انتخاب ہونا چاہیے تھے۔ یہ مدعی رسالت نہ مالدار ہے اور نہ دنیوی اعتبار سے خوشحال ہے، نہ قبیلے کا سردار ہے اور نہ برادری کا وڈیرہ ہے پھر اسے نبوت

ورسالت جیسی دولت اور نعمت کیسے مل گئی؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔۔۔ اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَۃَ رَبِّکَ
۔۔۔کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟

یہاں رحمت سے مراد سب سے بڑی نعمت یعنی نبوت مراد ہے۔۔۔یعنی یہ ان کا کام نہیں کہ رب کی نعمتیں خاص کر کے نبوت والی نعمت یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں بلکہ یہ کام صرف اللہ رب العزت کا ہے وہی بہتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھنا ہے۔

نبوت ورسالت اور وحی وکتاب تو بڑی عظیم نعمتیں ہیں دنیا کی روزیاں اور رزق کی تقسیم بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔اس میں بھی ہم کسی کو دولت دنیا زیادہ عطا کرتے ہیں اور کسی کو کم۔۔۔تاکہ تم ایک دوسرے کے محتاج رہو اور دنیا کا کاروبار چلتا رہے۔۔۔ارشاد ہوا:

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

اور ہم نے ایک دوسرے پر درجوں میں بلند کیا ہے۔

اس آیت میں تو دنیوی روزی اور معیشت میں ایک دوسرے پر برتری مراد ہے۔

سورۃ مجادلہ میں اللہ رب العزت نے بلندی درجات کے دو سبب بیان فرمائے ہیں ایک ایمان اور دوسرا علم۔

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ 11)

اللہ ان لوگوں کے درجے بلند کرے گا جو ایمان لائے ہیں اور جنہیں علم سے نوازا گیا ہے۔

یعنی اہل ایمان کے درجے غیر اہل ایمان پر اور اہل علم کے درجے غیر اہل علم پر بلند فرمائے گا۔کفر اور جہالت پستی کا سبب ہے اور ایمان اور علم بلندی درجات کا سبب

ہے۔

علم کی بنا پر سیدنا آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائکہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔۔۔اور علم کے وصف کی بنا پر سیدنا یوسف علیہ السلام کو عظمتیں نصیب ہوئیں انہوں نے جب دیکھا کہ شاہِ مصر انہیں کوئی نہ کوئی عہدہ دینا چاہتا ہے تو انہوں نے وزارتِ خزانہ کا قلمدان طلب فرمایا:

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (یوسف 55)

آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے میں (خزانے کی) حفاظت کرنے والا (آمد و خرچ کا) بخوبی علم رکھنے والا ہوں۔

علم کے وصف کی بنا پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ اول بننے کا شرف حاصل ہوا۔۔۔اور نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنی زندگی میں اپنے مصلیٰ پر بطور امام کھڑا کیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دوسری ازواج مطہرات پر جو برتری حاصل ہے اس کا بنیادی سبب بھی علم ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ

عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ امتی پر ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ۔۔۔ہم نے آپ کے لیے آپ کے تذکرہ کو بلند کر دیا ہے۔

آپ کا ذکر اور آپ کا تذکرہ ایسے بلند فرمایا کہ اپنے اور پرائے، دوست اور دشمن سب آپ کی تعریفیں کرنے پر مجبور ہیں۔ ابو جہل بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ زمین کے اوپر اور

نیلی چھت کے نیچے میں نے محمد ﷺ سے سچا کوئی نہیں دیکھا۔ غیر مسلم شعراء بھی آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں۔ عرش اور فرش تیرے توصیفی کلمات سے گونج رہے ہیں۔۔۔ اذان میں۔۔۔ اقامت میں۔۔۔ کلمۂ توحید میں۔۔۔ جنازہ کی نماز میں۔۔۔ قبر کے سوال وجواب میں۔۔۔ اس کائنات میں بس ایک محمد ﷺ ہی ہے جس کا ذکر خیر ہر دم ہو رہا ہے اور قیامت کی صبح تک ہوتا رہے گا۔۔۔ بلکہ میدان محشر میں بھی آپ کے تذکرے ہوں گے۔۔۔ حوض کوثر کے ساقی کے طور پر۔۔۔ لواء الحمد کے حامل کے طور پر اور مقام محمود کے شافع کے طور پر۔

رَفِيعُ الدَّرَجَات سورۃ المومن میں اللہ رب العزت نے اپنی خاص پکار کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ۔۔۔ وہ اللہ بلند درجوں والا ہے عرش کا مالک ہے (یعنی وہ اتنے بلند وبالا درجات کا مالک ہے کہ مخلوق کا اس کے قریب ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ اللہ کی صفات اور اس کے اختیارات میں کسی دوسری مخلوق کے شریک ہونے کا تصور کیا جاسکے۔

اس آیت کا دوسرا مطلب اور مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ رب العزت ہی ہر کسی کے درجات کو بلند کرنے والا ہے۔ کائنات کی مختلف چیزیں بنا کر ان میں سے ایک کو باقیوں پر فضیلت وعظمت کے ساتھ بلندی عطا فرمائی۔

بے شمار مخلوقات کو پیدا فرمایا اور سب پر انسانوں کو رفعت اور بلندی اور درجہ عطا فرمایا اور اسے اشرف المخلوقات ہونے کے شرف سے نوازا اور وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ کا تاج اس کے سر پر سجایا۔

پھر انسانوں میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کو عظمت وفضیلت اور بلندی درجات سے مالا مال فرمایا۔۔۔ ارشاد ہوا:

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (انعام 87)

ہم نے ان (انبیاء کرام) کو چنا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

(آل عمران 33)

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم اور عمران کی اولاد کو چن لیا۔

پھر تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں سے محمد عربی ﷺ کو منتخب فرمایا اور انہیں تمام انبیاء کا امام ہونے کے شرف سے مشرف فرمایا۔۔۔ انہیں خاتم النبیین ﷺ ہونے کے مرتبہ سے نوازا، رحمۃ للعالمین کے لقب سے مزین فرمایا، شفیع المذنبین کے مقام سے مالامال فرمایا، آپ نے ہی اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ کا اعلان فرمایا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے روحانی مرتبوں کے علاوہ جسمانی اور بدنی عروج بھی عطا فرمایا۔۔۔ معراج کے سفر میں ان کے وجود مقدس کو حالت بیداری میں بلندی کے اس مقام تک پہنچایا جہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی روح بھی کبھی نہیں پہنچی اور جبرائیل امین علیہ السلام کا خیال بھی کبھی نہیں پہنچا۔۔

اسی طرح تمام امتوں میں سے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو رفعت وبلندی عطا فرمائی اور كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا انہیں مژدہ سنایا۔۔۔ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔۔۔ اور یوں ہم نے تمہیں اعتدال پسند امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر شہادت (حق) دینے والے ہو جاؤ۔

پھر اَلرَّافِعُ نے امت محمدیہ کے تمام افراد میں سے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کو درجات کی بلندی سے نوازا انہیں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کی خوشخبری عطا فرمائی۔۔۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کہہ کر ان کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت فرمائی،

أَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ کا انعام عطا فرمایا۔۔۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ کہہ کر انہیں ہدایت کی اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کہہ کر انہیں فلاح وکامیابی کی اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ کہہ کر انہیں صداقت کی سند عطا فرمائی۔۔۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۔۔۔ اگر (یہود ونصاریٰ) تم جیسا ایمان لائیں گے تو ہدایت یافتہ ہوں گے۔ یہ فرما کر اصحابِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان کو معیار اور کسوٹی قرار دیا۔

پھر اصحاب رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت میں ان خوش نصیبوں کو بڑی عظمت ملی جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے۔۔۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا (الحدید 10)

تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ دوسروں کے برابر نہیں بلکہ ان کے درجے بہت بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔

یہ آیت کریمہ اس پر واضح دلیل ہے۔

پھر اَلرَّافِعُ نے غزوۂ بدر کے شرکاء کے مرتبے کو باقی صحابہ کے مرتبہ سے بلند فرمایا۔ پھر ان دس صحابہ کو رفعت وبلندی عطا فرمائی جن کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے اور پھر ان دس صحابہ میں سے وہ چار سب سے عظیم اور بلند مرتبہ ہوئے جو مسند نبوی کے وارث بنے اور پھر ان چاروں میں سے جو مقام ومرتبہ اور جو عظمت وشان اللہ رب العزت نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی وہاں تک امتوں میں سے کسی کی رسائی ممکن نہیں ہے، یہی وہ ہستی ہے جو خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ کا حقیقی مصداق ہے۔

وہی اَلرَّافِعُ ہے جس نے تمام ملائکہ میں سے جبرئیل امین علیہ السلام کو انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی لانے کے لیے اور کتابیں اتارنے کے لیے منتخب فرمایا اور اس طرح اسے

سید الملائکہ ہونے کے شرف سے نوازا اور اسے روح الامین کے لقب سے مالا مال فرمایا۔
اسی الرَّافِعُ نے ایام میں سے جمعہ کے دن کو عروج بخشا اور راتوں میں شب قدر کو عظمت عطا فرمائی۔

اسی نے مہینوں میں رمضان کے مہینے کو سرداری عطا فرمائی تو تمام کتابوں پر قرآن کو برتری اور بلندی عطا فرمائی۔ قرآن کو تمام آسمانی کتابوں کے لیے مھیمن (نگہبان) قرار دیا۔۔۔ یہی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ رب العزت نے خود اٹھائی۔۔۔ یہی وہ صحیفہ ہے جس میں تحریف ناممکن اور محال ہے۔۔۔ یہ قیامت کی صبح تک اسی طرح رہے گا جس طرح جبرئیل امین علیہ السلام میرے نبی ﷺ پر لے کر اترا تھا۔۔۔ یہی میرے نبی ﷺ کا علمی معجزہ ہے جو قیامت کی صبح تک باقی رہے گا۔

قرآن کریم ایسی عظیم کتاب ہے کہ دنیا کی جس چیز کو قرآن سے نسبت ہو جاتی ہے وہ چیز بھی عظیم ہو جاتی ہے۔۔۔ وہ مہینہ جس میں قرآن کا نزول شروع ہوا۔۔۔ وہ رات جس میں اس کے نزول کی ابتداء ہوئی۔۔۔ وہ شہر جس میں اسے اتارا گیا۔۔۔ وہ ہستی جس پر یہ نازل ہوا۔۔۔ اور وہ امت جسے یہ عطا ہوا۔

اس قرآن کے پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے ارشاد ہوا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

سامعین گرامی قدر! قرآن کریم کو الرَّافِعُ نے بڑی رفعتوں اور عظمتوں سے نوازا ہے۔۔۔ میرے پیغمبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے لوگوں کے درجے بلند کرتا ہے۔

امیر المومنین، خلیفہ ثانی لاثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ کا گورنر سیدنا نافع بن عبد الحارث کو بنا رکھا تھا۔ آپ نے ان سے ایک موقع پر پوچھا: آپ نے جنگلات کا ناظم اور نگران کس کو مقرر کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: ابن ابزیٰ کو۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن ابزیٰ کو نہیں جانتے تھے۔۔۔ پوچھا ابن ابزیٰ کون ہے؟۔۔۔ گورنر نے عرض کیا: ہمارا ایک غلام ہے۔۔۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: غلام کو ناظم اور نگران کیوں بنایا ہے؟

گورنر نے کہا: قرآن پڑھنے والا ہے اور قرآن کا علم زیادہ رکھتا ہے۔۔۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام الانبیاء ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سنایا:

اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِهٖ آخَرِیْنَ (مسلم 272/1)

یقیناً اللہ اس کتاب کے ذریعہ کچھ لوگوں کے مرتبے بلند کرتا ہے اور کچھ کو پست کر دیتا ہے۔

یعنی جو قومیں اور جو لوگ قرآن سے محبت کرتے ہیں اور قرآن کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اور قرآن کی تعلیمات کو حرزِ جان بناتے ہیں اللہ اَلرَّافِعُ انہیں دنیا ہی میں سربلند و سرفراز فرماتے ہیں۔ انہیں عظمتوں اور رفعتوں سے نوازتے ہیں۔۔۔ پھر دریا ان کے حکم مانتے ہیں۔۔۔ جنگل کے درندے ان کی اطاعت کرتے ہیں۔۔۔ قیصر و کسریٰ ان کے نام سے کانپتے ہیں۔۔۔ فتوحات ان کے قدم چومتی ہیں۔۔۔ وہ فقیری میں شاہی کرتے ہیں۔۔۔ دنیا کی دولت ان کے قدموں میں ڈھیر ہوتی ہے۔۔۔ عزت کے تاج ان کے سروں پر سجائے جاتے ہیں۔

اور جو لوگ قرآن سے روگردانی اور اعراض کرتے ہیں، قرآن کے احکامات کو پیٹھ دیتے ہیں، قرآن کے اوامر پر عمل پیرا نہیں ہوتے اور اس کے نواہی سے نہیں بچتے اللہ اَلْخَافِضُ انہیں پست اور حقیر کر دیتا ہے۔۔۔ ذلت اور رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔۔۔ شکست ان کے نصیب میں لکھی جاتی ہے۔۔۔ پستی اور نشیب کی جانب ان کو دھکیل دیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے اسی کی عکاسی کی ہے:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر ۔۔۔ اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

ذرا غور کرو! سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عظمتیں کیوں عطا ہوئی ہیں؟ فتح مکہ کے مبارک دن جب سب لوگ مطاف میں تھے اور صنادید قریش جمع تھے ایسے وقت میں کعبہ کی چھت پر اذان کس نے دی تھی؟ یہ رفعت اور بلندی اَلرَّافِعُ نے عطا فرمائی تھی۔

پھر اَلرَّافِعُ نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں کی آہٹ کو جنت کے بالا خانوں تک پہنچا دیا۔۔۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہادت کے بعد نورانی پَر عطا فرمائے جن کے ساتھ وہ جنت میں اڑنے لگے۔

بلندی و پستی کسی کو بلندی عطا کرنا اور کسی کو ذلت و پستی کی کھائیوں میں پھینک دینا اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے جس کے ناموں میں اَلرَّافِعُ اور اَلْخَافِضُ بھی ہیں۔

ابلیس حقیقت میں جن تھا پھر اسے قربِ الٰہی حاصل ہوا اور ملائکہ کے زمرے میں شامل ہوگیا، عظمتیں ملیں اور رفعتیں عطا ہوئیں۔ پھر اس نے جب حکم الٰہی سے سرتابی کی اور تکبر و غرور میں اللہ کے دوبدو کھڑا ہوگیا تو اسے پستی کی گہرائیوں کی جانب دھکیل دیا گیا کہ لعنت اور غضب الٰہی کا مستحق ہوگیا۔

کچھ مفسرین نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک صاحبِ علم شخص بلعم بن باعورا کے نام سے مشہور تھا، اسے آیاتِ الٰہی کا علم عطا کیا گیا تھا، وہ اللہ رب تعالیٰ کی آیات کو چھوڑ کر ایک عورت کے چکر میں پھنس کر اور دولت کے لالچ میں گرفتار ہوکر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے تصرفات چلانے اور مکروہ تدبیریں اور چالیں چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ آخر کار سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا خود ابدی اور سرمدی مردود ٹھہرا۔ اللہ نے اس کا تذکرہ قرآن میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا

اگر وہ آیاتِ الٰہی کا اتباع کرتا تو اس کے ذریعہ ہم اسے بلند مرتبوں پر فائز

کرتے۔

مگر ایسے نہ ہوا بلکہ وہ آسمانی برکات وآیات سے منہ موڑ کر زمینی شہوات ولذات کی طرف جھک پڑا۔

وَلٰکِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (اعراف 176)

لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور خواہشاتِ نفسانی کا پیروکار بن گیا۔

اللہ رب العزت نے اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا اور کتے کی طرح زبان سینے پر لٹکنے لگی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تحریر فرمایا:

اس وقت اس کا حال کتے کی طرح ہوگیا جس کی زبان باہر لٹکی ہو اور برابر ہانپ رہا ہو، اگر فرض کرو اس پر بوجھ لادیں (یا لاٹھی اور پتھر اٹھائیں) یا کچھ نہ کہیں ہر صورت میں وہ ہانپتا اور زبان لٹکائے رہتا ہے اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کتے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے آیات اللہ کا عطا ہونا یا نہ ہونا، تنبیہ کرنا یا نہ کرنا دونوں حالتیں اس کے حق میں برابر ہوگئیں۔

اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ واقعہ کسی خاص اور متعین شخص کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے اور ہر ایسے شخص کو شامل ہے جو ان خصلتوں کا مالک ہو۔

حضرات گرامی! اللہ اَلرَّافِعُ (بلندی عطا کرنے والا) جب کسی سے نگاہِ کرم ہٹا لے اور وہ شخص ہدایت سے محروم ہو کر ضلالت کی وادیوں میں بھٹکنے لگے۔۔۔ شرک وکفر کو اختیار کرے اور اللہ کی نافرمانیوں پر کمربستہ ہوجائے تو پھر وہ ذلت ورسوائی کی پستیوں میں جا گرتا ہے۔ غرضیکہ اَلرَّافِعُ بلندیاں اور عروج بخشنے والا اور اَلْخَافِضُ ذلت وپستیوں میں دھکیلنے والا صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلْمُعْطِیْ، اَلْمَانِعُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر:1)

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ کے سامنے اللہ رب العزت کے دو عظیم ناموں اَلْمُعْطِیْ اور اَلْمَانِعُ کی تشریح اور کچھ مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اللہ رب العزت کے یہ دونوں نام قرآن کریم میں بطور اسماء حسنیٰ استعمال نہیں ہوئے مگر اَعْطٰی اور عطاء کے لفظ اور کلمے قرآن میں کئی مقام پر آئے ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے چار بیٹیاں (سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن) اور دو بیٹے (قاسم اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) عطا فرمائے تھے مگر یہ دونوں بیٹے کم سنی میں انتقال کر گئے۔ دوسرے بیٹے کی وفات کے موقع پر جب آپ حزن وغم کی کیفیت میں مبتلا تھے۔۔۔ مشرکین نے کہنا شروع کیا:

اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ اَبْتَرَ۔۔۔ محمد تو ابتر یعنی بے نام ونشان ہو جائے گا اس کی نسل بھی باقی نہیں رہے گی۔

امام الانبیاء ﷺ نے یہ طعنہ سنا تو مزید پریشان ہوئے۔ اس موقع پر اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔۔۔ ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔

کوثر۔۔۔ کثرت سے ہے۔۔۔ معنی کریں گے ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی ہے۔۔۔ خیر کثیر سے مراد نبوت ورسالت بھی ہے۔۔۔ قرآن بھی ہے۔۔۔ معجزات بھی ہیں۔۔۔ اصحاب بھی ہیں۔۔۔ روحانی اولاد بھی ہیں۔۔۔ حوض کوثر بھی ہے۔۔۔ مقام محمود بھی ہے۔۔۔ جنت میں محل وسیلہ نامی بھی ہے۔

جس نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو اس قدر نعمتیں اور عظمتیں عطا کی ہوں تو پھر بلاشک وہ معطی تو ہوا، یہی نام ہے جس پر آج میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

سورۃ الضحیٰ میں اللہ رب العزت نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى

عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ عطا کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا مگر وہ وقت زیادہ دور نہیں جب آپ پر آپ کے رب کی عطا وبخشش اور نعمتوں اور رحمتوں کی وہ بارش ہوگی کہ آپ خود بول اٹھیں گے کہ میں راضی اور خوش ہو گیا۔

اللہ رب العزت کا یہ وعدہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں اس طرح پورا ہوا کہ پورا ملک عرب جنوب سے لے کر شمال تک اور مشرق سے مغرب تک آپ کے زیر نگین ہو گیا۔

عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سرزمین ایک قانون اور ضابطہ کے تابع ہو

گئی۔۔۔ پھر یہ اتنے مضبوط ہوئے کہ جو بھی ان سے ٹکرایا وہ پاش پاش ہو کر رہ گیا۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدا سے وہ پورا ملک گونج اٹھا جس میں مشرکین اور اہل کتاب اپنے جھوٹے عقیدے اور شرکیہ عقائد اور خبیث کلموں کو سربلند رکھنے کے لیے آخری دم تک ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت وفرمانبرداری میں نہیں جھکے بلکہ ان کے دل وجان بھی مسخر ہو گئے اور لوگوں کے عقائد واعمال اور اخلاق وعادات میں بھی ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔

پھر آپ کی برپا کی ہوئی یہ تحریک اس جذبہ اور طاقت کے ساتھ اٹھی کہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے ایک بڑے حصے پر چھا گئی اور دنیا کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں اس کے اثرات پھیل گئے۔

یہ کچھ تو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو دنیا میں عطا فرمایا اور جو کچھ اَلْمُعْطِیْ نے آپ کو قیامت کے دن اور آخرت میں عطا کرنا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔۔۔ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰه۔۔۔ ان کی حقیقت کو اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ مجھ سے محمد بن علی (المعروف بہ ابن حنفیہ) نے بیان کیا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ حَتّٰی یُنَادِیْ رَبِّیْ۔۔۔ میں اپنی امت کے لیے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا۔۔۔ اَرَضِیْتَ یَا مُحَمَّدُ۔۔۔ اے محمد ﷺ! کیا آپ راضی ہو گئے ہیں؟ فَاَقُوْلُ نَعَمْ یَا رَبِّ رَضِیْتُ۔۔۔ میں جواب میں کہوں گا ہاں میرے پروردگار میں راضی ہو گیا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ

ایک روز نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس مناجات کا ذکر ہے فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ (یعنی جس نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہے) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا ذکر ہے اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ (یعنی اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں) پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھایا اور عرض کی: اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ۔۔۔ مولا میری امت، میری امت، تو پھر آپ زار و قطار رونے لگے۔

اللہ رب العزت نے جبرئیل امین علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے حبیب ﷺ کے پاس جاؤ اور انہیں میرا پیغام پہنچاؤ: سَنُرْضِیْكَ فِیْ اُمَّتِكَ۔۔۔ ہم آپ کو آپ کی امت کے معاملہ میں راضی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ جو اَلْمُغْنِیْ ہے اس نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو نبوت و رسالت کی نعمت سے نوازا۔ معجزات کی کثرت عطا فرمائی۔۔۔ قرآن جیسی لاریب اور بے مثل کتاب سے مالا مال کیا۔۔۔ ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جانثار عطا کیے۔۔۔ ختم نبوت کے منصب پر فائز کیا۔۔۔ جسمانی معراج کے ذریعہ عروج بخشا۔ بیت المقدس میں امام الانبیاء ﷺ کے رتبے سے نوازا۔۔۔ کل قیامت کے دن حوض کوثر کے ساقی کا مرتبہ عطا کریں گے۔۔۔ لواء الحمد کا حامل بنائیں گے۔۔۔ مقام محمود پر شفاعت کا منصب عطا کریں گے۔۔۔ وہی اَلْمُغْنِیْ ہے جو جنت میں میرے نبی ﷺ کو مقام وسیلہ عطا کریں گے جس کے لیے ہم ہر اذان کے بعد رب کے حضور دعا کرتے ہیں: اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَةَ۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم کی کئی سورتوں میں بیان ہوا ہے۔ کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً۔۔۔ سورۂ طٰہٰ میں ان کے واقعہ کو قدرے تفصیل سے بیان فرمایا۔

سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام نے جب فرعون سے کہا: اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ۔۔۔ہم تیرے رب کے پیغمبر ہیں۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ (طٰہٰ 47)

تو نے ہماری قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے انہیں ہمارے ساتھ بھیج دے اور انہیں عذاب اور دکھ میں مبتلا نہ کر۔

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشان لے کر آئے ہیں۔

سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کی زبان سے رَبُّكَ تیرا رب۔۔۔ یہ لفظ فرعون کے لیے نئے بھی تھے اور عجیب بھی۔ وہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کا مدعی تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب فرمایا:

اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ۔۔۔ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۔۔۔ اے فرعون ہم تیرے رب کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں۔۔۔ یہ سن کر فرعون چونکا اور بڑبڑایا۔۔۔ کہا میرا بھی کوئی رب ہے۔۔۔ میں سب مصریوں کا رب ہوں میرا کوئی رب کیسے ہوسکتا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا:

فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى

اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی ربوبیت پر ایک انتہائی سہل، سادہ اور پرمغز و موثر دلیل قائم کی، فرمایا:

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے جواب میں ایک فقرہ کہا اور دریا کو کوزے

میں بند کر دیا۔۔۔ فرمایا میرا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو (موزوں) صورت عطا کی پھر راہ سمجھا دی۔

علامہ زمخشری نے اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ کا مفہوم بیان کیا ہے:

اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ صُوْرَتَهٗ وَشَکْلَهُ الَّذِیْ یُطَابِقُ الْمَنْفَعَةَ

یعنی ہر چیز کو ایسی شکل و صورت عطا کی جو ان فوائد اور منافع کے لیے موزوں اور مناسب ہے جس کے لیے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔

اور ثُمَّ هَدٰی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَیْ عَرَّفَ کَیْفَ یَرْتَفِقُ بِمَا اُعْطِیَ وَکَیْفَ یَتَوَصَّلُ اِلَیْهِ

پھر ہر مخلوق کو یہ بھی سکھا دیا کہ وہ ان اعضاء اور قوتوں سے کس طرح کام لے اور ان منافع تک کیسے رسائی حاصل کرے۔

یعنی مخلوق میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب حال شکل و صورت عطا کی۔۔۔ جو شکل و صورت انسان کے مناسب حال تھی وہ اسے عطا کر دی اور جو جانوروں کے مناسب حال تھی وہ جانوروں کو عطا فرما دی۔

ثُمَّ هَدٰی۔۔۔ پھر راہ سمجھا دی۔۔۔ کا مطلب ہے ہر مخلوق کو اس کی طبعی ضروریات کے مطابق رہن سہن، کھانے پینے اور بود و باش کا طریقہ سمجھا دیا۔

حیرت اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس اَلْمُعْطِیْ کے عطیات صرف بنی نوع انسان ہی تک محدود نہیں ہیں بلکہ کائنات کے ایک ایک ذرہ تک اس کے عطیات پہنچتے ہیں۔۔۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں جو بھی موجود ہے اسے اَلْمُعْطِیْ نے ہی عطیۂ وجود دیا ہے جو خود ایک بہت بڑی نعمت ہے جب آسمان سے بارش برستی ہے تو درخت کی ہر پتی اور گھاس کے ایک ایک تنکے کو اللہ کا عطیہ اس طرح پہنچتا ہے کہ اس کا پیاسا جگر تر ہو جاتا ہے اور اس کی رگ رگ میں شادابی سرایت کر جاتی ہے۔ پیاسی زمین سیراب ہو جاتی ہے۔ کھیت

لہلہانے لگتے ہیں اور چرند و پرند اس کے عطیئے سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ عطیاتِ الٰہی بے حد و حساب ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم 34)

تم اللہ کی نعمتوں کو اگر شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

وہ مُعطی جو ٹھہرا اس کے عطیات کے بیان کے لیے دفتر درکار ہیں انسان کی کیا مجال کہ انہیں شمار کر سکے؟

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اللہ کی ربوبیت اور توحید پر اسی دلیل کو پیش فرمایا کہ رب نے ہر چیز کو اس کی موزوں اور مخصوص صورت و شکل عطا کی اور پھر ہر چیز کو یہ شعور، سوجھ بوجھ اور راہنمائی عطا کی کہ کس طرح اور کس طریقہ سے اپنا رزق اور روزی تلاش کریں؟ اور عطا کی گئی قوتوں سے کیسے کام لیں؟

کبھی آپ نے غور فرمایا کہ اَلْمُعْطِی نے گوشت خور درندوں کے پنجے اور دانت اور جبڑے ایسے بنائے کہ وہ آسانی سے اپنا شکار پکڑ سکیں اور قابو میں رکھیں۔

اَلْمُعْطِی نے مچھلی کو ایسا وجود اور جسم عطا فرمایا کہ وہ گہرے پانی میں اور طوفانی لہروں میں تیر سکے اور پھر اسے تیرنے کا سلیقہ اور ڈھنگ سکھایا۔ اَلْمُعْطِی نے پرندوں کو پَر بخشے اور پھر انہیں اڑنے کا طریقہ اور سلیقہ بھی سکھایا۔

اَلْمُعْطِی نے حضرتِ انسان کو اَحسن تقویم کی صورت میں پیدا کیا۔ اس کے اعضاء کتنے مناسب بنائے، قد و قامت کتنی موزوں رکھی، خد و خال کس خوبصورتی سے بنائے، پھر چند دن کے بچے کو دودھ چوسنے کا طریقہ اور سلیقہ عطا کیا۔

اَلْمُعْطِی نے ہر علاقے میں جنم لینے والے حیوانات کو وہاں سے موسمی حالات اور تقاضوں کے مطابق لباس بھی عطا فرمایا اور روزی بھی مرحمت فرمائی۔

آپ جنگل کے درختوں کو دیکھیں! ان میں پرندے کس خوبصورتی سے ایک ایک

تنکا جمع کر کے کئی کئی منزلہ گھر بنا لیتے ہیں۔ پھر کچھ پرندے دانہ دنکا چگ کر اور کچھ شکار کر کے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ پھر اللہ اَلْمُعْطِیُ نے ان کو یہ سمجھ عطا کی کہ وہ اپنی نسل بڑھانے اور بچوں کو پالنے کے لیے کیا کچھ کریں؟ کس طرح ان کو دودھ پلا کر ان کی نشوونما کریں؟ وہ پرندے اپنے بچوں کو دانے دنکے کا چوگا کس طرح دیں؟

کبھی آپ نے مرغی کو دیکھا کہ وہ انڈوں کو کس طرح سیتی ہے اسے یہ تربیت کس نے عطا کی ہے؟ شہد کی مکھی اپنا گھر مسدس بناتی ہے اس کا گھر نہایت باریک باریک خانوں پر حکمت وتدبیر کے ساتھ اس طرح بنا ہوا ہوتا ہے جیسے کسی ماہر انجینئر نے اس کی ڈیزائننگ کی ہے۔

انسان حیران ہو جاتا ہے کہ ذرہ بمقدار چیونٹی گرمیوں میں سردیوں کے لیے خوراک کا ذخیرہ کرتی ہے۔۔۔ دنیا کے ہر قسم کے جانوروں کو دیکھ۔۔۔ زمین پر رینگنے والے کیڑوں مکوڑوں کو دیکھ۔۔۔ جنگل میں رہنے والے درندوں کو دیکھ۔۔۔ فضا میں اڑنے والے پرندوں کو دیکھ۔۔۔ پانی میں بسنے والے جانداروں کو دیکھ۔۔۔ ان سب کو اپنی اپنی زندگی گزارنے کے طریقوں کی فطری ہدایت کس نے عطا کی ہے؟ اسی اَلْمُعْطِیُ نے جس نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کی دعا (هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (ص 35) مجھے وہ بادشاہی عطا فرما جو میرے سوا کسی شخص کے لائق نہ ہو) قبول فرما کر انہیں ایسی بادشاہی عطا فرمائی کہ ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا جو تخت کو فضا میں بلند کرنے کے لیے تیز وتند چلتی تھی اور پھر سلیمان علیہ السلام کے حکم سے نرم ہو جاتی تھی۔

جنات کو ان کے تابع فرمان کر دیا گیا جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے حکم سے بلند وبالا عمارات بناتے اور دریاؤں میں غوطہ زن ہو کر ہیرے اور جواہرات باہر نکال لاتے۔

اللہ رب العزت نے ان انعامات کے بارے میں فرمایا: هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ

اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (ص 39)

یہ ہے ہمارا عطیہ اب تو (کسی کو دے کر) احسان کر یا روک رکھ کچھ حساب نہیں (یعنی ہم تجھ سے حساب بھی نہیں لیں گے)

امام الانبیاء ﷺ کی دعا

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (بخاری، مسلم)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے وہ ہر شئی پر قادر ہے اے میرے اللہ! تو جو دینا چاہے اسے روکنے والا کوئی نہیں اور تو جس کو روک لے اسکو دینے والا کوئی نہیں۔ اور کسی مالدار کو اس کی مالداری تیرے سامنے کچھ کام نہیں آسکتی۔

ایک اور حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا اُعْطِيْكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ (بخاری)

نہ میں تم کو عطا کرتا ہوں اور نہ روکتا ہوں (کیونکہ دینے اور روکنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے) میں تو بانٹنے والا ہوں جس کے لیے حکم ہوتا ہے اس کو دیتا ہوں۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت اَلْمُعْطِی ہے وہ کسی کو اولاد دینا چاہے۔۔۔ عزت عطا کرنا چاہے۔۔۔ حکومت بخشنا چاہے۔۔۔ رہائی دینا چاہے۔۔۔ خوشحالی عطا کرنا چاہے تو اسے کون روکنے والا ہے؟

اور اگر وہ اولاد کے خزانے روک لے۔۔۔ اگر وہ اَلْمَانِعُ بارش کی نعمت روک

لے۔۔۔صحت وعافیت کو بند کردے تو پھر عطا کرنے والا کون ہے؟

دنیا میں کتنے لوگ ہیں جن کے پاس رہنے کو مکان نہیں۔۔۔کھانے کے لیے روٹی نہیں۔۔۔علاج معالجہ کے لیے رقم نہیں۔۔۔تعلیم دلانے کے لیے سہولت نہیں۔۔۔ مگر اولاد کی نعمت وافر تعداد میں ہوئی۔

دوسری طرف کتنے لوگ ہیں جن کے ہاں رہنے کے لیے بنگلے اور کوٹھیاں ہیں۔۔۔معیشت کے معاملے میں خوشحال ہیں۔۔۔ملیں۔۔۔دکانیں اور کارخانے ہیں۔۔۔زمینیں اور باغات ہیں۔۔۔کھانے پینے کی اشیاء ہیں۔۔۔فریج فروٹوں سے بھرے ہوئے ہیں مگر کھانے والا کوئی نہیں۔۔۔دنیا بھر کے علاج کروا لیے مگر اولاد کی نعمت سے اَلْمَانِعُ نے محروم رکھا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور دعا بھی سنیے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ۔۔۔اے اللہ! تمام تعریف تیرے لیے ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ۔۔۔جس کی روزی تو وسیع کردے اس کو تنگ کرنے والا کوئی نہیں۔

وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ۔۔۔اور جس کی روزی تو تنگ کردے پھر اس کو کشادہ کرنے والا کوئی نہیں۔

وَلَا هَادِیَ لِمَنْ اَضْلَلْتَ۔۔۔جس کو تو گمراہ کرنا چاہے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ۔۔۔اور جس کو تو ہدایت عطا کرنا چاہے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔

وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ۔۔۔جو نعمت تو روک لے پھر اس کو عطا کرنے والا کوئی نہیں۔

وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ۔۔۔اور جو نعمت تو عطا کرنے چاہے اسے روکنے والا کوئی نہیں۔

وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ۔۔۔جس چیز کو تو دور کر دے پھر اس کو قریب کرنے والا کوئی نہیں۔

وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ۔۔۔اور جس کو تو قریب کر دے پھر اس کو دور کرنے والا کوئی نہیں۔

بچانے والا کون ہے؟ نبی اکرم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے راستے میں لشکر نے ایک جگہ پر قیام فرمایا وہاں ایک درخت کے سائے میں آپ اکیلے سو گئے۔۔۔کسی کافر نے آپ کو اس طرح تنہا دیکھا تو تلوار سونت کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔۔۔ کافر کے ہاتھ میں تلوار اور آپ خالی ہاتھ۔۔۔وہ کافر کہنے لگا:

مَنْ یَّمْنَعُكَ مِنِّیْ۔۔۔اے محمد! اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟

نبی اکرم ﷺ ذرا بھی نہ گھبرائے۔۔۔پریشانی کے معمولی آثار بھی آپ کے چہرۂ پُرانوار پر نمودار نہ ہوئے۔ بڑے اطمینان اور سکون سے آپ نے جواب دیا:

اَللّٰہُ یَمْنَعُنِیْ۔۔۔مجھے میرا اللہ بچائے گا۔

آپ کے جواب سے اس کافر پر ایسا رعب طاری ہوا کہ اس کے ہاتھوں میں لرزہ آ گیا اور اس لرزہ کی وجہ سے تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اب نبی رحمت ﷺ نے وہی تلوار اٹھائی اور فرمایا:

اب تم بتاؤ! تمہیں کون بچائے گا۔ (بخاری، باب غزوۂ بنی المصطلق، 593/2)

اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی اَلْمَانِعُ کی تشریح میں مشہور محقق شیخ عبد الصمد الازہری نے کیا خوب تحریر فرمایا:

اس اَلْمَانِعُ نے ہمیں چوری، زنا، شراب نوشی اور حرام خوری وغیرہ سے منع کر دیا

ہے۔ اس اَلْمَانِعُ نے ہمیں قتل وغارت گری، جھوٹ، فریب کاری، دھوکہ دہی، ظلم وستم وغیرہ، برے اخلاق کے ارتکاب سے منع کر دیا ہے اور ہر جرم کے لیے ایک خاص سزا مقرر کی ہے۔

اس اَلْمَانِعُ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے، سورج کو زمین کے قریب آنے سے روک دیا ہے، چاند کو سورج کے ساتھ ٹکرانے سے روک دیا ہے، کہکشاں کو چانداور سورج کے قریب آنے سے روک دیا ہے، اسی طرح اس نے فضائے آسمانی میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں کہ ایک ستارہ دوسرے ستارے سے نہ ٹکرائے۔

یقین جانیے! اَلْمَانِعُ بھی اللہ رب العزت ہے اور اَلْمُعْطِیْ بھی وہی ہے۔۔۔ سب کچھ عطا کرنے والا وہی ہے۔۔۔ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ ۔۔۔ اللہ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔۔۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ یُعْطِیْ ۔۔۔ میں تو تقسیم کرنے والا ہوں عطا کرنے والا تو اللہ ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ
(آل عمران 26)

اے اللہ تو جسے چاہتا ہے عزت سے نواز دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ جمعۃ المبارک میں اللہ رب العزت کے دو انتہائی خوبصورت اور حسین نام اَلْمُعِزُّ اور اَلْمُذِلُّ کے متعلق کچھ گذارشات پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں نام بطور اسماء قرآن مجید میں نہیں آئے البتہ قرآن کریم کی تلاوت کردہ آیت سے مستخرج ہیں۔ انہیں ناموں کے ہم معنی اور ہم مفہوم اور ملتے جلتے دو ناموں اَلرَّافِعُ، اَلْخَافِضُ پر بڑی تفصیل کے ساتھ میں گذشتہ خطبہ میں روشنی ڈال چکا ہوں۔

عمومی طور پر لوگوں نے عزت کا معیار مال و دولت کو سمجھ رکھا ہے کہ جس کے ہاں دولت کی ریل پیل ہو، زمینیں اور باغات ہوں، کوٹھیاں اور سواریاں ہوں، حیوانات کی

بہتات ہو وہ بڑا معزز آدمی ہے۔۔۔اسی کو مدِ نظر رکھ کر وہ غرباء اور مساکین کو کمی کمین اور رذیل اور ذلیل سمجھتے ہیں۔

یا عزت کا معیار لوگوں کے ہاں عہدے اور منصب ہیں وہ سیاسی عہدے ہوں یا انتظامی عہدے، مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ ہر انتظامی افسر اپنے سے سینئر اور بڑے افسر کو سیلوٹ کر رہا ہے اور اس کی جھڑکیاں سن رہا ہے اور ریئس سر ریئس سر کی گردان پڑھ رہا ہے۔

ہر سیاسی منصب پر فائز بھی اسی طرح اپنے سے بڑے عہدیدار کے آگے سینے پر غلاموں کی طرح ہاتھ رکھ کر کھڑا ہے۔ یا عزت کا معیار اہل وعیال اور کنبہ وقبیلہ اور برادری ہے یا علم وشہرت معیار عزت ہے؟ ہرگز نہیں۔۔۔یہ اسلام کا اور شریعتِ اسلامیہ کا بنایا ہوا معیار نہیں ہے بلکہ اسے تو کفار ومشرکین اور منافقین اور جہلاء عزت کا معیار سمجھتے ہیں۔

قرآن کریم نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے:

ایک غزوہ کے موقع پر پانی کے مسئلے پر مہاجر اور انصاری کا جھگڑا ہو گیا۔۔۔ دونوں نے اپنی اپنی قوم اور جتھے کو آواز دی، قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے باہر نکلتیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سمجھا بجھا کر معاملہ کو رفع دفع فرما دیا۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی اس غزوہ میں شریک تھا اس تک یہ معاملہ پہنچا تو اس نے اسے ہوا دینے کی مذموم کوشش کی اور انصار سے کہا کہ اِن مہاجرین کو ٹھکانہ تم نے دیا۔۔۔آسرا تم بنے۔۔۔کاروبار میں شریک تم نے کیا۔۔۔اب یہ تمہیں آنکھیں دکھا رہے ہیں اور تلواریں سونت کے تمہارے مقابلے میں آ رہے ہیں۔ اس کے یہ زہریلے اور خبیث جملے قرآن نے نقل کیے:

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون 8)

اگر اب ہم لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔

عزت والوں سے مراد اس کی اپنی ذات اور اپنے دیگر رفقاء اور ساتھی تھے اور ذلت والوں سے اس کی مراد تھی (نعوذ باللہ) نبی اکرم ﷺ اور اصحاب نبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

منافقین کا خیال تھا کہ عزت کا دارومدار اور معیار دولت و دنیا، باغات اور زمینیں، برادری اور کنبہ، جماعت اور جتھہ، حکومت اور چوہدراہٹ ہے۔

اللہ رب العزت نے اس خبیث خیال اور زہریلے قول کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (منافقون 8)

عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافق (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

یعنی تمام تر عزت صرف اللہ کے لیے ہے پھر وہ اپنی طرف سے جس کو چاہے عزت وغلبہ عطا فرمائے۔۔۔ چنانچہ وہ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو اور ایمان والوں کو عزت اور کامرانیاں عطا فرماتا ہے۔

مشرکین مکہ غیر اللہ کو اس لیے پکارتے تھے کہ وہ اللہ کے ہاں معزز ہو جائیں ان کا جواب دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر 10)

جو کوئی عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو عزت ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔

یعنی دنیا و آخرت کی عزت اللہ ہی سے مانگنی چاہیے کیونکہ عزیز مطلق تو وہی ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت سے ہی عزت نصیب ہوتی ہے۔۔۔ تمام عزتوں کا مالک وہی اکیلا ہے۔۔۔ جس کسی کو عزت ملے گی یا عزت ملی ہے اسی کے خزانے سے ملی ہے اور اس کے خزانے سے ملے گی۔

منافقین یہود و نصاریٰ سے اور مشرکین سے دوستی رکھتے تھے اور سمجھتے کہ ان کے

ہاں اٹھنے بیٹھنے سے عزت ملتی ہے انہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا:

أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (النساء 139)

کیا یہ منافق ان مشرکین وکفار کے ہاں عزت کے متلاشی رہتے ہیں (تو یاد رکھیں) عزت تو تمام کی تمام اللہ کے اختیار میں ہے۔

فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ عزت کا معیار وہ نہیں جو تم نے مقرر کر رکھا ہے۔ کیا غیر اللہ کی پوجا پاٹ میں عزت ملتی ہے؟ مشرکین وکفار سے محبت کی پینگیں بڑھانے سے عزت ملتی ہے؟ دولت، باغات، عہدوں سے عزت ملتی ہے؟ نہیں! بلکہ عزت وہ ہے جسے اللہ عزت قرار دیں اور اللہ رب العزت نے عزت کا معیار ایمان کو قرار دیا ہے، اعمالِ صالحہ کو قرار دیا ہے اور تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

تقویٰ معیارِ عزت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (الحجرات:13)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حواء) سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو ذاتیں اور قبیلے بنا دیئے اللہ کے ہاں تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اخبر دار ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح اور تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اکثر غیبت، طعن وتشنیع اور عیب جوئی کا منشاء تکبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے (ایسے لوگوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ) اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا ہونا یا معزز وحقیر ہونا ذات پات اور خاندان ونسب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہوگا اسی قدر اللہ کے ہاں معزز ومکرم ہوگا نسب کی حقیقت

تو یہ ہے کہ سب آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم وحواء کی اولاد ہیں شیخ، سیّد، مغل، پٹھان (اعوان، ٹوانے، نون، لالیکا، مانیکا وغیرہ) اور صدیقی، فاروقی، عثمانی، (علوی) سب کا سلسلہ آدم وحواء پر منتہی ہوتا ہے یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لیے مقرر کیے ہیں۔

شانِ نزول سورۃ حجرات کی اس آیت کریمہ کا شانِ نزول بہت دلچسپ ہے۔۔۔

فتح مکہ کے یادگار اور مبارک دن نبی اکرم ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو۔۔۔ اور اللہ کی کبریائی، اس کی الوہیّت ومعبودیت اور میری رسالت ونبوت کی صدا لگاؤ۔

سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان شروع کی تو قریش مکہ جو ابھی تک دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ایک کہنے لگا اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد اس روزِ بد کے دیکھنے سے پہلے وفات پا گئے تھے۔۔۔ حارث بن ہشام کہنے لگا کیا محمد (ﷺ) کو اس کالے کوّے کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں ملا جو مسجد حرام میں اذان دے۔۔۔ ابوسفیان بولے میں اس بارے میں زبان نہیں کھولوں گا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں اور اللہ انہیں خبر کر دے۔

چنانچہ جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور نبی اکرم ﷺ کو اس تمام گفتگو سے آگاہ کیا آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ یہ کہا ہے، انہوں نے اقرار کر لیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتلایا گیا کہ عزت کا معیار، خاندان، برادری اور نسب وحسب نہیں ہے بلکہ عزت وتکریم کا معیار ایمان اور تقویٰ ہے جس سے تم ابھی تک محروم اور بلال آراستہ ہے اس لیے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم سے افضل واشرف ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع اسی حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں

بڑے حسین اور خوبصورت انداز میں بیان فرمایا۔

میدانِ عرفات کے وسط میں اپنی قصواء اونٹنی پر بیٹھ کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔۔۔ تاریخی اور بے مثال خطبہ، لاجواب اور عدیم النظیر خطبہ۔۔۔ خطبہ کیا تھا۔۔۔ انسانی حقوق کا سب سے پہلا چارٹر ہے۔۔۔ انسانی حقوق کے تحفظ پر اس سے زیادہ موثر خطبہ نہ آج تک کسی نے دیا اور نہ قیامت کی صبح تک کوئی ایسے حقوق بیان کرسکتا ہے۔ وہ خطبہ بڑا طویل ہے میں اس میں سے اپنے موضوع کی مناسبت سے ایک پیرایہ آپ حضرات کے سامنے بیان کروں گا۔ آپ نے فرمایا:

یَاَیُّھَا النَّاسُ ۔۔۔ اے لوگو! اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ ۔۔۔ غور سے سنو تمہارا رب ایک ہے۔۔۔ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ ۔۔۔ اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔۔۔ لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلَی الْعَجَمِیِّ ۔۔۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔۔۔ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلَی الْعَرَبِیِّ ۔۔۔ اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔۔۔ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی ۔۔۔ اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر کوئی برتری ہے ہاں فضیلت وعظمت اور عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ (مسند احمد 411/5)

سورۃ حجرات کی آیت نمبر 13 کی تفسیر میں صاحب ترمذی ایک روایت لائے ہیں وہ بھی سن لیجیے۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ عُبِّیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَتَعَاظُمَھَا بِاٰبَائِھَا فَالنَّاسُ رَجُلَانِ بَرٌّ تَقِیٌّ کَرِیْمٌ عَلَی اللّٰہِ وَفَاجِرٌ شَقِیٌّ ھَیِّنٌ عَلَی اللّٰہِ وَالنَّاسُ بَنُوْ اٰدَمَ وَخَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ مِنَ التُّرَابِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ الاٰیۃ (ترمذی 162/2)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن

نبی اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ

اے لوگو! بیشک اللہ جاہلیت کے فخر اور آباؤ واجداد پر تکبر کرنے کو تم سے دور کر دیا ہے اب تمام لوگوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جو نیک اور متقی ہیں وہی اللہ کی نگاہ میں شریف اور معزز ہیں، دوسرے وہ ہیں جو نافرمان بدبخت ہیں وہ اللہ کے نزدیک ذلیل اور حقیر ہیں تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۃ حجرات کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔

سامعین گرامی قدر! امام الانبیاء ﷺ نے کتنے حسین اور خوبصورت اور واضح الفاظ میں رنگ ونسل، قومیت اور وطنیت کے بت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔۔۔ آج ہم میں سے کوئی صوبائی تعصب میں گرفتار ہے اور کوئی لسانی تعصب کا مریض ہے۔۔۔ آج کلمہ پڑھنے والوں کی اکثریت برادری اور خاندانی تعصب کی علمبردار بنی ہوئی ہے۔۔۔ آج فخریہ انداز میں کہا جاتا ہے کہ میں پنجابی ہوں، سندھی ہوں، میں بلوچی ہوں اور میں پختون ہوں، میں سیّد ہوں، ٹوانہ ہوں اور نون ہوں وغیرہ وغیرہ۔ میرے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ رنگ اور نسل اور قوم اور وطن عزت وعظمت اور برتری کا معیار نہیں ہے۔۔۔ عزت وتکریم اور قربِ الٰہی کا معیار صرف اور صرف تقویٰ اور خشیت الٰہی ہے۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ عوام الناس سمجھتے ہیں کہ تقویٰ نام ہے نیکی کرنے کا۔۔۔ نوافل پڑھنے کا۔۔۔ تلاوت کرنے کا اور تسبیح رولنے کا۔۔۔ تہجد اور اوّابین پڑھنے کا۔۔۔ نماز کی ادائیگی اور روزے کی پابندی کا یا ہر سال عمرے پر جانے کا۔

یاد رکھیے! تقویٰ نام نیکی کرنے کا نہیں بلکہ رب کی نافرمانیوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔۔۔ ڈاکٹر مریض کو جو دوائی لکھ کر دیتے ہیں اسے استعمال کرنے کا نام پرہیز نہیں ہوتا بلکہ جن چیزوں کے استعمال کرنے سے ڈاکٹر روک دیتا ہے اسے پرہیز کہتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہر ذی ہوش شخص پر واضح ہے کہ نیکی کرنا آسان ہے اور گناہوں سے بچنا

مشکل ہے۔

عزت اسلام میں ہے قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے اور حجۃ الوداع کے خطبے میں نبی اکرم ﷺ نے عزت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔۔۔۔۔اسی حقیقت کو خلیفۂ ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں بیان فرمایا:

اِنَّا کُنَّا اَذَلَّ قَوْمٍ۔۔۔ہم حقیر اور بے وقعت لوگ تھے۔(ہاتھ سے گھڑے ہوئے بت پوجنے والے، سود کھانے والے، شراب نوش، زنا کے عادی) فَاَعَزَّنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَامِ۔۔۔۔پھر اللہ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت وتکریم عطا فرمائی (کہ ہم دور دراز کے علاقوں تک کے فاتح بن گئے۔۔۔قیصر وکسریٰ ہمارے آگے مغلوب ہو گئے، مالِ غنیمت کی بہتات ہونے لگی) فَمَھْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ بِغَیْرِ مَا اَعَزَّ اللّٰہُ بِہٖ اَذَلَّنَا اللّٰہُ۔۔۔جب بھی ہم اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں عزت تلاش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دیں گے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کی سچائی ملاحظہ کرنی ہو تو آج اپنی حالت پر غور فرمالیں۔۔۔ہم ذلت کی پستیوں میں کیوں گرے ہیں؟ کفار پر ہمارا رعب اور دہشت کیوں کم ہوئی ہے؟ ہم قرضوں میں کیوں جکڑے گئے ہیں؟ ہم بدامنی اور بے سکونی کا شکار کیوں ہیں؟ ہمارے ماتحت ہمارے نافرمان کیوں ہیں؟ ہمارے حکمران ظالم اور بے انصاف کیوں ہیں؟ سائلین سرکاری دفتروں کے سامنے سارا سارا دن پریشان کیوں پھرتے ہیں؟

اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہم نے عزت وسکون وامن اسلام کو چھوڑ کر غیروں کی نقالی میں سمجھ لیا ہے، ہم یہود ونصاریٰ کی تہذیب وتمدن سے متاثر ہیں، ہم نے کفار کے کلچر کو فروغ دیا ہے، ہم نے ہندوانہ رسم رواج کو اپنایا ہے، ہم نے غیر مسلموں کے لباس اور تعلیم کو پسند کیا ہے، ہم نے اپنی ظاہری شکل وصورت بھی انہی کی اپنائی ہے حالانکہ ہم نماز میں بار

بار اللہ رب العزت سے دعا مانگتے ہیں۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔۔۔ مولا! ہمیں مغضوب علیہم (یعنی یہود کے راستے پر) اور ضالّین (یعنی نصاریٰ کے راستے پر) نہ چلانا۔

اس کے برعکس جن لوگوں نے اور جن قوموں نے دینِ اسلام کے اصول اور قوانین کو حرزِ جان بنایا اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کی وہ زمانے میں معزز ہو گئے۔۔۔ صرف اللہ کی نظروں میں معزز نہیں ہوئے بلکہ تمام مخلوق ان کی عزت کرنے پر مجبور ہو گئی کیونکہ جس کی اللہ رب العزت عزت کرے گا مخلوق لامحالہ اس کی عزت کرے گی یہاں تک کہ جانوروں اور درندوں نے اور دریاؤں نے ان کی عزت کی۔

سیدنا سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سفر میں قافلے سے بچھڑ کر جنگل میں جا نکلے، اچانک سامنے شیر آ گیا۔۔۔ سیدنا سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ڈرے نہ پیچھے ہٹے بلکہ شیر سے کہا۔۔۔ میں محمد عربی ﷺ کا غلام ہوں قافلہ سے بچھڑ گیا ہوں۔۔۔ شیر دم ہلاتا ہوا ان کے قدموں سے لپٹ گیا گویا کہ کہہ رہا ہے کہ تم محمد عربی ﷺ کے غلام ہو تو میں محمد عربی ﷺ کے غلاموں کا غلام ہوں۔۔۔ آ میری پیٹھ پر سوار ہو جا میں تجھے تیرے قافلے تک پہنچا کے آؤں۔

شیخ سعدی شیرازی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف بوستان میں لکھتے ہیں:

یکے دیدم در عرصۂ رودبار — کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار

میں نے رودبار کے میدان میں ایک شخص کو سامنے آتے دیکھا اس حال میں کہ چیتے پر سوار ہاتھ میں سانپ کا کوڑا اپنائے ہوئے آ رہا ہے۔

میں نے عجیب منظر دیکھ کر اس سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا:

تو گردن ز حکمِ خدا ہم نہ پیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

تو اپنے رب کے حکم سے گردن نہ پھیر کہ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ پھیر سکے۔

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو گلے کا ہار بنایا اور اللہ کے احکام سے گردن نہ موڑی پھر ہر مخلوق نے ان کا کہا مانا۔۔۔ جانوروں نے، درندوں نے، دجلہ کی موجوں نے، دریائے نیل نے۔۔۔ سب نے اطاعت کی اور آج ہم اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہوئے تو ہمیں ایسا ذلیل کیا گیا کہ اولاد اپنے والدین کی نافرمان ہو گئی، شاگرد استاذ کے سامنے گستاخانہ لہجہ اختیار کرتا ہے، چھوٹے بڑوں کا احترام کرنے سے گریزاں ہیں۔

جس طرح اللہ رب العزت اَلْمُعِزُّ ہے اسی طرح اس کا ایک نام اَلْمُذِلُّ بھی ہے۔۔۔ اس اَلْمُذِلُّ نے بڑے بڑے بادشاہوں کو گدا بنا دیا، کئی ایک کو وزارتِ عظمٰی کی کرسی سے اتار کر جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں جا پھینکا اور کئی ایک کو تخت سے اتار کر تختۂ دار پر جا چڑھایا۔

کئی ایک جلاوطن ہوئے، کئی ایک صدا لگاتے رہے، دو گز زمین نہ مل سکی کوئے یار میں۔۔۔ ایران کے شہنشاہ رضا شاہ پہلوی کو بڑی ذلت سے اپنے ملک سے بھاگنا پڑا، کوئی ملک پناہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا آخر کار مصر میں کینسر کے مرض سے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مر گیا۔

ریٹائرڈ ہونے کے بعد کئی بڑے بڑے آفیسر سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔۔۔ کبھی ایک خاندان ترقی کرتے کرتے عزت و تکریم کے بامِ عروج تک پہنچ جاتا ہے اور پھر وہی خاندان ذلت سے منہ چھپاتا پھرتا ہے۔ حقیقی اور سچی بات یہی ہے کہ عزت و ذلت کے تمام تر اختیارات اسی اَلْمُعِزُّ اور اَلْمُذِلُّ کے ہاتھ میں ہیں۔

اللہ رب العزت سب کو عزت سے نوازے اور ذلت سے بچائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ (یونس:106)

اور اللہ کو چھوڑ کر ان کو مت پکارو جو تجھے نفع نہ پہنچا سکیں اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں پھر اگر تم نے ایسے کیا تو یقیناً بے انصافوں میں سے ہو جاؤ گے۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے دو عظیم ناموں کے متعلق آج کے خطبے میں کچھ گذارشات پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں، وہ دو نام ہیں اَلنَّافِعُ اور اَلضَّارُ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو ناموں کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

اَلضَّارُ الَّذِیْ یَضُرُّ الْعَاصِیْنَ بِحِرْمَانِہٖ ۔۔۔ اللہ رب العزت الضار اس معنی میں ہے کہ نافرمان اور عصیان کار لوگوں کو اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے محروم رکھ کر سزا دیتا ہے اور نقصان پہنچاتا ہے۔

وَالنَّافِعُ الَّذِیْ یَنْفَعُ الطَّائِعِیْنَ بِتَوْفِیْقِہٖ وَاِحْسَانِہٖ ۔۔۔ اور اس معنی میں وہ النافع ہے کہ اپنے فرمانبردار بندوں کو اپنی رحمت اور توفیق سے نفع اور فائدہ پہنچاتا ہے۔

ہر ذی عقل شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص نفع پہنچا سکے مگر ضرر پہنچانے پر قادر نہ

ہوتو وہ کامل واکمل کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کسی نافرمان کو یا کسی مجرم کو ضرر نہ پہنچا سکے اور اپنے دوست کو اور فرمانبردار کو نفع اور فائدہ نہ پہنچا سکے تو اسے کامل اور اکمل نہیں کہہ سکتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے کامل واکمل ہے لہٰذا النافع ہونے کے باوجود وہ اَلضَّارُ بھی ہے۔۔۔ وہ نیک بندوں کو اور اپنے پیاروں کو نفع پہنچانے پر قادر ہے تو بدکاروں اور عصیان کاروں کو سزا دینے پر اور ضرر پہنچانے پر بھی قادر ہے کیونکہ وہ قدرت کاملہ کا مالک ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے:

اَلنَّافِعُ اور اَلضَّارُ اللہ رب العزت کے ایسے ناموں میں سے ہیں جنہیں اکٹھا ذکر کرنا بہتر ہے۔ ان دونوں ناموں کے ساتھ ملا کر ذکر کرنے میں اللہ رب العزت کے لیے نفع اور نقصان پر قادر ہونے کی صفت بن جاتی ہے۔۔۔ جو ذات اور جو ہستی نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہ ہو تو ایسی ذات سے کسی فائدے کی امید اور کسی نقصان کا خوف کیسے رکھا جا سکتا ہے۔

اَلنَّافِعُ اور اَلضَّارُ میں ایک مفہوم یہ پایا جاتا ہے کہ وہ نقصان دہ چیز کو اپنی حکمت اور قدرت سے فائدہ مند چیز میں بدل دیتا ہے اور نفع بخش اور فائدہ مند چیز کو نقصان دہ چیز میں بدل دیتا ہے۔ جب اَلنَّافِعُ چاہے تو زہر قاتل کے ذریعہ شفا بخش دے۔۔۔ جلانے والی آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر گلزار بنا دے۔۔۔ وہ جب چاہے خیر کے پہلو سے شر کا پہلو نکال دے اور جب مرضی میں آئے تو شر کے پہلو سے خیر کا پہلو برآمد کر دے۔

یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے تا کہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے اور ہر ایک پر واضح ہو جائے کہ دنیوی اسباب اور دنیا کی اشیاء کسی کو نقصان یا فائدہ تب ہی پہنچا سکتی ہیں جب ان کے ساتھ اللہ کی مرضی، منشاء اور ارادہ شامل ہو جائے۔۔۔ ورنہ کسی چیز میں بذات خود نفع ونقصان پہنچانے کی قدرت نہیں ہے۔

ہاروت ماروت کا جادو ہاروت ماروت دو فرشتوں کو فقیروں کے بھیس میں بابل شہر (جہاں آج کل کوفہ ہے) میں بھیجا گیا۔ کچھ علماء کا خیال یہ ہے کہ ان کے بھیجنے سے مقصد لوگوں کی آزمائش تھی کہ آیا ابھی تک یہود کے ذہنوں سے جادو اور ٹونے ٹوٹکے کی عقیدت اور محبت زائل ہوئی ہے یا نہیں؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں ان کے اتارنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس زمانے میں جادو کا چرچا اور شہرت بہت زیادہ تھی۔ بعض دفعہ جادوگر نبوت کا دعویٰ کرتے اور جادو کے عجیب وغریب اور حیرت ناک کرتب اور شعبدے دکھا کر عوام الناس سے اپنی جھوٹی نبوت منوا لیتے۔

جادو کا اس قدر چرچا تھا کہ لوگ معجزے اور جادو میں تفریق نہ کر پاتے، اس طرح جادو کے ذریعہ روز بروز گمراہی پھیل رہی تھی۔ عام لوگ انبیاء کرام علیہم السلام اور جادوگروں کو ایک جیسا سمجھنے لگے تھے۔

اللہ رب العزت نے حق و باطل کے مابین تمیز کے لیے اور جادو اور معجزہ میں امتیاز قائم کرنے کے لیے ان فرشتوں کو بھیجا کہ لوگوں کو آگاہ کرو کہ جادو یہ ہوتا ہے اور معجزہ جادو سے ہٹ کر ایک اور حقیقت ہے۔

بدبخت لوگوں نے جادو کی آگاہی سے غلط فائدہ اٹھایا اور بجائے جادو سے بچنے کے خود جادوگر بن گئے اور زیادہ تر جادو خاوند اور بیوی کے مابین جدائی ڈالنے کے لیے کرنے لگے۔

جہاں اللہ رب العزت نے ہاروت ماروت کے اس واقعہ کو ذکر فرمایا۔۔۔ ساتھ ہی فرمایا:

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ:102)

حالانکہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

یعنی جادو، ٹونکے اور تعویذ گنڈے سے جو بھی آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ رب العزت کے حکم، اس کی قضا سے ہوتے ہیں کیونکہ موثر حقیقی وہی ہے نہ کہ یہ چیزیں۔۔۔ یہ تمام تر چیزیں تو محض اسباب کا درجہ رکھتی ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کی خیر و بھلائی کی طلب کے لیے اور نقصان اور ضرر کو اپنے سے ہٹانے کے لیے صرف اللہ رب العزت کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ اَلنَّافِعُ اور اَلضَّارُّ صرف وہی ہے۔

یاد رکھیے! نفع اور فائدہ پہنچانے والا صرف اللہ ہے۔۔۔ وہ اگر نفع پہنچانا چاہے۔۔۔ وہ تیری گود ہری کرنا چاہے۔۔۔ وہ تیری تجارت میں برکت عطا کرنا چاہے۔۔۔ وہ تجھے صحت سے ہم کنار کرنا چاہے۔۔۔ وہ بارانِ رحمت برسانا چاہے۔۔۔ وہ زراعت اور پیداوار میں اضافہ کرنا چاہے۔۔۔ وہ تجھے تخت پر براجمان کرنا چاہے۔۔۔ وہ تیرے گھر میں خوشحالی لانا چاہے تو پھر اس کے فضل و رحمت کو روکنے والا کون ہے؟

اور اگر وہ تجھے دکھ اور مصیبت میں گرفتار کر دے۔۔۔ بیماریوں میں مبتلا کر دے۔۔۔ قحط سالی کا شکار کر دے۔۔۔ اولاد کی نعمت سے محروم کر دے۔۔۔ فصلوں اور باغات کو اجاڑ دے۔۔۔ بدحالیوں میں گرفتار کر دے۔۔۔ وہ نقصان پہنچانے پر آئے تو پھر کون ہے جو تیرے نقصان کو نفع میں بدل دے؟ بدحالی کو خوشحالی میں تبدیل کرے؟ اولاد کی نعمت سے مالا مال کر دے؟ کوئی نہیں ہے کیونکہ اَلنَّافِعُ اور اَلضَّارُّ صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اپنے بندوں کو انداز بدل بدل کے یہ حقیقت سمجھائی ہے۔ سورۃ یونس میں ارشاد ہوا:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ (یونس:106)

اور اللہ کے سوا ایسوں کو مت پکارو جو تجھے نہ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں۔

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ

پھر اگر تو نے ایسا کیا (یعنی غیر اللہ کو پکارا) تو اس وقت تو بے انصافوں میں سے ہو جائے گا۔

یعنی اللہ کے سوا ایسوں کو پکاریں کہ آپ کا نفع ونقصان ان کے اختیار میں نہیں ہے تو یہ ظلم کا ارتکاب ہو گا۔ اور ظلم کا معنی ہے وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ۔۔۔ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی نامناسب جگہ رکھ دینا۔

عبادت وپکار چونکہ صرف اللہ کا حق ہے جو نافع وضار ہے پھر اس مستحق ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت وپکار ظلم عظیم شمار ہو گی اسی لیے سورۃ لقمان میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔

اس آیت میں بظاہر خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے مگر سمجھانا افراد انسانی اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ہے۔ یہ انداز اختیار کرنے سے مقصد غیر اللہ کی عبادت وپکار کی قباحت کو بیان کرنا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت اور غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اتنا بڑا جرم ہے اور اتنا غلیظ گناہ ہے اور ایسا مکروہ فعل ہے کہ اگر خدانخواستہ اس کا ارتکاب کائنات کے سرتاج اور محبوب رب العالمین سے بھی ہوتا تو وہ بھی بے انصافوں میں شمار ہوتے۔

اگلی آیت میں بڑی عجیب بات کہی کہ غیر اللہ کی عبادت اور غیر اللہ کو مصائب وتکالیف میں پکارنے کا فائدہ؟

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ (یونس:107)

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو ہٹانے والا کوئی نہیں ہے۔

قرآن کریم کا مطالعہ کیجیے! سیدنا ایوب علیہ السلام کی آزمائش فرمائی۔۔۔ دولت اور زمینیں سب کچھ برباد ہو گیا۔۔۔ اولاد کو موت کی نیند سلا دیا۔۔۔ نوکر چاکر ختم ہو گئے۔۔۔ جوانی اور صحت جواب دے گئی۔۔۔ سیدنا ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال بیماری میں مبتلا رہے۔۔۔ طاقت وقوت ختم ہو گئی۔۔۔ کروٹ تبدیل کرنے سے عاجز آ گئے۔۔۔ جسم کا

گوشت ہڈیوں سے الگ ہو گیا۔۔۔۔پیغمبر خود پکارا تھا: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ۔۔۔۔مولا! مجھ کو نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔۔۔۔ مجھ پر رحم فرما کر میری مصیبت اور دکھ کو دور فرما دے۔ قرآن کہتا ہے:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ (الانبیاء:84)

ہم نے اس کی دعا کو قبول کر لیا اور جو تکلیف اور دکھ اسے تھا اسے دور فرما دیا۔

قرآن پڑھیے! سیدنا یونس علیہ السلام کو مچھلی نے لقمہ بنا لیا۔۔۔۔ وہ تین اندھیروں میں قید ہو گئے۔۔۔۔ مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا ایک۔۔۔۔ رات کا اندھیرا دو۔۔۔۔ اور سمندر کی تہہ کا اندھیرا تین۔۔۔۔ انہیں ایک بہت بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا وہاں انہوں نے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارا۔۔۔۔ اللہ رب العزت کہتا ہے:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ (الانبیاء:88)

ہم نے اس کی فریاد کو سن لیا اور جس گھٹن اور غم میں وہ مبتلا تھے اس سے ان کو بچا لیا۔

سورۂ یونس کی آیت نمبر 107 میں آگے اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ

اور اگر اللہ تجھے راحت اور بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی پھیرنے والا نہیں ہے۔

اسی حقیقت کو ایک اور انداز میں سورۃ الزمر کی آیت نمبر 38 میں بیان فرمایا۔ آیت کے شروع میں فرمایا میرے محبوب پیغمبر ﷺ! اگر آپ مشرکین سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو وہ جواب میں کہیں گے۔۔۔۔ اللہ ہی ہے۔ آگے فرمایا اب ان سے کہیے:

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖ

اچھا یہ تو بتاؤ کہ جن جن کو (مصائب ومشکلات میں) اللہ کے سوا (مدد کے لیے) تم پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمہارے معبود اس نقصان کو دور کر سکتے ہیں۔

اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَۃٍ ھَلْ ھُنَّ مُمْسِکٰتُ رَحْمَتِہٖ

یا اللہ مجھے کسی رحمت ومہربانی سے نوازنا چاہے تو کیا تمہارے معبود اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟

ظاہر ہے اس کا جواب یہی ہونا تھا کہ اللہ کے ارادوں کے آگے بند باندھنے کی جرأت کس میں ہے۔۔۔ اس کے فیصلوں کو رد کرنے والا کون ہے؟ اس کے حکموں سے سرتابی کرنے والا کون ہے؟ اسی لیے آخر میں فرمایا میرے پیغمبر! آپ اعلان کریں:

حَسْبِیَ اللّٰہُ

اگر تمہارے معبود نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تو میرے لیے اللہ ہی کافی ہے جو اَلنَّافِعُ بھی ہے اور اَلضَّارُّ بھی۔

اسی بات کو سورۃ الفتح کی آیت نمبر 11 میں ایک دوسرے انداز میں بیان فرمایا:

6 ہجری میں عمرے کی غرض سے نبی اکرم ﷺ چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔۔۔ آپ کو یہ بھی گمان تھا کہ شاید مشرکین مکہ شرارت کریں اور جنگ کرنی پڑے۔۔۔ آپ نے سب لوگوں کو چلنے کا حکم دیا۔۔۔ مگر کچھ منافقین اعراب آپ کے ساتھ نہ گئے، انہیں خطرہ تھا کہ جو مشرکین مدینہ میں چڑھائی کر کے مسلمانوں سے لڑتے ہیں وہ اپنے شہر میں انہیں کیوں چھوڑیں گے۔۔۔ وہ سمجھتے تھے مسلمان موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ حدیبیہ سے واپسی پر آپ کو اللہ رب العزت نے اطلاع دی کہ تمہارے واپس مدینہ جانے پر منافقین آپ کے ساتھ نہ آنے کے جھوٹے بہانے اور حیلے کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم اپنے گھر کے کام کاجوں اور دھندوں میں مشغول رہے، ہمارے مال

اور اہل وعیال کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں تھا، لہٰذا ہمارا عذر قبول کرتے ہوئے ہمیں معاف کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ میرے پیغمبر! آپ ان سے کہیں:

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (الفتح:11)

کون اختیار رکھتا ہے تمہارے لیے اللہ کے مقابلے میں کسی چیز کا اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا تمہیں نفع دینا چاہے بلکہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

یعنی تم کہتے ہو کہ اپنے مال اور گھر والوں کی حفاظت کی وجہ سے میرے ساتھ نہ جا سکے۔۔۔ تو کیا اللہ اگر تمہارے مال واولاد وغیرہ میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو تم گھر میں رہ کر اسے روک سکتے ہو۔۔۔ یا فرض کرو اللہ رب العزت تمہارے مال وعیال میں تمہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہے اور تم گھر میں موجود نہ ہو تو کیا اسے کوئی روک سکتا ہے؟

جب نفع ونقصان کو کوئی روک نہیں سکتا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے مقابلے میں ان چیزوں کی پرواہ کرنا نری حماقت اور گہری ضلالت ہے۔

اس آیت میں بھی یہی سمجھایا گیا کہ اَلنَّافِعُ اور اَلضَّارُّ صرف اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے۔

یہی حقیقت نبی اکرم ﷺ نے سمجھائی سامعین گرامی قدر! قرآن کی آیات کریمہ آپ نے سماعت فرمالیں۔ آیئے اب میں آپ کو امام الانبیاء ﷺ کا ایک ارشاد گرامی بھی سناؤں۔ جس سے واضح ہوگا کہ ہر قسم کا نفع اور نقصان اللہ رب تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کے چچا زاد بھائی سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ نے فرمایا اے لڑکے! اِحْفَظِ اللّٰهَ۔۔۔ ہمیشہ اللہ کو یاد رکھو وہ بھی تجھے یاد رکھے گا اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پالے گا۔

وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ۔۔۔ جب تو نے مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ۔۔۔ اسی کے آگے جھولی پھیلا۔۔۔ اسی کے دروازے پر آ کر سوال کر۔

اسی بات کو ایک موقع پر یوں بیان فرمایا:

چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک شخص اپنی حاجت اپنے اللہ سے مانگے۔۔۔ حتّٰی یَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِہٖ إِذَا انْقَطَعَ (ترمذی)

یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ ہی سے مانگے۔

حیف اور تعجب اور افسوس ہے کہ اتنی نکھری ہوئی توحید کا سبق دینے والے پیغمبر ﷺ کی امت اپنی حاجات کے طلب کرنے کے لیے کہاں کہاں دھکے کھا رہی ہے۔ آپ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نصیحت فرمائی کہ جب بھی سوال کرنا ہو تو اللہ ہی کے دروازے کے سائل بنو پھر فرمایا:

وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ۔۔۔ اور جب بھی (مصائب میں) تجھے مدد مانگنی ہو تو اللہ ہی سے مدد مانگ۔

کیونکہ تو نماز کی رکعتوں میں کہتا ہے۔۔۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۔۔۔ مولا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے جھوٹے عذر اور بہانے سن کر کہا تھا:

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (یوسف:18)

جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے آگے اللہ ہی سے مدد مانگنے کی دلیل ارشاد فرمائی:

وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ

یقین رکھ! اگر تمام لوگ تجھے کچھ نفع پہنچانے کے لیے اکٹھے ہو جائیں تو وہ تجھے کچھ نفع

نہیں پہنچا سکتے مگر اسی قدر جتنا اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔

وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ (ترمذی:78/2)

اور اگر وہ سب لوگ مل کر تجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ ذرہ برابر تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے تیرے مقدر میں لکھا ہے۔

رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ ۔۔۔ قلم اٹھا لیے گئے اور کتابیں خشک ہو گئیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نہیں قرآن وحدیث نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ نفع ونقصان کا مالک اور چیزوں میں نفع ونقصان کی تاثیر رکھنے والی ہستی وہی ہے جس کا نام اَلنَّافِعُ اور اَلضَّارُّ ہے۔۔۔ اس کے علاوہ مخلوق میں سے کوئی بھی نفع ونقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہے۔

مخلوق میں سب سے برتر وبالا قدر۔۔۔ سب سے اعلیٰ اور اولیٰ اگر کوئی ہستی ہے تو وہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جنہیں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنایا گیا اور جن کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجایا گیا۔۔۔ جنہیں رحمۃ اللعالمین کے لقب سے نوازا گیا۔۔۔ جنہیں شفیع المذنبین ہونے کے شرف سے مشرف کیا گیا۔۔۔ جنہیں حوضِ کوثر کا ساقی بنایا گیا۔۔۔ حامل لواء الحمد کی عظمت عطا کی گئی۔۔۔ جنہیں قرآن جیسی عظیم الشان کتاب عطا کی گئی۔۔۔ اگر نفع ونقصان پہنچانے کی صفت کسی کو عطا کی گئی ہوتی تو اس کے سب سے اوّلین مستحق سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔۔۔ مگر قرآن میں ان کی زبان مقدس سے اعلان کروایا گیا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(اعراف:188)

آپ کہہ دیں میں اپنی جان کے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر (ہوتا وہی ہے) جو اللہ چاہتا ہے اگر میں عالم الغیب ہوتا تو بہت ساری بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو ایمان والوں کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

کتنے واضح اور صاف لفظوں میں آپ کی زبان سے اعلان کروایا گیا کہ میں تمہارے نفع ونقصان تو کجا اپنی جان کے لیے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اپنا نفع ونقصان میرے ہاتھ اور میرے اختیار میں ہوتا تو غزوۂ احد میں مجھے پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔۔۔۔ میرے دانت شہید نہ ہوتے۔۔۔ میرا سر زخمی نہ ہوتا اور میں گڑھے میں گر کر زخمی نہ ہوتا۔۔۔ غزوۂ خیبر میں زہر آلود کھانا کھانے کی تکلیف میں مبتلا نہ ہوتا۔۔۔ میرے ستر صحابہ شہید نہ ہوتے۔

لوگو! جب سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء، خاتم النبیین اور محبوب رب العالمین ﷺ اپنی جان کے نفع ونقصان کے مالک نہیں تو پھر مخلوق میں اور کون ایسا ہوسکتا ہے جس کے قبضہ واختیار میں ہمارا نفع یا نقصان ہو۔ لہٰذا اَلنَّافِعُ اور اَلضَّارُّ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔

حبیب نجار سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ایک بستی میں ہم نے اپنے تین پیغمبروں کو مبعوث فرمایا جنہوں نے پیغامِ الٰہی سنایا اور قوم کو شرک اور غیر اللہ کی عبادت سے روکا۔ قوم نے یہ کہہ کر ان کی رسالت اور پیغام کا انکار کر دیا کہ تم ہماری طرح بشر اور انسان ہو۔۔۔ کھاتے پیتے۔۔۔ تجارت کرتے۔۔۔ ضروریاتِ زندگی کے محتاج۔۔۔ اور بشر نبی نہیں ہوسکتا اس لیے تم دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہو۔ علاقے میں قحط سالی پھیلی تو انہوں نے اسے بھی ان نبیوں کی نحوست قرار دیا اور پھر دھمکی دی کہ اگر تم اپنی دعوت وتبلیغ سے باز نہ آئے اور ہمارے معبودوں کی مخالفت ترک نہ کی تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔

قوم نے جب ان نبیوں کو قتل کرنے کی ٹھان لی تو شہر کے دوسرے کنارے سے ایک

شخص دوڑتا ہوا آیا یہ نجاری (بڑھئی) کا کام کرتا تھا اور اس کا نام مفسرین نے حبیب نجار ذکر کیا ہے۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ یہ نبی جو کہہ رہے ہیں صحیح کہہ رہے ہیں ان کی مخالفت چھوڑ کر ان کی پیروی کرو اور ان پر ایمان لے آؤ۔

قوم کے لوگ حبیب نجار سے کہنے لگے۔۔۔ اچھا تم بھی انہی کے ساتھی ہو؟ تم بھی ہمارے معبودوں کے مخالف ہو۔۔۔ ان کے جواب میں حبیب نجار نے کہا:

وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (22) أَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ (یٰسین: 22.23)

اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں۔

قوم نے اس کی تقریر کا ذرا بھی اثر نہ لیا اور اسے قتل کرنے کے لیے امڈ پڑے۔ حبیب نجار نے نبیوں کو اپنے ایمان پر گواہ بنایا۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور ہم نے اسے کہا اُدْخُلِ الْجَنَّةَ۔۔۔۔ جنت میں داخل ہو جا۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے دو ناموں اَلنَّافِعُ اور اَلضَّارُّ پر میری گفتگو آپ نے سماعت فرمائی کہ کسی کو کسی طرح کا نفع پہنچانا یا کسی کو کسی طرح کا نقصان پہنچانا یہ صفت مخلوق کی نہیں بلکہ خالق کی ہے۔۔۔ اللہ کی مشیت اور ارادہ نہ ہو تو ساری خلقت مل کر بھی کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ہم بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹروں اور حکیموں کے ہاں جاتے ہیں وہ نسخہ تجویز کرتے ہیں مگر اثر دوائی میں نہیں ہے بلکہ موثر حقیقی صرف اللہ ہی ہے۔۔۔ کیا ہم سب کا تجربہ نہیں ہے کہ ایک مریض کو حکیم نے ایک نسخہ استعمال کروایا اسے افاقہ ہوا۔۔۔ اسی مرض میں دوسرے مریض کو وہی نسخہ استعمال کروایا تو غیر موثر ہوا۔

انسان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع اور پیروی میں کوشش کرنی چاہیے کہ

خلقت کو نفع اور فائدہ پہنچانے کی سعی اور کوشش کرے۔۔۔ غریبوں، مسکینوں، پڑوسیوں اور رشتے داروں کی خیر خواہی کرے۔۔۔ اس کی زبان سے، مال سے، علم سے، ہنر سے دوسروں کو فائدہ پہنچنا چاہیے تا کہ مرنے کے بعد لوگ اسے بھلائی کے لفظوں سے یاد کریں۔

یقین کیجیے! دوسروں کے لیے فائدہ سوچنا اور دوسرے کو نفع پہنچانے سے انسان کو خود نفع پہنچتا ہے۔ آزما کر دیکھ لو اسے سچ پاؤ گے۔

کسی شاعر نے کہا ہے

نام مطلوب ہے تو فیض کے اسباب بنا   پل بنا، چاہ بنا، مسجد و تالاب بنا

جس طرح اَلنَّافِعُ تمہیں نے نفع پہنچایا ہے اسی طرح تم اس کی مخلوق کے فائدہ اور نفع کے لیے سوچو۔۔۔ کتنی سچی بات کہی گئی ہے:

اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ خِدْمَةُ الْخَلْقِ۔۔۔ سب سے بڑی عبادت خدمتِ خلق ہے۔

اللہ رب العزت نے ماتحت الاسباب انسان کو بھی کسی لحاظ سے ضارّ بنایا ہے۔۔۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی طاقت کو بے جا استعمال کر کے کسی کے لیے ضرر کا باعث نہ بنے۔ شریعت نے دشمن کو ضرر پہنچانے کی اجازت دی ہے مگر ایک محدود دائرے میں کہ زیادتی کا ارتکاب نہ ہو۔ انسان اور حیوان تو رہے ایک طرف۔۔۔۔ اگر کسی جھاڑی جھنکاڑی سے آپ کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو اسے بھی اسی قدر کاٹے جس سے آپ کی رکاوٹ اور تکلیف کا ازالہ ہو جائے۔ اللہ رب العزت فساد فی الارض کو قطعاً پسند نہیں فرماتا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال النبی ﷺ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ

(مسلم 349/2)

سامعین گرامی قدر! آج میرے خطبے کا موضوع ہے اللہ رب العزت کے دو عظیم ناموں اَلْمُقَدِّمُ (سب سے آگے، آگے بڑھانے والا) اَلْمُؤَخِّرُ (سب سے پیچھے، پیچھے ہٹانے والا) کی تفسیر وتشریح۔۔۔ اللہ تعالیٰ مجھے بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ دونوں اسماء الٰہی قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوئے البتہ ان کے افعال مستعمل ہوئے ہیں۔ سورۃ المنافقون میں ہے کہ اللہ رب العزت کی راہ میں مال خرچ کرو موت کے آنے سے پہلے پہلے۔۔۔ موت کے وقت بندہ کہے گا:

رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ (المنافقون:10)

میرے پروردگار! تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت کیوں نہیں دیتا کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں۔

سورۃ الفرقان میں ارشاد ہوا:

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان:23)

اور ہم پہنچے (متوجہ ہوئے) ان کے کیے گئے عملوں پر پھر ہم نے اسے اڑتی خاک بنادیا۔

سورۃ القیامۃ میں فرمایا:

يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ (القیامۃ:13)

آج انسان کو آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے (اعمال سے) آگاہ کر دیا جائے گا۔

حدیث میں یہ دونوں اسماء الٰہی امام الانبیاء ﷺ کی ایک دعا میں استعمال ہوئے ہیں۔ خلیفہ رابع، داماد نبی، امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ تشہد اور سلام کے درمیان میں یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

اے میرے مولا! میری مغفرت فرما ان گناہوں کی جو میں نے پہلے کیے اور جو میں نے پیچھے کیے اور جو میں نے چھپا کر کیے اور جو اعلانیہ کیے اور جو میں نے زیادتیاں کی ہیں اور وہ گناہ جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہیں معاف فرما آپ ہی مقدم اور اور آپ ہی موخر ہیں اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اس دعا میں امام الانبیاء ﷺ نے اپنے لیے ہر قسم کے گناہوں کی مغفرت طلب کی ہے تو اس سے مراد امت کو تعلیم دینا ہے کہ وہ ہر وقت اور ہمیشہ اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے رہیں یا یہاں گناہوں سے مراد خلاف اولیٰ امور ہیں جن کا اطلاق عام لوگوں سے ہو تو قابل گرفت نہ ہو لیکن چونکہ آپ کا مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے۔۔۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب سب سے زیادہ حاصل ہے اس لیے آپ سے ایسے امور کا صادر ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آتا۔۔۔ جیسے کہتے ہیں غیر پتھر بھی مارے تو تکلیف نہیں ہوتی

مگر دوست اور محبوب پھول بھی مارے تو نا گوار گزرتا ہے۔

آپ سے گناہوں کا صدور ممکن ہی نہیں ہے آپ معصوم عن الخطاء والعصیان ہیں آپ کے بارے میں تو قرآن نے واضح الفاظ میں فرمایا:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا (2) وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا (الفتح:2،3)

تا کہ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دے اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور تجھے سیدھی راہ پر چلائے رکھے اور اللہ تیری زبردست مدد کرے۔

اللہ رب العزت نے ان آیتوں میں نبی اکرم ﷺ پر ہونے والے جن چار انعامات کا ذکر فرمایا ان میں پہلی چیز غفران ذنوب ہے (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ کے بلند و بالا مرتبہ کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں)

حدیث شفاعت میں آتا ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائے گی تو وہ کہیں گے اِئْتُوا مُحَمَّدًا۔۔۔تم محمد عربی ﷺ کے ہاں جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ معاف کر چکا ہے۔۔۔اگلی پچھلی خطاؤں سے درگذر والی بات اللہ رب العزت نے میرے پیارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے نہیں فرمائی۔

آپ سن کر حیران ہو جائیں گے کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ اس قدر عبادت فرماتے اور نوافل پڑھتے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے قدم مبارک سوج جاتے۔۔۔ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرما چکا ہے، آپ جواب میں فرماتے:

اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔۔۔تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

بعض علماء نے لکھا ہے:

اَلْمُقَدِّمُ الْمَنَازِلَ لِلْاَشْيَاءِ مَنَازِلَهَا يُقَدِّمُ مَا شَاءَ مِنْهَا وَيُؤَخِّرُ مَا شَاءَ قَدَّمَ الْمَقَادِيْرَ قَبْلَ اَنْ تَخْلُقَ وَقَدَّمَ مَنْ اَحَبَّ مِنْ اَوْلِيَائِهٖ عَلٰى غَيْرِهِمْ مِنْ عَبِيْدِهٖ

اَلْمُقَدِّمُ وہ ہستی ہے جو تمام اشیاء کو اپنے مراتب اور منازل پر اتارنے والا ہے ان میں سے جس کو چاہے مقدم کرے اور جسے چاہے موخر کردے، اللہ رب العزت نے مخلوقات کی تخلیق سے تقدیر کو مقدم کردیا اور اپنے پیارے بندوں کو دوسرے بندوں پر (عزت ومرتبہ میں) مقدم کیا۔

اور کچھ علماء نے لکھا ہے:

اَلْمُقَدِّمُ هُوَ الْمُعْطِيْ لِعَوَالِي الرُّتَبِ

اَلْمُقَدِّمُ وہ ذات ہے جو لوگوں کو بلند مرتبے عطا فرماتا ہے۔

وَالْمُؤَخِّرُ هُوَ الدَّافِعُ عَنْ عَوَالِي الرُّتَبِ

اور المؤخر وہ ہستی ہے جو لوگوں کو اونچے مرتبوں پر پہنچنے سے روکتی ہے۔

فَقَرَّبَ اَنْبِيَائَهٗ بِتَقْرِيْبِهٖ وَهِدَايَتِهٖ وَاَخَّرَ اَعْدَائَهٗ بِاِبْعَادِهٖ

انبیاء علیہم السلام کو عزت وہدایت عطا کرکے اپنا قرب عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو رحمت وہدایت سے دور کرکے ذلیل ورسوا فرمایا۔

شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يُقَدِّمُ مَنْ شَاءَ مِنْ خَلْقِهٖ اِلٰى رَحْمَتِهٖ بِتَوْفِيْقِهٖ

اَلْمُقَدِّمُ وہ ہے جو اپنی مخلوقات میں جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کی طرف اپنی توفیق اور حکم سے مقدم کرتا ہے۔

وَيُؤَخِّرُ مَنْ يَّشَاءُ عَنْ ذَالِكَ لِخِذْلَانِهٖ

اور جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے:

اَلۡمُقَدِّمُ وہ ذات ہے جو اپنی بعض مخلوق کو بعض مخلوق پر مقدم فرماتی ہے مثلاً عزت و شرف میں۔۔۔ اقتدار و حکومت میں ایک کو دوسرے پر عظمت اور فضیلت عطا فرمائی ہے۔۔۔ وہ بعض کو بعض پر وجود میں مقدم کر دیتا ہے مگر شرف اور عظمت کے اعتبار سے مؤخر کر دیتا ہے۔۔۔ ابلیس کو آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیا مگر سب سے بدتر کر دیا، راندۂ درگاہ بنا دیا، قیامت تک کے لیے اپنی رحمت سے مؤخر کر دیا۔

اس کے برعکس انسان کو کئی مخلوقات کے بعد پیدا کیا۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر اسے اشرف المخلوقات کے شرف سے نوازا، فرشتوں اور جنات کو آدم علیہ السلام کے سامنے جھکنے کا حکم دیا۔

قرآن کریم نے سچ کہا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ (انبیاء:23)

وہ اپنے کاموں کے بارے میں (کسی کے آگے) جوابدہ نہیں اور وہ سب (اس کے آگے) جوابدہ ہیں۔

اللہ رب العزت ہی اَلۡمُقَدِّمُ اور اَلۡمُؤَخِّرُ ہے۔۔۔ وہ تخلیق کے لحاظ سے کسی کو مؤخر کرتا ہے مگر شرف و عظمت اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے اسے مقدم بنا دیتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سب نبیوں کے بعد تشریف لائے مگر مرتبے اور مقام میں سب سے آگے ہیں۔

آپ نے خود فرمایا:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ

میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔

وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ

قیامت کے دن میں ہی حمد کے جھنڈے کو اٹھانے والا ہوں اور مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں ہے۔

قیامت کے دن ہر نبی کو ایک جھنڈا دیا جائے گا جس کے نیچے اس نبی کی امت کھڑی ہوگی۔۔۔اور جو جھنڈا نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا وہ اتنا وسیع و عریض ہوگا کہ تمام نبی اپنی امتوں سمیت میرے نبی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

میرے پیارے نبی مکرم ﷺ آئے تمام نبیوں کے آخر میں مگر اَلْمُقَدِّمُ نے انہیں شبِ معراج میں آگے بڑھایا اور امام الانبیاء ﷺ کے منصب سے نوازا۔۔۔آئے سب نبیوں کے بعد۔۔۔۔۔۔مگر جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔۔۔۔۔خود فرمایا کہ سب سے پہلے میں جنت کے دروازے پر دستک دوں گا، دربان پوچھے گا کس نے دروازے پر دستک دی ہے؟ میں کہوں گا۔۔۔۔۔۔اَنَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ۔۔۔۔۔۔میں محمد عربی ﷺ ہوں۔۔۔دربان کہے گا مجھے بھی یہی حکم تھا کہ جب تک میرا محبوب پیغمبر نہ آئے تب تک جنت کا دروازہ نہیں کھولنا۔

اَلْمُقَدِّمُ نے میرے نبی مکرم ﷺ کو مرتبے اور مقام میں اور درجات میں سب سے آگے کر دیا۔۔۔سب سے بڑھا دیا۔۔۔چنانچہ جنت کا سب سے اعلیٰ مقام اور سب سے اونچا درجہ۔۔۔۔جس کا نام الوسیلہ ہے وہ میرے محبوب پیغمبر ﷺ کو عطا ہوگا۔۔۔جس درجہ اور منزل کے لیے ہم ہر اذان کے بعد دعا مانگتے ہیں۔۔۔۔ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَةَ۔۔۔۔۔یا اللہ! جنت میں وسیلہ نامی درجہ اور مقام ہمارے نبی کو عطا کرنا۔۔۔۔۔۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرا جو امتی ہر اذان کے بعد میرے لیے یہ دعا مانگے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

وسیلہ کا معنی عربی میں قرب اور نزدیکی کا آتا ہے۔

اَلتَّوَسُّلُ اَلتَّقَرُّبُ اِلَى اللّٰهِ بِالْاِيْمَانِ وَبِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ

یعنی توسّل کہتے ہیں ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنا۔

جنت کے اس عظیم الشان درجے کا نام بھی الوسیلہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ اللہ کے عرش کے قریب ہے۔

اللہ رب العزت کا اسم گرامی اَلْمُؤَخِّرُ بھی ہے یعنی ایسی ذات جو اپنے دشمنوں کو اپنے قرب اور رحمت سے دور کر دیتی ہے یا کفار و نافرمان لوگوں کی سزا اور پکڑ میں تاخیر کرتی ہے۔۔۔ گناہ گاروں کو جلدی نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (ابراہیم:42)

یہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ کو اس کی خبر نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو ان کو مہلت دے رہا ہے اس دن کے لیے جب نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

سامعین گرامی قدر! انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ رب العزت کی رحمت کا امیدوار رہے۔۔۔ کیونکہ اس کا ایک نام اَلْمُقَدِّمُ بھی ہے۔۔۔ کسی وقت بھی آگے بڑھ کر گرتے ہوئے گنہگار کو تھام لے اور اسے درجات و مغفرت میں آگے بڑھا دے۔

اور انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت عذابِ الٰہی سے خائف و ترساں رہے۔۔۔ کیونکہ وہ اَلْمُؤَخِّرُ بھی ہے۔۔۔ نہ جانے کس وقت کسی خطاء پر پکڑ لے اور بلند درجات سے گرا دے۔۔۔ اور آگے بڑھنے والے انسان کو پیچھے دھکیل دے۔

کیا آپ نے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نہیں سنا:

اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ (بخاری)

ایمان خوف اور امید کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔

یعنی اللہ کی رحمت کی امید بھی اور اللہ کی پکڑ اور سزا کا خوف بھی۔

اس حقیقت میں شک کی کئی گنجائش نہیں ہے کہ امام الانبیاء ﷺ معصوم عن الخطاء والعصیان تھے۔۔۔چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک اور منزہ تھے۔۔۔پھر درجات کی بلندیوں پر فائز بھی تھے۔۔۔مگر اس اعزازِ ربانی کے باوجود۔۔۔اور اتنے مراتب درجات کے باوجود رات کا اکثر حصہ عبادت میں مصروف رہتے۔۔۔دن میں سو سو مرتبہ استغفار فرماتے۔۔۔گھنے بادل چھا جاتے تو چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا۔۔۔اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے۔

آخر میں ایک وظیفہ بھی غور سے دن لیجیے:

اگر کسی عہدیدار اور ملازم کی ترقی کسی سبب سے رکی ہوئی ہو اور وہ اس ترقی کا حقدار بھی ہو تو اسمِ پاک اَلْمُقَدِّمُ کے اعداد کے مطابق 184 مرتبہ اول آخر سات سات مرتبہ درودِ ابراہیمی کے ساتھ روزانہ کم از کم اکیس دن پڑھے۔

بلاوجہ ملازمت سے برخاست کیے جانے والے ملازم کو بھی اپنی بحالی کے لیے اسی طرح پڑھنا چاہیے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید:3)

وہی سب سے پہلا ہے اور سب سے پچھلا وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی اور وہی ہر شئی کو بخوبی جاننے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج جمعۃ المبارک کے خطبے میں آپ حضرات کے سامنے اللہ کے چار اسماء گرامی اَلْاَوَّلُ (سب سے پہلے) اور اَلْاٰخِرُ (سب سے آخر، پیچھے) اور اَلظَّاهِرُ (نشانیوں اور دلائل کے لحاظ سے ظاہر) اور اَلْبَاطِنُ (اپنی ذات میں پوشیدہ) کی تشریح اور مفہوم بیان کرنے کا ارادہ ہے، اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

بعض علماء نے لکھا ہے:

اَلْاَوَّلُ هُوَ الَّذِيْ لَا قَبْلَ لَهٗ وَالْاٰخِرُ هُوَ الَّذِيْ لَا بَعْدَ لَهٗ

اَلْاَوَّلُ وہ ذات ہے جس سے پہلے کوئی نہیں تھا اور اَلْاٰخِرُ وہ ہستی ہے جس کے بعد کوئی نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ قَبْلُ (پہلے) اور بَعْدُ (بعد) انتہاء کے لیے استعمال

کیے جاتے ہیں۔ پہلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی ابتداء کی جانب سے ایک حد۔۔۔اور بعد میں ہونے کا مطلب ہے کسی چیز کی انتہاء کی طرف سے ایک حد۔۔۔فَاِذَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ اِبْتِدَاءٌ وَلَا اِنْتِهَاءٌ ۔۔۔۔۔۔پس جب اللہ تعالیٰ کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہاء۔۔۔تو پھر وہ اول ہے اور وہی آخر ہے۔

اللہ رب العزت ہی اَلْاَوَّلُ ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں، اپنے وجود میں اور اپنی ذات میں وہی اول ہے کیونکہ اس سے پہلے کچھ نہیں تھا۔۔۔اور وہی اَلْاٰخِرُ ہے کہ اس کے بعد کوئی نہیں اور اس کی بقاء کی کوئی انتہاء نہیں۔۔۔وہی ہے جو تمام موجودات کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہ جائے گا۔

امام زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْاٰخِرُ هُوَ الْمُتَاَخِّرُ عَنِ الْاَشْيَاءِ كُلِّهَا وَيَبْقٰى بَعْدَهَا

اللہ تعالیٰ اَلْاٰخِرُ اس معنی میں ہے کہ تمام اشیاء ختم ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ہمیشہ رہے گا۔

بعض علماء نے اَلْاَوَّلُ اور اَلْاٰخِرُ کی تشریح میں لکھا ہے:

اَلْاٰخِرُ هُوَ الْبَاقِيْ بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ وَلَيْسَ مَعْنَى الْاٰخِرِ مَالَهُ الْاِنْتِهَاءُ كَمَا لَيْسَ مَعْنَى الْاَوَّلِ مَالَهُ الْاِبْتِدَاءُ فَهُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ

اَلْاٰخِرُ وہ ذات ہے جو مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گی۔ اَلْاٰخِرُ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کی انتہاء اور اختتام مقرر ہو جس طرح اَلْاَوَّلُ کا یہ مفہوم نہیں کہ جس کی کوئی ابتداء ہوئی ہو پس معلوم ہوا کہ جب کوئی نہیں تھا اور کچھ بھی نہیں تھا اس وقت بھی اَلْاَوَّلُ موجود تھا۔

اور جب کوئی نہیں رہے گا اور کچھ بھی نہیں بچے گا اس کے بعد بھی اَلْاٰخِرُ موجود رہے گا۔ اللہ رب العزت اَلْاَوَّلُ یعنی وجود کے اعتبار سے ہر چیز کے وجود سے مقدم اور

اول ہے۔حدیث مبارکہ میں آتا ہے جس کے راوی سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهٗ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ وَخَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (بخاری 453/1)

اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھا جب کچھ نہیں تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز لوح محفوظ میں لکھ دی تھی اور آسمانوں اور زمین کو تخلیق فرمایا۔

اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْاٰخِرُ کے معنی کچھ علماء نے یہ کیے ہیں کہ تمام کائنات اور تمام موجودات کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وہی باقی رہے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (26) وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمن 26.27)

زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں صرف تیرے رب کی ذات جو جلال واحسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ربانی ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص:88)

اللہ رب العزت کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

اللہ رب العزت کی ان دونوں صفتوں کو اور اللہ کے ان دونوں ناموں کو سورۃ الحدید میں ذکر کیا گیا۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید:3)

وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے ہے وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَقْرَأُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ اَنْ یَّرْقُدَ

نبی اکرم ﷺ سونے سے پہلے مُسَبِّحَات (یعنی وہ سورتیں جو سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ سے شروع ہوتی ہیں مثلاً الحدید، الحشر، الصف، الجمعۃ، التغابن، الاعلیٰ وغیرہ) پڑھا کرتے تھے۔

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ فِیْھِنَّ اٰیَۃً اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ اٰیَۃٍ (ابوداود)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان سورتوں میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیات سے (تلاوت کے اجر میں) افضل ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالْاٰیَۃُ الْمُشَارُ اِلَیْھَا فِی الْحَدِیْثِ ھِیَ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ قَوْلُہٗ تَعَالٰی ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

جس آیت کی فضیلت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے غالباً وہ یہی آیت ہے ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے ان ناموں کے بارے میں ایک فرمان نبوی ﷺ بھی سماعت فرمایئے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم رات کے وقت سونے کے لیے بستروں پر آئیں تو دائیں کروٹ پر سوئیں اور یہ دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی وَ مُنَزِّلَ التَّوْرَاتِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِہٖ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَاَغْنِنَا مِنْ

الْفَقْرِ (مسلم، کتاب الذکر والدعا، ترمذی، 186/2)

اے اللہ مالک آسمانوں کے اور مالک زمین کے اور عزت والے عرش کے مالک، اے اللہ ہمارے رب اور ہر چیز کے رب اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والے (درخت اگانے کے لیے اور اناج پیدا کرنے کے لیے) تورات، انجیل اور قرآن کو نازل کرنے والے میں تیری پناہ پکڑتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے جس کی پیشانی تیرے قابو میں ہے اے اللہ تو سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کوئی شئی نہیں اور تو سب کے بعد اور پیچھے ہے تیرے بعد کوئی شئی نہیں (یعنی ازلی اور ابدی صرف تو ہے) تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں تیرا نام باطن ہے (یعنی لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا ہے) تیرے نیچے کوئی چیز نہیں تو ہمارا قرض ادا فرما اور محتاجی سے ہم کو بے پرواہ فرما دے۔

سامعین گرامی قدر! ہم میں کتنے لوگ ہیں جو قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اور کتنے ہیں جو فقر اور فاقہ کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔۔۔ پھر ہم ان مصیبتوں سے نجات کے لیے نام نہاد عاملین کے ڈیروں کے چکر لگاتے ہیں اور وہ خود غرض چکر باز ہمیں کس قدر چکر دیتے ہیں۔۔۔ رہی سہی رقم نذر و نیاز کے نام پر ہم ان پر لوٹا آتے ہیں۔۔۔ پھر ہم علماء کرام سے قرض اور فقر و فاقہ سے نجات کے لیے وظیفہ پوچھتے ہیں۔

یہ وظیفہ اور یہ دعا کسی عام شخص کی تعلیم کردہ نہیں ہے بلکہ یہ کلمات انہوں نے سکھائے ہیں جو وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کے مصداق ہیں۔

یہ دعا یاد کیجیے! اور ہر روز سونے سے پہلے مانگیے، جو شخص قرضے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے یا روزی اور رزق کی تنگی کا شکار ہے یہ دعا ان شاء اللہ اس کے لیے نسخۂ اکسیر ثابت ہو گی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو آخر باعتبار معرفت کے کہا گیا ہے کہ سب سے آخر معرفت اسی کی ہے۔ ایک انسان علم و معرفت میں ترقی کرتا رہتا ہے۔۔۔

اور اس کی انتہا اور آخری حد اللہ رب العزت کی معرفت ہے۔

اللہ رب العزت کا ایک نام اَلظَّاهِرُ ہے۔ علماء نے اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

وَهُوَ الظَّاهِرُ بِالدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ... وَهُوَ الظَّاهِرُ بِحُجَجِهِ الْبَاهِرَةِ وَبَرَاهِينِهِ النَّيِّرَةِ

یعنی اللہ رب العزت کی ذات ان واضح، زبردست اور روشن دلائل سے ظاہر ہے، جو دلائل اس کی ذات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی ذات کو ظاہر کر رہا ہے۔۔۔ دنیا کا اتنا بڑا کارخانہ خود بخود وجود میں نہیں آگیا۔۔۔ نہ یہ خود بخود چل رہا ہے۔۔۔ کبھی سورج اور چاند کے نظام پر نظر ڈالیے۔۔۔ سورج ہر روز طلوع ہوتا ہے اور شروع دن سے لے کر آج تک اپنی رفتار سے چل رہا ہے نہ اس کی رفتار میں کمی آئی ہے اور نہ اس کی حرکت کبھی ختم ہوئی ہے۔

چاند کے نظام کو دیکھیے! کیسے گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ اس کی ضیا پاشیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، ستاروں کے جگمگانے کو دیکھیے! پھر کواکب کی رفتار کو دیکھیے! اُمڈ اُمڈ کر آنے والے پہاڑوں جیسے بادلوں پر نظر کیجیے! ان میں سے نکلنے والے مینہ کو دیکھیے! پہاڑوں پر ہونے والی برف باری کا نظارہ کیجیے!

بنجر اور بے آباد زمین بارش برسنے کے بعد کیسے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔۔۔ کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔۔۔ پھول کھلنے لگتے ہیں۔۔۔ پھل نمودار ہونے لگتے ہیں۔۔۔ ایک دانے کو سات سو دانوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔۔۔ پھر پھلوں کے رنگ دیکھیے۔۔۔ ان کا حجم دیکھیے۔۔۔ ان کا ذائقہ دیکھیے۔۔۔ کبھی انار کو چیر کر غور سے دیکھیے کہ ایک باریک جھلی میں دانوں کو کتنی خوبصورتی سے پرو دیا گیا ہے۔۔۔ کھجور کی گٹھلی پر

ایک باریک پردہ اس لیے چڑھایا گیا تاکہ گٹھلی کی کھٹاس کھجور کی مٹھاس کی طرف نہ چلی جائے۔۔۔ کبھی غور تو کیجیے کہ آم اور کنو میٹھا کیوں ہے اور لیموں ترش کیوں ہے؟ کیا آم کا پودا لگاتے ہوئے ایک بوری چینی کی بھی ڈالی گئی تھی۔

زمین پر پھیلائے گئے جانوروں کو دیکھیے! ان کے رنگ الگ الگ ہیں۔۔۔ وجود اور جسم کا سائز الگ الگ ہیں۔۔۔ اور ان کے فوائد الگ الگ ہیں۔۔۔ کچھ سواری کے کام آتے ہیں اور کچھ باربرداری کے۔۔۔ اور کچھ کا گوشت ہم کھاتے ہیں۔

فضاؤں میں اڑنے والے پرندوں کو دیکھیے۔۔۔! جنگل میں بسیرا کرنے والے درندوں کو دیکھیے۔۔۔! زمین پر رینگنے والے حشرات الارض پر نظر ڈالیے۔

ان میں سے ایک ایک دلیل اور ایک ایک نشان کی بنا پر اس کی ہستی اور اس کا وجود ظاہر ہو رہا ہے۔ وہ اتنے دلائل اور اس قدر نشانیوں سے ظاہر ہے اسی لیے اس کا ایک نام الظَّاهِرُ ہے۔

سامعین گرامی قدر! میں ایک مثال کے ذریعہ اپنی بات کو اس حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ ایک کاغذ دیکھتے ہیں جس پر ایک تحریر لکھی ہوئی ہے۔۔۔ اب کاغذ بھی آپ کے سامنے ہے اور اس پر لکھی ہوئی تحریر بھی ظاہر ہے۔ مگر اس کاغذ اور تحریر کو دیکھتے ہی آپ یہ تسلیم کرنے پر اور ماننے پر مجبور نہیں ہو جاتے کہ اس تحریر کا لکھنے والا بھی کوئی ہوگا۔۔۔ جب اس نے تحریر لکھی ہوگی تو اس کے پاس قلم بھی ہوگا۔۔۔ حالانکہ اس جگہ نہ کاتب موجود ہے اور نہ قلم۔۔۔ جو عقل ایک کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر کو دیکھتے ہی اتنی باتیں بلا دیکھے مان لیتی ہے۔۔۔ حیف ہے اس عقل پر جو اس پورے کارخانہ عالم کو دیکھنے کے بعد بھی ذات الٰہی کے وجود کو تسلیم نہ کرے۔

جو شخص آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے یعنی کارخانہ قدرت میں غور و فکر اور سوچ وبچار کرے تو اسے اس حقیقت کا یقینی علم ہو جانا چاہیے کہ ان سب چیزوں کا کوئی نہ

کوئی پیدا کرنے والا اور یہ تمام نظام چلانے والا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے اس بات کو بیان فرمایا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (190) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران:190.191)

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں (عقل مند وہ لوگ ہیں) جو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پالنہار! تو نے ان چیزوں کو بے فائدہ اور عبث نہیں بنایا تو ہر عیب سے اور شریکوں سے پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے لے کر آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دو ستارے کبھی باہم ٹکرا گئے ہوں یا سورج چاند سے مقدم و مؤخر ہو گیا ہو اور چاند سورج سے مؤخر مقدم ہو گیا ہو یا کبھی سورج طلوع ہونے میں لیٹ ہو گیا ہو یا چاند 29 اور 30 کی بجائے 28 کو ظاہر ہو گیا ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یٰسین:40)

نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑ سکے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے وہ سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔

غرضیکہ اللہ رب العزت نے جگہ جگہ اپنے جلوے بکھیر دیے ہیں۔ وہ الباطن ہے اپنی ذات میں پنہاں اور روپوشیدہ۔۔۔ مگر سورج، چاند، ستارے، بادل، دھوپ،

چھاؤں، چاندنی، دریا، چشمے، پہاڑ، صحرا، سمندر، شجر و حجر، جمادات و حیوانات سب میں اسی کا جلوہ ہے۔ اللہ رب العزت کی صفات اس کے کمال ظہور کی گواہی دے رہی ہیں۔

وہ رازق ہے اور اس کی رزاقیت ظاہر ہے۔ وہ خالق ہے اور اس کی خالقیت واضح ہے، وہ رحمٰن و رحیم ہے اور اس کی صفت رحمت عیاں ہے، وہ قدیر ہے اور اس کی قدرت ذرہ ذرہ سے واضح ہو رہی ہے، وہ مالک ہے اور اس کی ملکیت ظاہر ہے، وہ علیم ہے اور اس کا علم ہر ایک کو معلوم ہے، وہ جبار و قہار ہے اس کا جبر و قہر خوب واضح ہے، وہ محیی ہے اور اس کی صفت احیاء کے کرشمے ہر آن دنیا میں ہوتے رہتے ہیں، وہ مُمیت ہے اور اس کی صفت سے انکار کسی کے بس میں نہیں۔

وہ عظیم ہے اس کی عظمت عیاں ہے، وہ عزیز ہے اور اس کا غلبہ ہر شئی پر نظر آتا ہے، وہ رب ہے اور اس کی ربوبیّت کی شہادت ہر شئی دے رہی ہے۔۔۔ میں مختصر سے وقت میں کس کس صفت کو شمار کروں۔۔۔ غرضیکہ وہ اپنی صفات اور اوصاف سے ظاہر و باہر ہے۔

اَلْبَاطِنُ سامعین گرامی قدر! میری گفتگو سے یہ حقیقت آپ نے سمجھ لی ہوگی کہ دنیا کی اشیاء کو دیکھیں اور اللہ رب العزت کی تخلیق اور کاریگری کو دیکھیں تو اس کی ذات ظاہر ہے مگر اس لحاظ سے وہ اَلْبَاطِنُ ہے کہ مخلوق کی نگاہوں سے چھپا ہوا ہے۔۔۔ اَلْبَاطِنُ کا مطلب ہے وہ ذات دیکھنے والوں کی آنکھ سے پوشیدہ اور پنہاں ہے۔

کچھ علماء نے کا مفہوم اَلْبَاطِنُ یوں بیان فرمایا:

اَلْعَالِمُ بِمَا ظَهَرَ مِنَ الْاُمُوْرِ وَالْمُطَّلِعُ عَلٰی مَا بَطَنَ مِنَ الْغُيُوْبِ

اَلْبَاطِنُ کا معنی ہے تمام ظاہری امور کا جاننے والا ہے اور جو امور لوگوں سے پوشیدہ ہیں وہ ان سے بھی واقف ہے۔

بعض علماء نے اَلْبَاطِنُ کا معنی یوں فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ لَا یُحَسُّ وَاِنَّمَا یُدْرَكُ بِاٰثَارِهٖ وَاَفْعَالِهٖ

اَلْبَاطِنُ وہ ذات ہے جسے (حواس انسانیہ) ادارک نہ کر سکے بلکہ اس کے وجود کا ادارک اس کے افعال اور اس کی نشانیوں سے حاصل ہوتا ہو۔

اسی کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ

(انعام:103)

نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کر سکتا ہے وہ بڑا باریک بین اور ہر شئ سے خبر دار ہے۔

یعنی وہ ایسا پنہاں ہے کہ انسان کی آنکھیں اس کی حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔۔۔دنیا میں اس جسم کی آنکھ سے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

جس شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے (شب معراج میں) اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اس نے قطعاً جھوٹ بولا۔ (بخاری، کتاب التفسیر)

ہاں آخرت میں اور جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہوگا جیسے سورۃ القیامۃ میں ارشاد ہوا:

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (22) اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامۃ:22.23)

کئی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اَلْمُبْدِئُ، اَلْمُعِيْدُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (19) قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (عنکبوت:19.20)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کیا پھر اللہ اس کا اعادہ کرے گا یقیناً یہ اللہ پر آسان ہے۔ کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ کس طرح اللہ نے ابتداً پیدائش کی پھر اللہ دوسری نئی پیدائش کرے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ میں اللہ رب العزت کے دو عظیم ناموں اَلْمُبْدِئُ (پہلی بار پیدا کرنے والا) اور اَلْمُعِيْدُ (دوسری بار پیدا کرنے والا) کے متعلق کچھ معروضات پیش خدمت کرنے کا ارادہ ہے، اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے مجھے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

علمائے کرام نے اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْمُبْدِئُ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

اَلْمُبْدِئُ اَلْمُظْهِرُ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ

مبدی اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف ظاہر کرتی ہے۔۔۔ جو نیست سے ہست کردیتی ہے اور نابود سے بود کردیتی ہے۔

چونکہ مخلوقات کی تخلیق سے پہلے مخلوقات کا وجود نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو پہلی بار بنانے والا یعنی اَلْمُبْدِئُ ہوا۔

اَلْمُبْدِئُ وہ ذات ہے جو ایسی چیزوں کو پیدا کرے کہ اس جیسی چیز پہلے موجود نہ ہو اور اَلْمُعِیْدُ وہ ہے جو کسی ایسی چیز کو پیدا کرے جس کی نظیر اور مثیل تخلیق ہو چکی ہو۔

مشہور حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْمُعِیْدُ کی تشریح کرتے ہوئے کہا:

اَلْمُعِیْدُ الَّذِیْ یُعِیْدُ الْخَلْقَ بَعْدَ الْحَیَاةِ اِلَى الْمَمَاتِ فِی الدُّنْیَا وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِلَى الْحَیَاةِ فِی الْاُخْرٰی (مرقاۃ:93/5)

اَلْمُعِیْدُ وہ ذات ہے جو دنیا میں مخلوق کو حیات سے موت کی طرف لوٹاتی ہے اور آخرت میں پھر زندگی کی طرف اعادہ کرے گی۔

انہوں نے ایک اور تفسیر بھی فرمائی:

وَهُوَ الْمُعِیْدُ لِلْمَخْلُوْقَاتِ بَعْدَ اِنْعِدَامِ جَوَاهِرِهَا وَاَعْرَاضِهَا

اَلْمُعِیْدُ وہ ہستی ہے جو تمام مخلوق کو باوجود اس کے کہ ان کے جوہر اور عرض بھی ختم ہو چکے ہوں گے دوبارہ پیدا کردے گی۔

مشرکین مکہ کے سامنے جب نبی اکرم ﷺ نے دعویٰ فرمایا کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے تو کفار عرب نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے، جب ہماری ہڈیاں چونا بن جائیں گی، جب ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟

أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ (الصّٰفّٰت:16)

مشرکین کہتے تھے:

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ (ق:4)

زمین جو کچھ ان میں سے کم کرتی ہے وہ سب ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔

یعنی زمین انسان کے گوشت، ہڈی اور بال وغیرہ کو بوسیدہ کر کے کھا جاتی ہے یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے وہ نہ صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں درج ہے اس لیے مرنے والے کے تمام اجزاء کو جمع کر کے انہیں دوبارہ زندہ کر دینا ہمارے لیے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔

مشرکین کے عقیدے کا تذکرہ یوں فرمایا:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ (القیامۃ:3)

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے۔

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (القیامۃ:4)

(ہاں ہم جمع کریں گے) ہم تو قادر ہیں کہ اس کی پور پور تک درست کر دیں گے۔

سورۃ مریم میں ارشاد ہوا:

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا (مریم:66)

انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس بات کا جواب دیا:

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (مریم:67)

کیا انسان کو اتنا بھی یاد نہیں کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔

سورت بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا کہ مشرکین کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی اور ہڈیاں

ہوجائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔

جواب میں فرمایا: تم تو گوشت پوست کے نازک بدن انسان ہو، تم پتھر بن جاؤ یا لوہا یا ایسی خلقت بن جاؤ جسے تم بہت ہی سخت سمجھتے ہو۔۔۔ پھر بھی ہم تمہیں دوبارہ بنا لیں گے۔

فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا

مشرکین پوچھتے ہیں کہ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ کون لوٹائے گا؟

قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (بنی اسرائیل:51)

آپ جواب دیں کہ وہی لوٹائے گا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

اللہ رب العزت کہنا یہ چاہتا ہے کہ ایک وقت انسان پر ایسا بھی گزرا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا، اس کا نام ونشان تک نہیں تھا۔۔۔ کبھی وہ صرف ایک حقیر پانی کا ایک قطرہ تھا جسے بڑی مدت باپ کی پیٹھ میں ٹھہرایا گیا۔۔۔ پھر ماں کے رحم میں ٹپکایا گیا۔۔۔ پھر اسے حسین وجمیل انسان کی شکل وصورت میں ڈھالا۔۔۔ اس کے اعضا بنائے اور انتہائی متناسب بنائے۔۔۔ اسے قوت، طاقت اور بصارت سے مالا مال فرمایا۔۔۔ اسے فہم وشعور بخشا۔۔۔ کیا ایسا قادر، مقتدر قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔۔۔

أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ (القیامۃ:40)

یہی معنی اور مفہوم ہے اللہ رب العزت کے اسماء گرامی اَلْمُبْدِئُ اور اَلْمُعِیْدُ کا جسے اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں جگہ جگہ بیان فرمایا۔

سورۃ الاعراف میں اپنی الوہیت ومعبودیت کے تذکرے کے ساتھ اپنی اس صفت کا تذکرہ مختصر الفاظ میں یوں فرمایا:

كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ (الاعراف:29)

اللہ نے جس طرح تمہیں ابتداً پیدا کیا اسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے۔

سورت یونس میں مشرکین کو چیلنج کرتے ہوئے کہا:

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (یونس:34)

کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے پھر دوبارہ بھی پیدا کرے۔

آگے خود ہی جواب دیا:

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (یونس:34)

اللہ ہی (اَلْمُبْدِئُ) پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی (اَلْمُعِیْدُ بھی ہے) جو دوبارہ پیدا کرے گا۔

سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ لیں گے جیسے کاتب اپنے تحریر کردہ کاغذ لپیٹ لیتا ہے۔

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ (الانبیاء:104)

جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا اسی طرح دوبارہ کریں گے۔

سورت نمل میں اللہ رب العزت نے آیت نمبر 60 سے لے کر آیت نمبر 64 تک اپنی الوہیت، معبودیت پر کئی دلائل عقلی علی سبیل الاعتراف من الخصم بیان کیے۔ یعنی اپنی ایسی قدرتوں اور تصرفات کا تذکرہ فرمایا جن کے مشرکین بھی قائل تھے۔۔۔ اپنی ان صفات میں سے ایک صفت کا تذکرہ یوں فرمایا:

أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (النمل:64)

بھلا کون ہے؟ جو مخلوق کو پہلی بار بناتا ہے پھر اسے لوٹائے گا۔

سورت الروم میں ارشاد ہوا:

يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (الروم:11)

اللہ ہی تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم سب اسی کی

طرف لوٹائے جاؤ گے۔

پھر سورت روم کی آیت نمبر 27 میں فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ

وہی ہے جس نے شروع شروع میں مخلوق کو بنایا پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور (یہ دوبارہ پیدا کرنا) اس پر بہت ہی آسان ہے۔

سورت السجدہ میں اپنی صفت اَلْمُبْدِئُ کو کیسے بیان فرمایا:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ (السجدہ:7)

اللہ وہ ہے جس نے بہت حسن بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی (یعنی نسل انسانی کے پہلے فرد ابوالبشر آدم کو مٹی سے بنایا جن سے انسانوں کا آغاز ہوا)

سورت البروج میں اپنے تصرفات اور قدرتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ (البروج:13)

وہی اللہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

سورت عنکبوت میں اللہ رب العزت نے اپنی صفات اور المبدئ اور المعید کو بڑے عجیب انداز میں ذکر فرمایا:

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (عنکبوت19)

کیا ان (مشرکین نے) نہیں دیکھا کہ اللہ نے مخلوق کی ابتداء کس طرح کی پھر اللہ اس کا اعادہ کرے گا یقیناً یہ (اعادہ کرنا) اللہ پر آسان ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (عنکبوت:20)

میرے پیغمبران سے کہیے زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ اللہ نے کس طرح تخلیق کی ابتداء کی پھر وہی اللہ دوسری نئی پیدائش کرے گا (کیونکہ) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سامعین گرامی قدر! کسی چیز کا ایجاد کرنا یعنی پہلی بار بنانا بڑا دشوار اور مشکل ہوتا ہے۔۔۔ موجد کو اس کے لیے بڑی محنت اور مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔۔۔ بڑی سوچ اور فکر سے کام لینا پڑتا ہے۔۔۔ مگر جب ایک چیز کو ایجاد کر لیا جاتا ہے تو پھر اس جیسی چیز بنانا کوئی مشکل نہیں رہتا اور بہت آسان ہو جاتا ہے۔ جس شخص نے بجلی کا بلب ایجاد کیا ہو گا اسے انتہائی مشکل پیش آئی ہو گی۔۔۔ مگر جب ایک بلب ایجاد ہو گیا تو اس جیسے بلب بنانے میں اسے کوئی دشواری پیش نہ آئی ہو گی۔

یہی حال کار، گاڑی اور ریل کے انجن کا ہے کہ موجد نے اسے بڑی محنت اور مشکل سے ایجاد کیا ہو گا۔۔۔ پھر دوسرے لوگ یہی چیزیں بڑی آسانی سے بناتے چلے گئے۔

ایک لمحہ کے لیے سوچیئے کہ ہوائی جہاز بنانے والے کو کتنی دشواری اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہو گا، اس نے اس کے لیے کتنا دماغ خرچ کیا ہو گا، کتنی محنت کی ہو گی مگر پھر دوسرے لوگوں نے بڑی آسانی سے جہاز بنانے شروع کر دیئے۔ اگرچہ اللہ رب العزت کے لیے ابتداء بنانا اور پھر اسے لوٹانا برابر ہے کہ وہ قادر و قدیر اور مقتدر ہے اور حرف کُن سے ہر چیز بنا دیتا ہے۔۔۔ مگر منکرین قیامت کو سمجھانے کے لیے اللہ رب العزت نے یہ انداز اختیار فرمایا کہ یہ تو تم بھی مانتے ہو کہ ہر چیز کا خالق اور بنانے والا میں ہی ہوں، تو جس اللہ نے مخلوق کو پہلی بار بنا لیا ہے (جو تمہارے اعتبار سے دشوار ہوتا ہے) تو پھر اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کیوں دشوار معلوم ہو رہا ہے؟

پاگلو! ابداً (ابتداء) مشکل ہو سکتا ہے، اعادہ کیسے مشکل ہو گیا؟ قرآن کریم میں

اللہ رب العزت نے اس کی کئی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ سیدنا عزیر علیہ السلام کو سو سال موت دے کر اٹھا کھڑا کیا۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ستر ساتھیوں کو ایک انتہائی نامناسب مطالبہ پر موت کے گھاٹ اتار کر دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی۔۔۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ایک شخص کو جسے رشتے داروں نے قتل کر دیا تھا اور قاتلوں کا پتہ نہیں چل رہا تھا اسے زندہ کر دیا گیا۔

یہ سب واقعات قرآن میں بیان ہوئے۔۔۔ شاید اس لیے کہ اللہ تعالیٰ موت اور فنا کے بعد ہر چیز کے اعادہ پر قادر ہے اور وہی المبدیٔ اور المعید ہے۔ قرآن کریم نے سابقہ قوم کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جس سے ہمارے اس مضمون کی تائید ہو رہی ہے۔

یہ ایک قوم تھی جو جہاد سے جی چرا کر یا وبائی بیماری طاعون کے خوف سے اپنے گھروں سے صرف موت کے ڈر سے نکل بھاگے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ
(البقرہ:243)

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور وہ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

ایک وادی اور کھلے میدان میں پہنچے۔ اللہ رب العزت نے دو فرشتے بھیجے جو میدان کے دونوں کناروں پر کھڑے ہوئے، دونوں نے ایک چیخ ماری ان کی چیخ سے سب لوگ مر گئے۔ پھر سات دن کے بعد وقت کے پیغمبر کی دعا سے اللہ رب العزت انہیں زندہ کر دیا، اٹھتے ہوئے ان کی زبان پر یہ کلمہ تھا: سُبْحَانَکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (ابن کثیر)

اس واقعہ سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی تقدیر سے کوئی بچ کر

اور بھاگ کر کہیں پناہ نہیں لے سکتا۔۔۔۔دوسری بات یہ کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے وہ میدانِ جنگ میں آئے یا کسی صحرا میں یا گھر کی چار دیواری میں آئے۔تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اللہ رب العزت قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔وہ تمام لوگوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا جس طرح ان لوگوں کو موت دے کر دوبارہ زندہ کر دیا۔

امام ابو عبد اللہ القرطبی نے اللہ رب العزت کے اسمائے گرامی المبدئ اور المعید کی تعریف بیان کرتے ہوئے ایک حدیث نقل فرمائی ہے ذرا اسے سنیئے:

كُلُّ بَنِيْ آدَمَ يَأْكُلُهُ التُّرَابُ إِلَّا عَجْبُ الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ وَفِيْهِ يُرَكَّبُ (مسلم)

ہر انسان کو مٹی کھا جاتی ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے اسی سے انسان کو بنایا گیا تھا اور اسی سے اٹھایا جائے گا۔

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ (الانبیاء:104)

جس طرح ہم نے ابتداً پیدا کیا اسی طرح دوبارہ کریں گے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث لائے ہیں آپ بھی سماعت فرمائیں:

خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ إِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ إِلَى اللهِ عُرَاةً غُرْلًا كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ (بخاری:693/2)

نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا یقیناً تم لوگ اللہ رب العزت کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ننگے بدن اور بغیر ختنہ کے (جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے) جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے ہم اسے ضرور کر کے رہیں گے۔

میری اس گفتگو سے یہ حقیقت ثابت ہوئی کہ اللہ کو المبدئ اس لیے کہتے ہیں کہ

اس نے ابتداً ہر شئی کی تخلیق فرمائی ہے۔ اور اسے المعید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

مگر یہ ایک دوسرے زاویئے سے غور کیا جائے تو اللہ رب العزت اس جہان اور اس دنیا کے لحاظ سے بھی المبدئ المعید ہے۔ دیکھیئے اس نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو وہ مبدی ٹھہرا پھر اس کے نمونے پر اس کی اولاد کو بنایا تو المعید ٹھہرا۔۔۔ اس کا اپنا فرمان ہے کل یوم ھو فی شان ہر روز وہ نئی شان والا ہے تو اس لحاظ سے المبدی ہے اور جن حالات وواقعات کو ہر روز لوٹاتا ہے تو المعید ہے۔۔۔ ہر روز موسم اور فصلوں کا اعادہ کرتا ہے تو اس اعتبار سے وہ المعید ہے، واللہ اعلم بالصواب

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلْمُحْيِیْ، اَلْمُمِيْتُ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ
(المومنون:80)

اور وہی ہے زندہ کرتا اور موت دیتا اور رات اور دن کے ردّ و بدل کا اختیار بھی اسی کا ہے کیا تم عقل اور سمجھ نہیں رکھتے ہو؟

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے دو عظیم ناموں اَلْمُحْيِیْ (زندہ کرنے والا) اور اَلْمُمِیْتُ (مارنے والا) کی تشریح اور تفسیر کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

زندگی کے دو ہی پہلو ہیں، پیدا کرنا، زندگی پانا اور مرنا۔۔۔۔اس کے درمیانی وقفہ کو زندگی کہتے ہیں اور کسی بھی شئی کو زندگی اور حیات بخشنے والے کو اَلْمُحْيِیْ کہتے ہیں اور اس کی زندگی کی تکمیل پر موت دینے والے کو اَلْمُمِیْتُ کہتے ہیں۔

کچھ علماء نے لکھا ہے:

اَلْمُحْيِیْ هُوَ الَّذِیْ یُحْیِی النُّطْفَةَ الْمَیِّتَةَ فَیُخْرِجُ مِنْهَا النَّسَمَةَ الْحَیَّةَ وَیُحْیِی الْاَجْسَامَ الْبَالِیَةَ بِاِعَادَةِ الرُّوْحِ اِلَیْهَا عِنْدَ الْبَعْثِ

المحیی وہ ہستی ہے جو مردہ اور بے جان نطفہ کو زندہ کرتا ہے پھر اس میں سے زندہ جان نکالتا ہے اور بوسیدہ جسموں میں ان کی روحیں ڈال کر قیامت کے دن انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

اور الممیت کے متعلق علماء نے لکھا ہے:

هُوَ الَّذِي يُمِيتُ الْأَحْيَاءَ وَيُوهِنُ بِالْمَوْتِ قُوَّةَ الْأَصِحَّاءِ الْأَقْوِيَاءِ

ممیت وہ ذات ہے جو زندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور موت کے ذریعہ صحت مند اور قوی لوگوں کی قوت کو کمزور کر دیتی ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

اَلْمُحْيِي، اَلْمُمِيتُ اى بِيَدِهِ الْخَلْقُ وَإِلَيْهِ يَرْجِعُ الْأَمْرُ وَلَا يَحْيٰى اَحَدٌ وَلَا يَمُوتُ اَحَدٌ إِلَّا بِمَشِيَّتِهٖ وَقُدْرَتِهٖ وَلَا يُزَادُ فِي عُمُرِ اَحَدٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا بِقَضَائِهٖ وَقُدْرَتِهٖ

محیی اور ممیت وہ ہے جس کے ہاتھ میں تخلیق کرنا ہے اور جس کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں نہ کوئی زندہ رہتا ہے اور نہ کوئی مرتا ہے مگر اسی کے ارادے اور اسی کی تقدیر سے۔۔۔ کسی کی عمر میں زیادتی اور کمی نہیں ہوتی مگر اسی کی مشیت وقضا اور اسی کے فیصلے سے۔(ابن کثیر 330/1)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہی دلیل دی سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام وقت کے بادشاہ نمرود کے سامنے آئے تو باقی لوگوں کی طرح اسے سجدہ نہ کیا، نمرود کے پوچھنے پر انہوں نے فرمایا میں اپنے رب کے علاوہ کسی کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوتا۔

نمرود نے کہا رب تو میں ہوں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔

رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ (البقرہ:258)

نمرود کہنے لگا:

أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۔۔۔۔میں (بھی) زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

یعنی یہ دونوں کام تو میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ اس نے ایک بے قصور شخص کو بلاوجہ سولی پر چڑھا دیا اور سزائے موت کے قیدی کو رہا کر دیا۔۔۔اور کہا دیکھ لوگوں کی موت اور زندگی میرے ہاتھ میں ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ یہ بدمعاش خلط مبحث کرنا چاہتا ہے اور لوگوں کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کر کے میری دلیل کو کمزور کرنے کے درپے ہے۔ اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس بحث میں نہیں الجھے کہ موت کسے کہتے ہیں؟ اور حیات کا مفہوم کیا ہے؟ انہوں نے اپنے آپ کو اس مشکل بحث میں نہیں الجھایا کہ حیات نام ہے عدم سے وجود میں لانا، نیست سے ہست کر دینا اور نابود سے بود کر دینے کا۔۔۔اور موت نام ہے وقت مقررہ پر روح کے قبض کر لینے کا۔۔۔ہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام چاہتے تو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ جس بے قصور بندے کو تو نے مروا ڈالا ہے اسے زندہ کر کے دکھا؟ مگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دلیل کا یہ میدان چھوڑا اور دوسری مسکت دلیل دی۔۔۔فرمایا:

فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ
(البقرہ:258)

میرا اللہ (جو میرا رب ہے) وہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا مغرب سے نکال کے دکھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس مسکت دلیل نے نمرود کو مبہوت اور لاجواب کر دیا۔

جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی کا دوسرا واقعہ سورۃ البقرہ میں ذکر کیا گیا کہ ایک دن انہوں نے اپنے پروردگار سے کہا:

رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ ۔۔۔۔مجھے دکھلا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ

کرے گا؟

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مردوں کے زندہ کرنے میں العیاذ باللہ شک تھا۔۔۔۔۔ یا انہیں اللہ رب العزت کی قدرت میں کسی قسم کا شک تھا؟ بلکہ وہ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ انسان کی طبعیت میں اَن دیکھی چیزوں کو دیکھنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بعث بعد الموت، حشر و نشر اور مردوں کے زندہ کیے جانے کا جو ایمان علم الیقین کے درجہ میں تھا وہ اسے عین الیقین کے درجہ میں ترقی دینا چاہتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی بھی ہے کہ خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتی۔ (مسند احمد 271/1)

فارسی میں ایک مقولہ ہے:

شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔۔۔۔ سنی ہوئی بات مشاہدہ کی طرح کیسے ہوسکتی ہے؟

اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا:

أَوَلَمْ تُؤْمِن ۔۔۔۔ کیا تیرا ایمان اور یقین نہیں ہے؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:

بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۔۔۔۔ ایمان تو ہے لیکن اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ۔۔۔۔ چار پرندے لے لو اور اپنے ساتھ مانوس کرلو۔۔۔۔ فَصُرْهُنَّ کا ایک معنی ہے ان پرندوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ۔۔۔۔ پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو۔

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا (البقرہ 260)

پھر انہیں آواز دو وہ تمہارے پاس زندہ ہو کر دوڑتے چلے آئیں گے۔

سیدنا عزیر علیہ السلام سورۃ البقرہ میں انہی دو واقعات کے ساتھ اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ذکر فرمایا، جس میں اللہ رب العزت کی قدرت اِحیاء موتیٰ ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا:

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

یا (اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا) جو ایک بستی کے قریب سے گزرا اور وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی (یعنی مکمل طور پر تباہ و برباد ہو چکی تھی)

یہ گزرنے والا شخص کون تھا؟ اگرچہ مفسرین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔۔۔ مگر مفسر قرآن سیدنا ابن عباس، داماد نبی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، مشہور تابعی مفسر قرآن عکرمہ، مجاہد، قتادہ، سعید بن جبیر اور ابو العالیہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔۔۔ سب کا خیال یہ ہے کہ اس شخص سے مراد سیدنا عزیر علیہ السلام ہیں جنہیں یہودیوں نے ابن اللہ کہا اور انہیں معبود و مسجود بنایا۔ (روح المعانی)

یہ بستی کون سی تھی؟ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد بیت المقدس ہے یا بیت المقدس کے قریب کوئی بستی تھی جسے بخت نصر نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔

سیدنا عزیر علیہ السلام از راہِ تعجب کہنے لگے اللہ تعالیٰ اس بستی کو تباہی و بربادکرنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا؟ یہ بستی بھی پھر کبھی آباد ہو گی اور زندگی کی رونقیں بحال ہوں گی۔۔۔ سیدنا عزیر علیہ السلام بھی کیفیت اِحیاء کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔

اللہ رب العزت نے انہیں احیائے موتیٰ کی کیفیت کا مشاہدہ کرانے کے لیے ان پر موت وارد کر دی اور وہ پورے سو سال اسی حالت میں زمین کے اوپر ہی پڑے رہے۔۔۔ وہ ایک گدھے پر سوار تھے جسے کسی چیز کے ساتھ باندھ دیا اور کھانے پینے کا سامان بھی کسی ٹہنی سے لٹکا دیا۔۔۔ ایک سو سال کے بعد اللہ رب العزت نے انہیں زندہ کر

کے اٹھایا اور پوچھا۔۔۔ کَمْ لَبِثْتَ ۔۔۔ تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟۔۔۔ انہوں نے جواب میں کہا۔۔۔ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ۔۔۔ میں ایک دن یا دن کا بھی کچھ عرصہ یہاں رہا ہوں۔۔۔ یہ انہوں نے اپنے گمان سے کہا۔۔۔ یہ انہوں نے محض اندازہ اور تخمینہ سے فرمایا۔۔۔ ہر چند کہ ان کا یہ جواب صورتِ واقع کے خلاف تھا مگر العیاذ باللہ یہ جھوٹ نہیں ہے کیونکہ ان کے گمان میں اور ان کے خیال میں ایسا ہی تھا۔۔۔ جھوٹ تب ہوتا جب وہ اپنے قصد و ارادہ سے واقعہ کے خلاف بتاتے۔

اس سے معلوم ہوا اور واضح ہوا کہ موت کی حالت میں سیدنا عزیر علیہ السلام دنیا کے حالات سے بے خبر تھے۔ سو سال کی مدت میں کتنی بار سورج طلوع ہوا اور غروب ہوا۔۔۔ دن کی روشنی پھیلی اور رات کی تاریکی چھائی۔۔۔ کتنی مرتبہ موسم بدلے۔۔۔ سردیاں آئیں پھر گرمیاں آئیں۔۔۔ بادل گرجے۔۔۔ بجلی چمکی۔۔۔ بارش برسی اور اولے پڑے۔۔۔ جھکڑ چلے۔۔۔ آندھیاں آئیں۔۔۔ زلزلے آئے۔۔۔ زمین کانپی۔۔۔ پرندے چہکے اور ہوائیں چلیں۔۔۔ مگر فوت شدہ پیغمبر کو انقلاباتِ زمانہ کی کوئی خبر نہ ہوئی ورنہ وہ اپنے ٹھہرے رہنے کی مدت ایک دن یا دن کا کچھ حصہ نہ بتاتے۔

اس واقعہ سے سماعِ موتیٰ کی واضح نفی ہو رہی ہے اور یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ وفات کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ ان کے دنیوی جسموں میں موجود نہیں رہتیں اور ان کی حیات دنیوی، ناسوتی نہیں ہوتی بلکہ برزخی اور اخروی ہوتی ہے۔

اللہ رب العزت نے سیدنا عزیر علیہ السلام سے فرمایا:

بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ۔۔۔ بلکہ تم یہاں سو سال رہے ہو۔

اللہ رب العزت کی قدرت کے دلائل پر غور کرو اور دیکھو! سو سال کے طویل عرصے میں تمہارا کھانا (انجیر، میوہ، انگور کا شیرہ) خراب نہیں ہوا وہ نہ گلا سڑا ہے اور نہ اس میں بدبو پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جس طرح سو سال پہلے تھا۔

دوسری جانب ان کا گدھا بھی مر گیا، اس کا گوشت پوست تو مٹی نے کھالیا، اس کی ہڈیاں بکھر گئی تھیں۔۔۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب اپنے گدھے کی طرف دیکھو ہم اسے کس طرح زندہ کرتے ہیں۔ اس کی ہڈیوں پر کس طرح گوشت پہنچاتے ہیں اور اس کی رگوں میں کیسے خون رواں دواں کرتے ہیں؟

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (البقرہ 259)

(یہ سب کچھ ہم نے اس لیے کیا) تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں۔

یعنی ہم آپ کو بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر لوگوں کے لیے دلیل اور برہان بنائیں کہ جو رب سو سال کے بعد آپ کو زندہ کر سکتا ہے اور جو رب گدھے کی ہڈیوں کے ڈھانچے کو گوشت پوست پہنا کر دوبارہ کھڑا کر سکتا ہے وہ قیامت کے دن مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔

قرآن میں ان صفات کا تذکرہ سورت یونس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان دو صفات کا تذکرہ فرمایا:

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (یونس 56)

وہی اللہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

سورۃ یونس کے آخری رکوع میں امام الانبیاء ﷺ کی زبان مقدس سے اعلان فرمایا کہ لوگو! اگر تمہیں میرے دین میں کسی قسم کا شک ہو تو سنو کہ میرا دین کیا ہے؟ میں اللہ کے سوا ان کی پوجا پاٹ نہیں کرتا جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو۔

وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ (یونس 104)

لیکن میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرتا ہے۔

یعنی میری عبادت و پکار خالص اور خاص اس ہستی کے لیے ہے جس کے قبضے اور

اختیار میں تم سب کی جانیں ہیں کہ جب تک چاہے انہیں تمہارے جسموں میں رہنے دے اور جب چاہے جسموں سے کھینچ لے۔۔۔ گویا موت وحیات جس کے ہاتھ میں ہے۔۔۔ زندگی بخشا اور موت کے شکنجے میں کسنا جس کے قبضہ واختیار میں ہے۔۔۔ یعنی جو محیی اور ممیت ہے بندگی کے لائق بھی وہی ہے۔

سورۃ المومنوں میں اپنی ان صفات کا تذکرہ فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ
(المومنون 80)

وہی اللہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور رات اور دن کا بدلنا اسی کے اختیار میں ہے (اے مشرکین) کیا تمہیں (اتنی) عقل نہیں ہے۔

سورۃ المومن میں اسے یوں بیان فرمایا:

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ
(المومن 68)

وہی اللہ زندہ کرتا اور مارتا ہے پھر جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ ہوجا وہ ہوجاتا ہے۔

سورۃ الاحقاف میں اللہ رب العزت نے ثبوتِ قیامت کے لیے ایک عقلی دلیل بیان فرمائی ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (احقاف:33)

کیا وہ نہیں دیکھتے (رویت قلبی مراد ہے یعنی انہیں معلوم نہیں یا وہ غور وفکر نہیں کرتے) کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور ان کے بنانے سے وہ نہ تھکا وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے کیوں نہیں وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

روحانی موت جس طرح ایک حیات جسمانی ہوتی ہے اور دوسری روحانی اسی طرح ایک موت جسمانی ہوتی ہے جسے ہم محسوس کرتے ہیں اور دوسری موت روحانی ہوتی ہے۔

چنانچہ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ کا ایک مفہوم مفسرین نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں (جو میت کی طرح ہیں) کے گھر میں مومنوں (جو حی کی طرح ہیں) کو پیدا کرتا ہے۔

سورۃ الانعام میں اسے یوں بیان فرمایا:

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (انعام:122)

کیا وہ شخص جو پہلے مردہ (یعنی کافر) تھا پھر ہم نے اسے زندہ (توفیق ایمان دے کر) کر دیا اور ہم نے اسے (قرآن اور ہدایت کا) ایسا نور دے دیا کہ وہ اسے لوگوں میں لیے پھرتا ہے کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو (گمراہی اور کفر) اندھیروں سے نکل ہی نہیں پاتا اسی طرح کافروں کے لیے ان کے مشرکانہ اعمال مزین کیے گئے ہیں۔

سورۃ الفاطر میں اللہ رب العزت نے مشرکین و کفار کو مردوں سے تشبیہ دی ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ (فاطر 22)

زندے (مومن) اور مردے (کافر) برابر نہیں ہو سکتے اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے (میرے پیغمبر!) آپ قبروں میں پڑے ہوؤں کو نہیں سنا سکتے۔

یعنی جس طرح مردوں کو آپ اپنی بات نہیں سنا سکتے اور جس طرح مردے دنیا والوں کی بات کو نہیں سنتے اسی طرح یہ ضدی اور عنادی مشرکین بھی آپ کی بات کو تسلیم نہیں کریں گے۔

مردہ زمین کو زندہ کرنے والا سورت فاطر میں اللہ رب العزت نے بنجر اور بے آباد زمین کو مردہ کہا اور بارش کے ذریعہ اسے زندگی دینے کی بات فرمائی۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ (فاطر 9)

اور اللہ وہ ہے جس نے ہوائیں چلائیں پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم ان بادلوں کو ہانک دیتے ہیں مردہ شہر کی طرف پھر ہم نے اس کے ذریعہ زمین کو زندہ کر دیا اس کی موت (بے آباد ہونے) کے بعد اسی طرح ہوگا (قیامت کے دن) اٹھنا۔

سورۃ الروم میں اسی بات کو یوں بیان فرمایا:

فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الروم 50)

پس دیکھ اللہ کی رحمت (بارش) کی نشانیاں کس طرح زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندگی دیتا ہے یقیناً وہی ہے مردوں کو زندہ کرنے والا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرنا چاہے گا تو عرش کے نیچے سے ایک خاص قسم کی بارش ہوگی جس کا پانی پڑتے ہی مردے اسی طرح جی اٹھیں گے جیسے ظاہری بارش ہونے پر دانہ زمین سے اُگ آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

موت کے چند معنی موت کے کئی معنی ہیں۔ حالت عدم (نیست یعنی نہ ہوتا) پر بھی قرآن نے موت کا اطلاق کیا ہے۔

كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ (البقرہ 28)

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے (یعنی تمہارا وجود نہ تھا) پھر اس نے تمہیں زندہ کیا (یہ زندگی ماں کے پیٹ سے نکل کر موت سے ہم کنار ہونے تک

پھر یہ زندگی کی بہاریں جب ختم ہوں گی تو موت سب کچھ برباد کر کے رکھ دے گی۔

ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ۔۔۔ پھر تمہیں مار ڈالے گا۔۔۔ ہلاکت رساں اور تکلیف دہ حالت پر موت کا اطلاق ہوا۔

وَیَأْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ (ابراہیم 17)

اور اس کافر کو ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی مگر وہ (وہاں) مرنے والا نہیں ہے۔

کبھی موت کو نیند سے تشبیہ دی جاتی ہے اور وجہ تشبیہ بے خبری اور ناواقفی ہے۔ یعنی جس طرح مرنے والا اردگرد ہونے والے حالات سے بے خبر ہوتا ہے۔۔۔ چل پھر اور دیکھ سن نہیں سکتا اسی طرح سونے والا بھی اردگرد ہونے والے واقعات وحالات سے بے خبر ہوتا ہے۔۔۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی

اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور جیتا ہوں۔

اور آپ جب نیند سے بیدار ہوتے تو یوں فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ (بخاری 934/2)

تمام صفات الوہیت (یا تمام تعریف) اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد (یعنی سونے کے بعد) زندہ کیا (یعنی جگایا) اور (قیامت کے دن) زندہ ہو کر اسی کی طرف جانا ہے۔

دعائیں امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے اس کے لیے ہزاروں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہزاروں برائیاں اس سے مٹا دی جاتی ہیں اور ہزاروں

درجات اس شخص کے بلند کردیے جاتے ہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (مسلم، باب الدعا)

ایک اور حدیث میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مغرب کی نماز کے بعد دس مرتبہ یہ دعا پڑھے گا اللہ اس کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر فرما دے گا جو صبح تک شیطان سے اس کی حفاظت کریں گے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس برباد کر دینے والے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اسے دس مسلمان غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا کیا جائے گا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (ترمذی، کتاب الدعوات)

اللہ کے علاوہ عبادت کے لائق کوئی نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں بادشاہی اور تمام تعریفیں صرف اسی کے لیے ہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سامعین گرامی قدر! میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اللہ رب العزت کے اسمائے گرامی اَلْمُحْيِيْ اور اَلْمُمِيْتُ کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ وہی اَلْمُحْيِيْ اور اَلْمُمِيْتُ ہے وہ جس طرح افراد کو اور لوگوں کو اور جانداروں کو جلاتا اور مارتا ہے اسی طرح وہ قوموں، ملکوں، شہروں، بستیوں، پہاڑوں، سمندروں اور دریاؤں کو بھی مارتا اور جلاتا ہے۔ بنجر اور بے آباد زمین کو قرآن نے کئی جگہ پر مردہ کہا، پھر بارش کے ذریعہ اس کی زندگی کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ کبھی کبھی اچھی خاصی ہستی بستی گلیاں اور بازار مردہ ہو جاتے ہیں۔۔۔ بڑے بڑے پہاڑ نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔۔۔ سمندر اور دریا اپنا راستہ بدل لیتے ہیں۔

باغات، کھیتیاں، اشجار و احجار بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔۔۔ دریا خشک ہو

جاتے ہیں۔۔۔ ہرے بھرے جنگل بیابان بن جاتے ہیں اور بیابان سرسبز وشادابی میں بدل جاتے ہیں۔۔۔ اچھی خاصی زندہ قومیں مردہ ہو جاتی ہیں اور مردہ و بے جان قومیں زندہ ہو جاتی ہیں۔

اللہ رب العزت ہی اَلْمُحْيِي ہے جس نے ہر ایک کو حیات سے بہرہ ور فرمایا، اسی نے عدم کو وجود عطا کیا، وہی قلوب مردہ کو روحانی زندگی بخشتا ہے، اسی نے بیج کو درخت اور بیضہ کو پرندہ اور نطفہ کو حیوان کی صورت عطا فرمائی۔

اللہ رب العزت ہی اَلْمُمِيْتُ ہے کیونکہ وہی موت وحیات کا مالک وخالق ہے۔ ملک الموت اور روح قبض کرنے والے باقی فرشتے اسی کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

ایک مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ رب العزت ہی کو حیات وموت کا مالک سمجھے۔ اسی کو مالک سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ کہیں إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اللہ کے لیے جینا اور مرنا انہی لوگوں کا ہے جو اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتے جو درہم ودینار کے بندے نہیں بنتے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جیتے ہیں اور یاد الٰہی میں مر جاتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی

اَلسَّمِیْعُ، اَلسَّامِعُ، اَلْمُسْتَمِعُ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰہُ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (المائدہ:76)

آپ کہہ دیجیے کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ کسی نفع کے اور اللہ ہی خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں آپ حضرات کے سامنے میں اللہ رب العزت کے ایک بہت حسین اسم گرامی اَلسَّمِیْعُ کے متعلق کچھ گذارشات کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن کریم نے اللہ رب العزت کی صفت اَلسَّمِیْعُ کا تذکرہ کثرت کے ساتھ کیا ہے۔ صاحب تحقیق لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نام قرآن کریم میں پنتالیس مرتبہ آیا ہے۔ اَلسَّمِیْعُ کے ساتھ اَلْقَرِیْبُ ایک مرتبہ آیا ہے۔۔۔ اَلْبَصِیْرُ دس مرتبہ آیا ہے اور اَلسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کے ساتھ بتیس مرتبہ آیا ہے۔ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ قرآن میں دو مرتبہ آیا ہے۔

اَلسَّمِیْعُ کا تذکرہ زیادہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معبود اور الٰہ ہونے پر بنیادی اور مضبوط دلیل یہی ہے۔ کہ میری عبادت و پکار اس لیے کرو کہ ہر ایک کی ہر زبان

میں ہر طرح کی آواز، صدا اور پکار کو سننے والا میں ہی ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کرتے ہوئے انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا مانگی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۔۔۔ مولا! ہماری اس محنت اور ہمارے اس عمل کو شرف قبولیت عطا فرما۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرہ:127)

اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اَنْتَ ضمیر فصل اور خبر کا معرفہ ہونا حصر پر دلالت کرتا ہے۔۔۔ معنی یوں کریں گے: یقیناً تو ہی ہے (ہماری دعاؤں کا) سننے والا اور (ہمارے حالات اور ہماری نیتوں کو جاننے والا)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا یہ انداز اور ان کلمات کے ساتھ دعا مانگنے نے شرک کی رگیں کاٹ کر رکھ دیں کہ تیرے سوا کوئی بھی غائبانہ پکاریں سننے والا نہیں ہے۔

سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کی والدۂ محترمہ۔۔۔ اِمْرَاَتُ عِمران جب امید سے ہوئیں تو اپنے پالنہار کے آگے یوں درخواست کی:

رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ

اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر اور منت مانی پس تو اسے میری طرف سے قبول فرما۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (آل عمران:35)

یقیناً تو ہی ہر ایک کی پکار کو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

سیدنا زکریا علیہ السلام نے سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کے ہاں بے موسم میوے دیکھے، پوچھا اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۔۔۔ یہ تمہارے ہاں کہاں سے آئے ہیں۔۔۔ مریم نے کہا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔۔۔ یہ اس کے ہاں سے آئے ہیں، جو موسموں کا پابند نہیں ہے۔

سیدنا زکریا علیہ السلام جو ایک سو بیس سال کی عمر میں اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔۔۔ان کے دل میں بیٹے کی تمنا مچلنے لگی، انہوں نے عرض کیا:

رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (آل عمران:38)

اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما یقیناً دعا کا سننے والا تو ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی عمر میں دو بیٹے عطا فرمائے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہنے لگے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ (ابراہیم:39)

تمام تعریفیں اور حمدیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے کچھ شک نہیں کہ میرا پالنہار اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دعا امام الانبیاء ﷺ کی ایک رقت آمیز اور پُرسوز دعا بھی سن لیجیے! یہ دعا آپ نے میدانِ عرفات میں رب کے حضور مانگی تھی۔

اے میرے اللہ! تو میری بات اور میرے کلام کو سنتا ہے اور میں جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے۔۔۔میرے ظاہر اور باطن سے تو باخبر ہے۔۔۔میری کوئی بات اور میری کوئی حالت تجھ سے پوشیدہ نہیں۔۔۔میں دکھی ہوں۔۔۔محتاج ہوں۔۔۔فریادی ہوں۔۔۔پناہ کا طلب گار ہوں۔۔۔لرزاں و ترساں ہوں۔۔۔اپنے گناہوں کا اقراری ہوں۔۔۔تجھ سے مانگتا ہوں جیسے کوئی عاجز مسکین بندہ مانگتا ہے۔۔۔تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے کمزور اور گناہگار گڑگڑاتا ہے۔۔۔اور تجھ سے دعا کرتا ہوں جیسے کوئی ڈرنے والا آفت زدہ فریاد کرتا ہے۔۔۔مولا! میں اس بندے کی طرح مانگتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو۔۔۔اور آنسو بہ رہے ہوں۔۔۔اور جس کا بدن تیرے

سامنے لاغر پڑا ہو۔۔۔اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہے۔۔۔اے میرے مولا! تو مجھے اس دعا مانگنے میں ناکام اور نامراد نہ کر۔۔۔اور میرے حق میں بڑا مہربان اور شفیق ہو جا۔۔۔اے ان سب سے بہتر و برتر، جن سے مانگنے والے مانگتے ہیں اور جو مانگنے والوں کو دیتا ہے۔

اَلسَّمِیْعُ کا مفہوم اَلسَّمِیْعُ وہ ہستی ہے جو ہر ایک کی آواز، ہر زبان میں مانگی گئی دعا کو سنتی ہے۔۔۔وہ کالی رات میں جب کالے بادل چھا رہے ہوں، سیاہ جنگل میں سیاہ رنگ کے پتھر پر چلنے والی کالی چیونٹی کے قدموں کی آواز کو بھی برابر سنتا ہے۔

یاد رکھیے! بغیر وسائل، بغیر اسباب، بغیر کسی ذرائع کے اور بغیر آلات کے ہر ایک کی آواز کو سننے والا صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے۔

کوئی بلند آواز سے پکارے یا آہستہ آواز سے، زبان ہلائے یا دل میں خیال لائے تہہ خانوں میں پکارے یا زمین کی سطح پر۔۔۔یا فضاؤں میں پرواز کرتے ہوئے، سمندر کی تہہ میں پکارے۔۔۔رات کے اندھیرے میں اور مچھلی کے پیٹ میں۔۔۔جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں پکارے یا آگ کے آلاؤ میں۔۔۔یا بحر قلزم کے کنارے پر۔۔۔عرفات کے میدان میں پکارے یا کشتی میں بیٹھ کر۔۔۔جنگل میں بیماریوں میں گھبرا کر پکارے یا تخت شاہی پر بیٹھ کر۔۔۔ہر ایک کی پکار کو برابر سننے والا صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے۔

ملاء اعلیٰ میں ہونے والی باتیں ہوں۔۔۔آسمان کی وسعتوں میں فرشتوں کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس ہو۔۔۔زمین کی پیٹھ پر اولادِ آدم اور جنات کی سرگوشیاں ہوں۔۔۔بلوں میں حشرات الارض کے قدموں کی آہٹ ہو۔۔۔جنگلات میں درندوں کی آواز ہو۔۔۔فضاؤں میں پرندوں کے اُڑنے کی آواز ہو۔۔۔سب آوازوں کو ہر وقت سننے والا صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے۔۔۔وہی ہے جس نے سیدنا آدم علیہ السلام کی صدا

عرفات کے میدان میں سنی۔۔۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی پکار کشتی میں سنی۔۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ندا جلتی ہوئی آگ میں سنی۔۔۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی آواز چھری کے نیچے سنی۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پکار بحر قلزم کے کنارے سنی۔۔۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی آواز جیل کی تنگ وتاریک کوٹھری میں سنی۔۔۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کی بڑھاپے میں صدا سنی۔۔۔ روتے ہوئے سیدنا یعقوب علیہ السلام کی صدائیں سنی۔۔۔ صابر ایوب علیہ السلام کی ندا جنگل میں سنی۔۔۔ سیدنا یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ میں تین اندھیروں میں سنی۔۔۔ آمنہ کے لال کی پکاروں کو بدر کی وادیوں میں سنا۔۔۔ احد کی پہاڑیوں میں سنا۔۔۔ خندق کھودتے وقت کی صدائیں سنیں۔۔۔ خیبر کے قلعوں میں ہونے والی پکار کو سنا۔۔۔ غارِ ثور میں ہونے والی دعاؤں کو سنا۔۔۔ ہاں ہاں وہی ہے جس نے سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کی والدہ کی آواز کو امید کے دنوں میں سنا۔۔۔ پھر خود مریم سلام اللہ علیہا کی التجاؤں کو سنا۔۔۔ اصحابِ کہف کی درخواستوں کو سنا۔۔۔ ذوالقرنین کی دعائیں سنیں۔۔۔ حبیب نجار کی صدا کو سنا۔۔۔۔۔ رجل مومن کی تمناؤں کو سنا۔۔۔۔۔ خیبر میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پکار کو سنا۔۔۔ کربلا میں سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی التجاؤں کو سنا۔۔۔ ہاں ہاں! وہی ہے جس نے سیدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غمناک اور دکھ میں بھری ہوئی دعا اور پکار کو سنا۔۔۔

سیدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشہور انصاری صحابی سیدنا اوس بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ سیدنا اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑھاپے کی وجہ سے غصیل ہوگئے تھے۔ اور مزاج میں تیزی اور چڑچڑا پن آگیا تھا وہ کسی بات پر سیدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ناراض ہوئے اور اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکے اور خولہ سے کہا:

أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي۔۔۔ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو۔

اسے شریعت کی اصطلاح میں "ظِہار" کہتے ہیں۔ جاہلیت کے زمانے میں ظہار کو

طلاق سمجھا جاتا تھا اور ایسے الفاظ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اب میاں بیوی کا تعلق ختم ہو چکا اور ان کے درمیان قطعی جدائی ہو چکی۔

ایسے الفاظ کی ادائیگی سے سیدنا اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سخت پریشان ہوئے اور سیدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی۔ سیدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے غم کی شکایت لے کر امام الانبیاء ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوئیں اور انتہائی غمگین لہجے میں کہا یا رسول اللہ! میرے خاوند نے مجھے ماں سے تشبیہ دی ہے۔

میری جوانی ڈھل چکی ہے، بڑھاپا طاری ہو گیا ہے میرے پاس کوئی جائیداد بھی نہیں ہے، والدین بھی دوسری دنیا رخصت ہو چکے ہیں۔۔۔ میری اپنی کمر جھک چکی ہے یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ ہم اس بڑھاپے میں ایک ساتھ زندگی گذار سکیں تا کہ ہم بھی اور ہماری اولاد بھی تباہی اور ہلاکت سے بچ جائے؟

امام الانبیاء ﷺ نے خولہ کی غم بھری داستان اور دردناک کہانی سن کر فرمایا: خولہ قانون بنانا میرا منصب نہیں، میں تو صرف قانون نافذ کرتا ہوں۔ اللہ رب العزت کی طرف سے ابھی تک اس بارے میں کوئی حکم نہیں اترا اس لیے میں اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

سیدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگی یا رسول اللہ! میرے خاوند نے کوئی طلاق تو نہیں دی، میرا گھر ویران ہو جائے گا، اولاد دربدر پریشان ہو گی۔

امام الانبیاء ﷺ نے سیدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تکرار اور جھگڑا کرنے کا انداز دیکھ کر فرمایا:

خولہ میرے سامنے کوئی درخواست نہ کرو بلکہ جس نے قانون بنانا ہے اس کے آگے زاری کرو، اللہ سے کہو وہ تیری پریشانی اور تیرے غم کا مداوا کرے۔

اب سیدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی

جانب اٹھائے اور اپنی فریاد اور درخواست اپنے مہربان مولا کے آگے پیش کرنے لگی:

یَا مَنْ یَّرٰی مَا فِی الضَّمِیْرِ وَیَسْمَعُ اَنْتَ الْمُعِدُّ لِکُلِّ مَا یَتَوَقَّعُ

اے میرے اللہ مولا تو تو دلوں کے راز جانتا ہے اور ہر ایک کی پکار کو سنتا ہے جو بھی تجھ سے امیدیں وابستہ کرے تو اس کی امیدیں پوری کرتا ہے۔ مولا! تیرے رسول نے بھی تیرا دروازہ دکھا دیا ہے میں تنہا ہوں میں اپنی خستہ حالی، بڑھاپے اور فاقے کا شکوہ تیرے مقدس دربار میں پیش کرتی ہوں، مولا! مجھ میں اور میرے خاوند میں جدائی ہو گئی تو ہمارے بچے برباد ہو جائیں گے، مولا! میری فریاد سن اور میرے حق میں اپنے نبی ﷺ پر کوئی حکم نازل فرما۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فریاد کرنے کا منظر اتنا دردناک تھا اور التجا کرنے کی حالت اتنی غمناک تھی کہ نبی کریم ﷺ اور میں بھی اشکبار ہو گئے۔

ابھی خولہ کی دعا جاری تھی کہ امام الانبیاء ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی اُدھر خولہ رو رو کر دعا گو تھی۔۔۔ ادھر جبرئیل وحی لے کر اتر پڑے تھے تھوڑی دیر کے بعد وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے دمکتے چہرے سے فرمایا:

اَبْشِرِیْ یَا خَوْلَۃَ۔۔۔ خولہ مبارک ہو اللہ رب العزت نے تیرے بارے قرآن کی آیات نازل فرما دی ہیں اور جاہلیت کے دور کے قانون کو ختم فرما دیا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ (مجادلہ: 1)

بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اپنے اللہ کے آگے (اپنے رنج و پریشانی کا) شکوہ کر رہی تھی اللہ تم دونوں کی گفتگو (سوال و جواب) سن رہا تھا بیشک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا اور (ہر ایک کو)

دیکھنے والا ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ آیت سن کر فرمایا: سبحان اللہ! میں اللہ رب العزت کی سماعت کی وسعت پر قربان جاؤں خولہ کی التجا کی آواز میں نہیں سن رہی تھی مگر اللہ رب العزت نے عرش پر اس کی آواز کو سنا اور فوراً اس کی دعا کو قبول بھی فرمایا۔

غیر اللہ کی پکار سے منع کیا قرآن میں جگہ جگہ اللہ رب تعالیٰ نے غیر اللہ کی پکار سے روکا تو یہی دلیل دی کہ وہ تمہاری پکاریں نہیں سنتے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔۔۔ ان کا اپنا والد بت گر، بت فروش اور بت پرست تھا۔۔۔ انہوں نے اسے دعوت توحید دیتے ہوئے اور شرک سے روکتے ہوئے کہا:

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾ (مریم:42)

اے میرے بابا! تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ تمہارے کچھ کام آسکتے ہیں۔

دیکھا آپ نے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے غیر اللہ کی پوجا پاٹ سے روکا تو اس کے لیے یہی دلیل دی کہ وہ تمہاری پکار کو سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔۔۔۔ اس لیے مصائب و تکالیف میں اسے پکارو جو ہر ایک کی ہر آواز کو سننے کی طاقت رکھتا ہے۔ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ میں لَا يَسْمَعُ کی مناسبت سے لِمَ تَعْبُدُ۔۔۔ میں عبادت سے مراد پکار ہی ہو سکتی ہے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو والد نے گھر سے نکال دیا، وہ قوم اور والد دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھ رہے ہیں:

مَا تَعْبُدُوْنَ۔۔۔ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟

وہ کہنے لگے۔۔۔ نَعْبُدُ اَصْنَامًا۔۔۔ ہم مورتیوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔

اس پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ (الشعراء:72)

جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جو سننے کی طاقت نہ رکھتے ہوں انہیں پکارنے کا کیا فائدہ؟ آج جمعیت اشاعت التوحید والسنت کے مبلغین اور خطباء اور علماء بھی ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے اسی دلیل کا سہارا لیتے ہیں کہ جن فوت شدہ بزرگوں کو تم مصائب ومشکلات میں اور دکھوں میں گھبر کر پکارتے ہو وہ تمہاری پکاریں سننے کی صلاحیت وقوت نہیں رکھتے اور جو پکار کو سرے سے سنتے ہی نہیں اسے پکارنے کا کیا فائدہ؟

قرآن کریم نے اکثر مقامات پر غیر اللہ کی عبادت وپکار سے منع فرمایا تو وہاں یہی دلیل دی کہ وہ تمہاری پکاریں نہیں سنتے۔ سورۃ الفاطر میں ارشاد ہوا:

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (فاطر:13)

اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ (فاطر:14)

اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں۔

سورۃ الاحقاف میں ارشاد ہوا:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ (احقاف:5)

اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کرسکیں (کیونکہ) وہ ان کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں۔ قیامت کے دن بزرگ پکارنے والوں کی پکار سے انکار کردیں گے اور کہیں گے:

مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ (یونس:28)

تم ہماری پوجا پاٹ نہیں کرتے تھے۔

مشرکین اور پوجنے والوں کے قدموں تلے سے زمین نکل جائے گی کہ ہم ان کے نام کی نذر و نیاز دی، ان کے آستانوں پر ماتھے ٹیکے، عرضیاں لٹکائیں اور آج ہر شئی سے انکاری ہو گئے۔۔۔ تب بزرگ قسم اٹھا کر کہیں گے:

إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ (یونس:29)

یقیناً ہم تمہاری پوجا پاٹ سے غافل اور بے خبر تھے۔

یہ آیات اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں کہ مشرکین مکہ جن کو مدد کے لیے پکارتے تھے اور جن کے آگے ماتھے ٹیکتے تھے وہ محض پتھر کی مورتیاں یا بت نہیں تھے (جیسے آج کچھ لوگوں کا خیال ہے) بلکہ وہ عقل و شعور رکھنے والے افراد ہی تھے جن کے انتقال کے بعد کمزور عقیدے کے لوگ ان کے مجسمے اور مورتیاں بنا کر پوجتے تھے، جس طرح سیدنا نوح علیہ السلام کی مشرک قوم کے طرز عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے جس کی تصریح اور وضاحت صحیح بخاری میں موجود ہے۔

دوسری حقیقت ان آیات سے یہ معلوم ہوئی کہ وفات کے بعد کوئی شخص کتنا بھی نیک اور صالح ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا رسول اور پیغمبر ہو وہ دنیا والوں کے حالات وواقعات سے بے خبر ہوتا ہے۔۔۔ اسے کوئی علم نہیں ہوتا کہ کس نے اسے پکارا؟ کون اس کی قبر پر آیا؟ کس نے نذر و نیاز دی؟ کس نے سجدہ کیا؟ ان تمام چیزوں سے بزرگ قیامت کے دن قسم کھا کر انکار کر دیں گے۔

مردے نہیں سنتے یاد رکھیے! مرنے کے بعد کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، نبی ہو یا ولی، پیر ہو یا فقیر، شہید ہو یا امام مرنے کے بعد کوئی بھی ہو وہ دنیا والوں کا کلام، پیغام اور سلام سننے کی صلاحیت اور طاقت نہیں رکھتے۔ نہ قبر سے دور والوں کی ندا سنتا ہے اور نہ قبر کے اوپر

کھڑے ہونے والوں کی پکار اور آواز سن سکتا ہے۔

قرآن کریم نے واضح انداز میں بیان فرمایا:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى

بیشک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ

اور آپ قبروں میں پڑے ہوؤں کو نہیں سنا سکتے۔

خود نبی اکرم ﷺ اپنی زندگی میں سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا، سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازے کے قریب آ کر آہستہ سے سلام کا جواب دیا تاکہ نبی اکرم ﷺ جواب نہ سن سکیں۔۔۔اور دوسری بار آپ کی زبانِ اقدس سے میرے لیے اور میرے گھر والوں کے لیے سلامتی کی دعا نکلے۔۔۔آپ نے دوسری بار سلام کیا، انہوں نے پھر آہستہ سے جواب دیا۔۔۔آپ نے تیسری دفعہ سلام کیا۔۔۔سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر آہستہ سے جواب دیا، آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ تین مرتبہ سلام فرماتے، اگر جواب نہ آتا تو واپس تشریف لے جاتے۔۔۔سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے سلام کا جواب نہ سن کر واپس تشریف لے جانے لگے تو سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ لپک کر آپ سے لپٹ گئے اور کہا یا رسول اللہ! میں نے آپ کے سلام کا ہر مرتبہ جواب دیا ہے مگر ایسی آواز سے کہ آپ سن نہ سکیں اور آپ بار بار میرے لیے اور میرے گھر والوں کے لیے سلامتی کی دعا کرتے رہیں۔

سامعین گرامی قدر! ایک لمحہ کے لیے یہاں ٹھہریئے اور اس حدیث پر ٹھنڈے دل سے غور کیجیے۔ امام الانبیاء ﷺ ہیں۔۔۔واقعہ زندگی کا ہے۔۔۔سوئے ہوئے بھی نہیں بلکہ حالت بیداری میں ہیں۔۔۔سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے دروازے

پر تھے، آپ دروازے کے باہر ہیں، درمیان میں صرف گھر کے دروازے کا پردہ اور آڑ ہے مگر نبی اکرم ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلام کو تین مرتبہ نہیں سنا، اگر زندگی میں اور حالت بیداری میں ایک دروازے کی اوٹ میں آپ سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلام کو نہیں سن سکے تو بعد از وفات قبر میں جالی سے باہر کھڑے ہوئے امتی کے سلام کو کیسے سن سکتے ہیں؟

وہ روایت جو پیش کی جاتی ہے کہ جو میری قبر کے قریب کھڑے ہو کر درود پڑھے گا میں اسے خود سنوں گا۔۔۔۔۔۔ وہ من گھڑت اور موضوع روایت ہے اس میں ایک راوی محمد بن مروان سدی صغیر جھوٹا اور کذاب ہے، اس روایت کی دوسری کوئی سند نہیں ہے۔

ابن عبدالہادی نے الصارم المنکی میں لکھا ہے:

تَفَرَّدَ مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ وَهُوَ كَذَّابٌ

اس روایت کو بیان کرنے میں محمد بن مروان تنہا اور اکیلا ہے اور وہ جھوٹا شخص ہے۔

سامعین گرامی قدر! قرآن کی آیات کریمہ سے میں ثابت کر چکا ہوں کہ اَلسَّمِیۡعُ لِکُلِّ نِدَاءٍ (ہر ایک کی ندا اور پکار کو غائبانہ، مافوق الاسباب سننے والی ذات صرف اللہ رب العزت کی ہے لہٰذا ہر موقع پر اسی کو پکارنا چاہیے)

یہ بھی آپ سن چکے ہیں کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ مشرکین اللہ کے سوا جن جن کو پکارتے ہیں وہ مافوق الاسباب پکاریں سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔۔۔ اور جو پکاروں کو سننے کی طاقت نہیں رکھتا اسے پکارنا عبث اور فضول ہے۔

اب میں آپ حضرات کے سامنے امام الانبیاء ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں اَلسَّمِیۡعُ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں امام الانبیاء ﷺ کے ساتھ تھے ہم جب کسی چڑھائی پر چڑھتے تو بلند آواز سے اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہتے،

ہماری بلند آوازوں کو سن کر آپ نے فرمایا تم اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہو آہستگی اور نرمی اختیار کرو کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو (کہ وہ تم کو دیکھ نہیں رہا یا تمہاری آواز کو سن نہیں رہا) تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا

قَرِيْبًا تم اسے پکار رہے ہو جو (ہر آواز کو) سننے والا ہے اور (ہر ایک کی حالت کو) دیکھنے والا ہے اور (علم و سمع کے اعتبار سے) ہر ایک کے قریب ہے۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے:

اِنَّهٗ مَعَكُمْ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ

جس کو تم پکار رہے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے سننے والا ہے اور نزدیک ہے۔

(بخاری، باب الجہاد، باب یکرہ من رفع الصوت فی الکبیر) (مسلم، باب الذکر والدعاء)

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (الحدید:4)

جہاں کہیں بھی تم ہو وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ایک حسین نام اَلْبَصِیْرُ کی تشریح وتفسیر کے سلسلہ میں کچھ عرض کروں۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ نونیہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت اَلْبَصِیْرُ کو بڑے خوبصورت اور دلنشین انداز میں بیان فرمایا ہے۔

وَھُوَ الْبَصِیْرُ یَرٰی دَبِیْبَ   اَلسَّوْدَاءِ تَحْتَ الصَّخْرِ وَالصَّوَّانِ

اللہ رب العزت ایسا بصیر ہے جو کالی چیونٹی کو سخت چٹان اور پتھر کے نیچے بھی دیکھتا ہے۔

یعنی اللہ رب تعالیٰ ایسا بصیر ہے کہ کالے رنگ کا پتھر، کالے رنگ کے پہاڑ پر۔۔۔ اوپر سے رات کالی پھر سیاہ رنگ کے بادل۔۔۔ پہاڑ کے اوپر درخت کے جھنڈ۔۔۔ نیچے ایک کالے رنگ کی چیونٹی جارہی ہے۔۔۔ اللہ عرش پر اور چیونٹی فرش

ہے۔۔۔درمیان میں اتنے پردے اور رکاوٹیں مگر اللہ صرف یہ نہیں کہ اس چیونٹی کو دیکھ رہا ہے بلکہ اس اس چیونٹی کے چلنے سے اس کے حقیر قدموں سے پتھر پر ایک لکیر پڑ رہی ہے اللہ ایسا اَلْبَصِیْرُ ہے جو اس لکیر کو بھی دیکھ رہا ہے۔

کبھی آپ چیونٹی کا پاؤں اٹھا کر دیکھیں تو اس کا وجود ہی نظر نہیں آتا پھر وہ لکیر کیا بنائے گا؟ چیونٹی تو نرم زمین پر چلے تو مشکل سے لکیر اور نشان چھوڑتی ہے۔۔۔وہ تو پتھر اور پہاڑ پر چل رہی ہے۔۔۔اس کے قدموں سے جو لکیر بنے گی اسے خوردبین سے بھی دیکھنا محال ہے مگر اللہ ایسا اَلْبَصِیْرُ ہے جو اس لکیر کو بھی دیکھ رہا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی صفت اَلْبَصِیْرُ کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتے ہیں:

يَرٰى مَجَارِي الْقُوْتِ فِيْ أَعْضَائِهَا   وَيَرٰى عُرُوْقَ بَيَاضِهَا بِعَيَانٍ

اعضاء میں چھپی ہوئی غذائی نالیاں بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں اور رگوں کی سفیدی بھی اس کے لیے ظاہر باہر ہے۔

يَرٰى خِيَانَاتِ الْعُيُوْنِ بِلَحْظِهَا   وَيَرٰى كَذَالِكَ تَقَلُّبَ الْأَجْفَانِ

جو خیانتیں گوشۂ چشم سے صادر ہوتی ہیں اللہ انہیں بھی دیکھتا ہے اور آنکھوں کے الٹ پلٹ اور جھپکنے سے بھی واقف اور باخبر ہے۔(قصیدہ نونیہ:215/2)

کچھ علماء نے اَلْبَصِیْرُ کی تعریف یوں کی ہے:

اَلْبَصِیْرُ وہ ہے جو مخفی اور پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح المعانی وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ کی تفسیر میں کہا ہے:

أَيْ خَبِيْرٌ بِهِمْ وَبِأَحْوَالِهِمْ وَأَفْعَالِهِمْ

اَلْبَصِیْرُ وہ ذات ہے جو تمام مخلوق کے احوال و افعال سے واقف اور باخبر ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ اسم گرامی بیالیس مرتبہ آیا ہے۔۔۔ کسی جگہ یہ نام اللہ تعالیٰ کے نام اَلسَّمِیْعُ کے ساتھ آیا ہے اور کہیں اَلْخَبِیْرُ کے ساتھ مستعمل ہوا ہے۔

میں ان بیالیس میں سے چند مقام آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

سورت الانفال میں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیتے ہوئے کہا گیا کہ جب تک شرک کا فتنہ اور دین اسلام سے روکنے کا فتنہ ختم نہیں ہو جاتا اس وقت تک مشرکین و کفار سے قتال کرو۔۔۔ ہاں اگر وہ اپنے عزائم سے باز آجائیں یا اسلام قبول کرلیں تو انہیں کچھ نہ کہو۔

فَاِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (انفال:39)

یعنی تم ان کی ظاہری حالت کو دیکھو۔۔۔ اگر وہ کفر اور شرارت سے باز آجائیں تو ان سے قتال نہیں، ان کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو کیونکہ ان کے ظاہر اور باطن کو جاننے اور دیکھنے والا صرف اللہ ہی ہے۔

سورت الاحزاب میں غزوۂ احزاب کا تذکرہ ہوا جو 5 ہجری میں ہوا۔ تمام اسلام دشمن طاقتیں یکجا ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئیں، نبی اکرم ﷺ نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے ایک گہری خندق کھود دی گئی۔ جس کی وجہ سے دشمن کا لشکر مدینہ میں داخل نہ ہوسکا۔۔۔ مشرکین خندق کے باہر اور مسلمان خندق کے اندر تھے۔ پچیس دن تک مشرکین نے یہ محاصرہ جاری رکھا۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد آن پہنچی کہ ایک تیز آندھی اور طوفان نے کفار کے خیموں کو اکھاڑ پھینکا، جانوروں کی طنابیں ٹوٹ گئیں، پتھر اڑ اڑ کر مشرکین کو لگنے لگے۔۔۔ قرآن کریم نے اسے بیان فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا
(الاحزاب:9)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر فرمایا جب تمہارے

مقابلے میں کفار کے لشکر اور فوجیں آئیں پھر ہم نے ان پر تیز و تند طوفان اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو (کوئی عمل اور کوئی کام، خندق کی کھودائی) اللہ تعالیٰ سب دیکھتا ہے۔

سورت الفاطر میں ارشاد ہوا:

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌ بَصِیْرٌ (فاطر:31)

اور جو کتاب ہم نے آپ پر نازل فرمائی یہ حق ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

یعنی اس کے علم و خبر ہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے قرآن کی صورت میں نئی کتاب اتاری کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پچھلی کتابیں تحریف اور تغیر و تبدل کا شکار ہو گئیں اور اب وہ ہدایت کے قابل نہیں رہیں، ٹھیک موقع پر آخری کتاب کو نازل فرمایا۔

سورت فاطر کی آخری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کرتوتوں کی بنا پر گرفت اور پکڑ شروع کر دے تو پھر کوئی جاندار زمین پر باقی نہ رہے مگر اللہ مجرم کو ایک خاص معین وقت کے لیے ڈھیل دیتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ ـــ پھر جب وہ ان کی میعاد آ پہنچے گی تو ہر شخص کو اس کے عملوں کا بدلہ پورا پورا دے گا۔

فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیْرًا ـــ یقیناً سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں۔

یعنی کسی کا ایک ذرہ بھر برا یا بھلا عمل اس کے علم سے باہر نہیں اور بندوں کی کوئی حرکت اس کی نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

سورت الشوریٰ میں ارشاد ہوا کہ اگر اللہ بندوں کی روزی فراخ کر دیتا ـــ اور ہر شخص کو حاجت اور ضرورت سے زیادہ یکساں اور برابری کی سطح پر روزی دیتا تو اس کا نتیجہ

یہ لکلتا کہ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ۔۔۔تو لوگ زمین میں فساد برپا کر دیتے۔۔۔کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص سرکش اور متمرد ہو جاتا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ماپ کر اور اندازے سے روزیاں تقسیم کی ہیں۔

اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌ بَصِیْرٌ (الشوریٰ:27)

یقیناوہ اپنے بندوں سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔

یعنی وہ بندوں کی طبیعتوں کو جانتا ہے اور مصلحتوں سے واقف ہے وہ ہر ایک پر نظر رکھے ہوئے ہے اور بہتر جانتا ہے کہ کس کو کتنی روزی عطا کرنی ہے۔

سورت الشوریٰ کی آیت نمبر 11 میں اللہ رب العزت نے اپنی معبودیت اور الوہیت پر عقلی دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا میں ہو، تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے میں نے بنائے، جوڑے بنانے کا یہ سلسلہ میں نے چوپایوں میں بھی رکھا۔۔۔میں نے تمہیں بھی اور جانوروں کو بھی زمین میں پھیلایا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:11)

اس کی مثل کوئی چیز نہیں (نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے اور نہ صفات میں اس کا کوئی مثیل یا شریک ہے) اور وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔

سامعین گرامی قدر لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کے ساتھ اللہ رب العزت نے اپنی بے شمار صفات میں سے ان صفتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اَلسَّمِیْعُ، اَلْبَصِیْرُ۔۔۔کہ یہی اس کی الوہیت ومعبودیت کی سب سے بڑی دلیلیں ہیں اور جن غیر اللہ کی پوجا پاٹ کرنے والوں کا بھی بنیادی عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ جس کے سامنے ہم سجدہ ریز ہیں اور جن کے نام کی ہم نذر و نیاز دے رہے ہیں اور جن کو ہم مصائب میں پکار رہے ہیں وہ ہماری پکاروں کو سن بھی رہے ہیں اور ہمارے حالات کو دیکھ بھی رہے ہیں۔سورت الحدید میں اللہ رب العزت نے اپنی الوہیت اور معبودیت کے ثبوت میں عقلی دلائل کی بارش برسائی ہے جس میں اپنی

قدرت وتصرف کا اور اپنے ملک واختیار کا تذکرہ کر کے اپنے علم کو بیان فرمایا:

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (الحدید:4)

اور تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں۔۔۔ پہاڑوں کی چوٹی پر ہو یا غاروں میں۔۔۔ گھروں کے صحن میں ہو یا کمروں میں یا تہہ خانوں میں۔۔۔ صحراؤں میں ہو یا جنگلوں میں۔۔۔ اللہ رب العزت ہر وقت اور ہر جگہ اپنے علم وبصر کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے ایک ایک عمل کو اور ایک ایک حرکت کو دیکھتا ہے اور تمہاری ہر ہر بات کو جانتا اور سنتا ہے۔

سمع وبصر کا معطی ومالک

انسان کو دیکھنے اور سننے کی قوت وصلاحیت عطا کرنے والا بھی اللہ رب العزت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (المومنون:78)

وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

سورت الدہر میں ارشاد ہوا:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (الدہر:2)

ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے آزمائش کے لیے پیدا کیا پھر ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنا دیا۔

یاد رکھیے! انسان کا سننا اور دیکھنا ماتحت الاسباب ہے اور ایک خاص زاویہ اور

فاصلہ سے ہے۔وہ ہر قسم کی آواز سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور ہر جگہ دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اللہ رب العزت اَلسَّمِيْعُ اور اَلْبَصِيْرُ ہے جو مافوق الاسباب سنتا اور دیکھتا ہے اور ہر جگہ سے سنتا ہے اور ہر ایک کو دیکھتا ہے۔اسی کو سورت البلد میں بیان کیا گیا:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ (8) وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ (البلد:8.9)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں (جن سے وہ دیکھتا ہے) اور زبان اور ہونٹ نہیں بنائے۔

مشرکین مکہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ ہماری آنکھوں اور کانوں کا مالک اللہ ہی ہے۔۔۔اللہ رب العزت نے مشرکین پر حجت قائم کرنے کے لیے اور انہیں مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے بڑے مشفقانہ اور حکیمانہ انداز میں کچھ سوال فرمائے۔

نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ مکہ کے ان لوگوں سے پوچھیے کہ زمین و آسمان سے تمہیں روزی کون عطا کرتا ہے؟ تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ ان میں قوتِ سماعت و بصارت رکھنے والا کون ہے؟ کون ہے جو بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے؟ اور کون ہے جو کائنات کے تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ (یونس:31)

میرے پیغمبر! یہ لوگ جواب میں کہیں گے کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔

سامعین گرامی قدر! اب تک کے بیان میں میں نے تصویر کا ایک رخ دکھایا ہے کہ اللہ رب العزت اَلْبَصِيْرُ ہے اور اس کا دیکھنا مافوق الاسباب ہے۔۔۔اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ مخلوق کا دیکھنا ماتحت الاسباب ہے اور ان ظاہری آنکھوں سے ہے اور زندگی تک ہے اور محدود طریقے سے ہے۔۔۔درمیان میں دیوار یا پردے کی اوٹ آجائے تو انسان دیکھنے سے قاصر ہوتا ہے۔

مخلوق میں سب سے بالا اور بلند تر، سب سے اعلیٰ اور برتر، سب سے افضل اور

بہتر، سب سے عظیم اور بہتر، سب سے اکمل، اجمل، اشرف اگر کوئی ہے تو وہ نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ ان کا ایک واقعہ سنیے شاید کسی کے لیے باعث ہدایت ہو جائے۔

آپ نے عیدگاہ میں عورتوں کو خصوصی خطاب کرتے ہوئے صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی۔۔۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی جو مالدار عورت تھی اس نے گھر آ کر اپنے شوہر سے کہا کہ میں صدقہ دینا چاہتی ہوں تم بھی غریب آدمی ہو اگر بیوی اپنے شوہر کو صدقہ دے سکتی ہے تو میں تمہیں وے دوں، تم جا کر نبی اکرم ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے تم خود جاؤ اور پوچھ لو۔۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم ﷺ کے ہاں حاضر ہوئیں۔۔۔ دروازے پر دستک دی، سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازے پر آئے انہوں نے کہا میں اندر نہیں جاتی تم یہ مسئلہ پوچھ کر مجھے بتاؤ مگر آپ کو میرا نہیں بتانا۔

سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر آپ سے پوچھا کہ ایک عورت باہر کھڑی ہے اور یہ مسئلہ پوچھ رہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کون ہے؟ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب بھی پردہ رکھنے کی کوشش کی اور کہا زینب ہے۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا أيُّ الزَّيَانِب۔۔۔۔۔ مدینہ میں تو بہت سی زینبیں رہتی ہیں یہ کون سی زینب ہے؟ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گھر والی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسے کہہ کہ غریب شوہر پر صدقہ کرنے کا دوہرا ثواب ہے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ کا خیال یہ تھا کہ کمرے کے اندر تشریف فرما امام الانبیاء ﷺ باہر کھڑی زینب کو نہیں دیکھ رہے۔۔۔ اور سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی نظریہ یہی تھا کہ دیوار کی اوٹ اور پردے کے پیچھے سے

نبی اکرم ﷺ زینب کو نہیں دیکھ رہے۔۔۔ پھر امام الانبیاء ﷺ کا یہ پوچھنا کہ کون ہے؟ کون سی زینب ہے ہمارے مدعا کی دلیل ہے۔

ایک حدیث مزید سماعت فرمائیے:

ایک روز نبی اکرم ﷺ اپنے چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے اور فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ

سلامتی ہو تم پر مسلمانوں کی اس بستی کے رہنے والو، ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَدِدْتُ اَنَّا قَدْ رَاَيْنَا اِخْوَانَنَا

میرا دل کرتا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا:

اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟

(ذرا اہل بدعت غور کریں! جو آج تک شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو معاف نہیں کر رہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو بڑا بھائی کہا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو بھائی کہنا نبوت و رسالت کی توہین ہے۔۔۔ حالانکہ شاہ صاحب نے تو حدیث کا ترجمہ کیا ہے۔۔۔ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ۔۔۔ کہ عبادت اپنے رب کی کرو اور اپنے بھائی (یعنی میری) کی عزت کرو۔۔۔ کیا عربی کی عبارت کا ترجمہ کرنا جرم ہو گیا ہے۔

یہ تو وہی بات ہوئی نا کہ ایک مرید اپنے بچے کو لے کر اپنے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں ایک مولانا بھی تشریف رکھتے تھے، پیر صاحب نے مرید سے بچے کے

متعلق پوچھا کہ یہ کون ہے؟ مرید نے بڑے ادب واحترام سے کہا حضرت! آپ کا سگ زادہ ہے، پیر صاحب ذرا اونچا سنتے تھے، انہوں نے پھر پوچھا کیا کہا؟ مرید کہنے لگا جناب آپ کا سگ زادہ ہے، پیر صاحب نے اب بھی نہیں سنا، پھر پوچھا تو مولانا جو قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے پیر صاحب کے کان کے قریب زور سے کہا۔۔۔ حضرت جی! یہ کہہ رہا ہے کہ آپ کے کتے کا بچہ ہے۔۔۔ بس پھر کیا تھا مرید نے مولانا کو گریبان سے پکڑ لیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔۔۔ مرید کہتا ہے تھا تم میرے بچے کو کتے کا بچہ کہنے والے کون ہوتے ہو۔۔۔ پیر صاحب حیران و پریشان کہ یہ اچانک لڑائی کیونکر ہو گئی، انہوں نے پوچھا کہ مجھے بھی بتاؤ لڑائی کا سبب کیا ہے۔۔۔ مرید کہنے لگا حضرت! غضب ہو گیا یہ مولانا میرے بیٹے کو کتے کا بچہ کہتے ہیں۔۔۔ مولانا نے کہا جناب! میری مجال کہ میں اس کے بیٹے کو کتے کا بچہ کہوں۔۔۔ آپ نے اس سے بچے کے متعلق پوچھا اس نے فارسی میں کہا آپ کا سگ زادہ ہے، میں نے سگ زادہ کا اردو میں ترجمہ کر دیا اور یہی میرا قصور ہے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا قصور بھی صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ کا اردو ترجمہ کر دیا۔ ویسے قرآن نے انبیاء کرام علیہم السلام کو کفار کا بھائی کہا ہے:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا۔۔۔ اور ہم نے قوم عام کی طرف ان کے بھائی ہود کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا۔۔۔ اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔۔۔ اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

علاوہ ازیں حدیث میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک تو یہی حدیث کہ کاش!

ہم اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرض کرتے ہیں اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔۔۔۔۔ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔۔۔۔۔اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کے لیے جا رہے تھے، ملنے کے لیے دربارِ رسالت میں آئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرماتے ہیں:

لَا تَنْسَانِیْ فِیْ دُعَائِكَ یَا اُخَیَّ۔۔۔اپنی دعاؤں میں مجھ کو نہ بھول جانا اے میرے چھوٹے بھائی)

میں عرض کر رہا تھا کہ اصحابِ رسول عرض کرتے ہیں یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ۔۔۔تم میرے دوست اور میرے ساتھی ہو۔

وَاِخْوَانُنَا الَّذِیْنَ لَمْ یَاْتُوْا بَعْدُ۔۔۔ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک اس دنیا میں نہیں آئے وہ میرے بعد آئیں گے، نہ میں انہیں دیکھوں گا اور نہ وہ مجھے دیکھیں گے وہ میرے بھائی ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سنا تو عرض کی:

كَیْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ یَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

جو لوگ آپ کی امت میں سے ابھی تک اس دنیا میں نہیں آئے۔۔۔آپ کے جو امتی ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئے وہ آپ کے بعد آئیں گے یارسول اللہ! آپ انہیں کس طرح پہچانیں گے۔۔۔قیامت کے دن ان کی آپ کس طرح شناخت کریں گے؟

معلوم ہوتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم ﷺ کو غیب دان اور حاضر و ناظر نہیں سمجھتے تھے۔اسی لیے تو سوال کر رہے ہیں کہ یارسول اللہ! آپ کے وہ امتی جو آپ کے بعد پیدا ہوں گے جن کو آپ نے دیکھا نہیں ہوگا ان کو کس طرح پہچانیں گے؟ اگر ان کا

عقیدہ یہ ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں اور وفات کے بعد بھی دنیا کی کوئی چیز ان سے مخفی اور پوشیدہ نہیں بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کا علم آپ کو حاصل ہے تو پھر وہ یہ سوال کیوں کرتے کہ بعد میں آنے والے امتیوں کو آپ کس طرح پہچانیں گے۔

اصحابِ رسول نے یہ سوال کیا تو رحمت کائنات ﷺ نے فرمایا:

اَرَاَیْتَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا لَهٗ خَیْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَیْنَ ظَهْرَیْ خَیْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلَا یَعْرِفُ خَیْلَهٗ

بھلا بتاؤ تو سہی! اگر کسی شخص کے پنج کلاں گھوڑے (جس کا ماتھا، اگلے پاؤں اور پچھلے پاؤں سفید ہوں) سیاہ مشکی گھوڑوں میں ملے جلے ہوں تو کیا وہ شخص اپنے پنج کلاں کو نہیں پہچان لے گا؟۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! اسے اپنے پنج کلاں گھوڑے کو پہچاننے میں دشواری اور مشکل پیش نہیں آئے گی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَاِنَّهُمْ یَاْتُوْنَ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ
(مسلم، نسائی)

میرے امتی قیامت کے دن اس شان سے آئیں گے کہ وضو کے اثر سے ان کے چہرے روشن اور ان کے ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے اور میں حوض کوثر پر ان سے پہلے پہنچ کر انتظار کروں گا۔

اصحاب رسول نے جب پوچھا تھا کہ بعد میں آنے والی امت کو آپ کس طرح پہچانیں گے تو اس کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میں عالم الغیب ہوں۔۔۔ دنیا کی کوئی شئ مجھ سے پوشیدہ نہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا کلی علم مجھے عطا فرمایا ہے۔۔۔ یا ابھی تک عطا نہیں ہوا آئندہ مجھے یہ صفت عطا فرما دی جائے گی اور میں آئندہ آنے والے اپنے امتیوں کو برابر دیکھتا اور جانتا رہوں گا۔۔۔ میں ہر جگہ

حاضر وناظر ہوں۔۔۔نہیں، یہ نہیں فرمایا بلکہ جواب یہ دیا کہ میں بعد میں پیدا ہونے والے امتیوں کو وضو کے روشن نشانات اور اثرات سے شناخت کرلوں گا۔

الغرض! اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو جَمِیْعَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم عطا نہیں ہوا۔۔۔آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے کہ اپنے بعد آنے والی امت کے حالات سے واقف اور باخبر ہوتے۔

خطبہ حجۃ الوداع

خطبہ حجۃ الوداع جو تاریخی خطبہ تھا اس میں آپ نے کیا ارشاد فرمایا۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے عرفات کے میدان میں تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔۔۔پھر عرفات سے بڑے سکون اور میانہ روی سے واپس ہوئے تو وادیٔ محسّر میں آپ نے اپنی سواری کو تیز دوڑایا اور پھر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمرات کو کنکریاں مارنے کا صحیح طریقہ بتایا۔۔۔پھر فرمایا لوگو! مجھ سے حج کا طریقہ سیکھ لو، کیونکہ

فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَلْقَاھُمْ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا (مسند احمد، 332/3)

میں نہیں جانتا، ہوسکتا ہے اس سال کے بعد میں ان سے ملاقات نہ کرسکوں۔

اور مسند دارمی صفحہ نمبر 41 پر روایت کے الفاظ اس طرح ہیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَلْقَاکُمْ

اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں شاید میں اس کے بعد پھر تم سے نہ مل سکوں۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے واپسی پر ہوا۔ اس کے بعد تقریباً تین ماہ زندہ رہے۔۔۔نبی اکرم ﷺ فرمارہے ہیں لَا اَدْرِیْ۔۔۔میں نہیں جانتا۔۔۔کتنے صاف اور واضح الفاظ ہیں کہ مجھے اپنی وفات کے وقت کا علم نہیں۔۔۔جب نبی اکرم ﷺ کو اپنی وفات کے وقت کا علم نہیں تو دوسروں کی وفات کا کلی علم کس طرح ہوگا۔

آگے سنیے! ترمذی صفحہ نمبر 108 جلد 1 میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَعَلِّیْ لَا اَرٰکُمْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا

ہوسکتا ہے کہ اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھ سکوں۔

تم تو کہتے ہو کہ نبی اکرم ﷺ سے دنیا کی کوئی شئی مخفی اور پوشیدہ نہیں۔۔۔آج بدعتی مُلّاں کہتا ہے کہ ہمارا نبی ہر جگہ موجود ہے۔۔۔آج کا بدعتی راگ الاپتا ہے کہ ہمارا نبی حاضروناظر ہے۔۔۔آج کا خطیب کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر جاؤ وہ سلام پڑھنے والے کو دیکھتے ہیں، لیکن ترمذی کی یہ روایت ذرا غور سے سنو کہ

لَعَلِّیْ لَا اَرٰکُمْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خطاب کر کے فرما رہے ہیں، ہوسکتا ہے اس سال کے بعد میں تمہیں نہیں دیکھ سکوں گا۔۔۔یعنی ہوسکتا ہے کہ میں موت کا جام پی لوں۔۔۔اور موت کے بعد میں نہ کسی کی بات سن سکوں گا اور نہ کسی کو دیکھ سکوں گا۔

عمر کا رب دیکھ رہا ہے آخر میں ایک تاریخی واقعہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔۔۔

ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے پچھلے پہر مدینہ کی گلیوں اور مضافات میں گشت فرما رہے تھے کہ ایک گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے سنا کہ کوئی عورت اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہے۔۔۔آج بکری نے دودھ کم دیا ہے جو مستقل گاہکوں کے لیے پورا نہیں ہوگا اس لیے تم اس میں پانی ملا دو۔۔۔لڑکی کہنے لگی امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہوا ہے۔۔۔ماں کہنے لگی بچی! امیر المومنین کون سا ہمیں دیکھ رہے ہیں؟ لڑکی جواب میں کہنے لگی:

امیر المومنین نہیں امیر المومنین کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ (جس کی صفت اَلْبَصِیْرُ ہے)

آپ سن کر حیران ہوں گے کہ اس لڑکی کے تقویٰ اور خشیت الٰہی کی بنیاد پر اسے

اپنی بہو بنالیا۔۔۔(کسی زمانے میں رشتے دینداری اور تقویٰ کی بنیادوں پر ہوتے تھے اور آج مال ودولت، جہیز، عہدوں کی کمزور بنیادوں پر رشتوں کی عمارت اٹھائی جاتی ہے) یہی خوف الٰہی رکھنے والی لڑکی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نانی بنی۔

بعض مفسرین نے لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زلیخا نے بند کمرے میں اور علیحدگی وتنہائی میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو دعوت گناہ دینے سے پہلے اپنے رب پر کپڑا ڈال دیا۔۔۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کے پوچھنے پر کہنے لگی اپنے معبود کے سامنے بے حیائی کا کام کرتے ہوئے شرم وحیا محسوس ہوتی ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے جھوٹے معبود کی آنکھوں پر پردہ ڈال کر اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی ہو۔۔۔ بتا میرے سچے معبود (اَلْبَصِيْرُ) کی آنکھ پر پردہ کون ڈالے گا۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی تفسیر میں قرطبی نے نقل کی ہے۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْبَصِيْرُ کی حقیقت کو دل میں بسا لو اور کبھی بھی ایسے فعل وعمل اور ایسے کام کا تصور وارتکاب نہ کرو جسے کسی دیکھنے والے کے سامنے نہیں کرتے ہو۔

انسان کو چاہیے کہ ہر وقت اس تصور کو پکائے اور دل ودماغ میں جمائے کہ میرے دل پر ہر وقت اور ہر گھڑی اور ہر لحظہ اَلْبَصِيْرُ کی نگاہ پڑ رہی ہے۔ میرے دل کا کوئی راز اس سے پوشیدہ نہیں۔۔۔ میں کوئی حرکت کرتے ہوئے اس سے چھپ نہیں سکتا۔۔۔ اس تصور کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آدمی گناہوں سے، منکرات سے اور رب کی نافرمانیوں سے پرہیز کرے گا۔ یاد رکھیے! اَلْبَصِيْرُ کا دھیان ہی تقویٰ وعبادت کی بنیاد ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ جمعۃ المبارک میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک اسم گرامی "الحکم" کی تشریح وتفسیر کے متعلق کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

'الحکم' حُکم سے ہے بمعنی فرمان اور حُکم کے معنی ہونگے فرمان دہندہ۔۔۔ فرمان جاری کرنے والا۔

یہ اسم گرامی خطبہ میں تلاوت کردہ آیت سے ماخوذ ہے۔ أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا۔ کیا میں (محمد رسول اللہ ﷺ) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاکم یعنی فیصلہ صادر کرنے والا مان لوں؟

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "الحکم" وہ ذات ہے جو فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور اسکے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اسکا فیصلہ ہی نافذ ہو کر رہتا ہے۔

(مرقاۃ ص 83)

اللہ ربّ العزت ہی ایسا الحکم ہے جو سارے جہاں اور تمام امور کے فیصلے کرتا ہے۔ اس جہاں میں لوگوں کے اور جانوروں کے رزق وروزی کے فیصلے۔۔۔ صحت وبیماری

کے فیصلے، اولاد دینے نہ دینے کے فیصلے، زندگی اور موت کے فیصلے، بارش برسانے اور برفباری کے فیصلے، حکومت اور اقتدار کے تخت اور تختہ کے فیصلے، امن وچین کے فیصلے، مال ودولت کے عطا کرنے یا نہ کرنے کے فیصلے، غرضیکہ ہر خیر وشر کے فیصلے اَلْحَکَمُ کی طرف سے ہی ہوتے ہیں۔اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ، لِلّٰہِ الْاَمْرُ!

سیدنا یوسف علیہ السلام نے جیل کے دو ساتھیوں کو دعوت توحید دیتے ہوئے کہ تم خود ہی فیصلہ کرو۔۔۔کیا الگ الگ معبود اور مشکل کشا بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو غالب زبردست اور قوت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم مصائب ومشکل میں پکارتے ہو اُن کے الٰہ اور معبود بننے کے بارے کوئی حیثیت نہیں ہے وہ صرف نام ہی نام ہیں (کسی کو تم نے دَافِعُ الْبَلَاءِ کہہ دیا اور کسی کو دَافِعُ الْوَبَاءِ اور کسی کو دَافِعُ الْوَجَعِ، کسی کو کرنیاں والا اور بھرنیاں والا، کرماں والا وغیرہ) اور یہ نام بھی کچھ کے تم نے رکھے اور کچھ کے تمہارے آباؤ اجداد نے۔۔۔اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کے بارے کوئی سند اور دلیل نہیں اُتاری۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ .... حکم اور فرمانبرداری صرف اللہ ہی کی ہے.... حکم اور حاکم صرف وہی ہے۔

اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (یوسف 40)

اللہ نے ہی فرمان اور یہی حکم جاری فرمایا ہے کہ تم اسکے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی سیدھا دین ہے۔سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بھی یہی فرمائی تھی جب بھائیوں نے بنیامین کو اپنے ساتھ بھیجنے پر اصرار کیا تھا سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے پختہ عہد وپیمان لیکر بنیامین کو اپنے بیٹوں کے ساتھ بھیجتے ہوئے تلقین کی کہ مصر کے ایک دروازے سے تمام کے تمام بھائی داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونا یہ ایک تدبیر ہے جو میں تمہیں بتا رہا ہوں ورنہ

وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (یوسف:67)

میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز (مصیبت) کو تم سے ٹال نہیں سکتا۔حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔میرا مکمل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔۔۔یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نظر بد اور حسد وغیرہ سے بچانے کیلئے یہ ظاہری تدبیر تلقین فرمائی کہ متفرق ہو کر معمولی حیثیت سے شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہوں تاکہ خواہی نہ خواہی پبلک کی نظریں اُن کی طرف نہ اٹھیں۔ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں کوئی تدبیر کر کہ قضاء وقدر کے فیصلوں کو نہیں روک سکتا۔تمام کائنات میں حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔ہمارے سب انتظامات حکم الٰہی کے مقابلے میں بیکار ہیں ہاں تدبیر کرنا اسی نے سمجھایا ہے اور اسے جائز رکھا ہے۔(تفسیر عثمانی)

نظر لگ جانا حق ہے جیسے امام الانبیاء محمدؐ الرسول اللہ سے ثابت ہے۔آپ نے فرمایا "اَلْعَيْنُ حَقٌّ" (بخاری کتاب الطب،علم باب الطب)

یعنی نظر کا لگ جانا حق ہے۔نبی اکرم ﷺ نے نظر بد سے بچنے کیلئے دعائیہ کلمات بھی امت کو بتائے ہیں۔سورۃ الرعد میں ارشاد ہوا:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (الرعد:41)

کیا وہ (مشرکین وکفار) نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اسکے اطراف سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں اور اللہ حکم کرتا ہے اور کوئی بھی اسکے حکم کو پیچھے ڈالنے والا (ہٹانے والا) نہیں وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

زمین کو کناروں سے گھٹانے کا مطلب یہ ہے کہ سرزمین مکہ کے آس پاس اسلام کا اثر پھیلتا جا رہا ہے۔ اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا جا رہا ہے اور اسے عروج اور غلبہ حاصل ہو رہا ہے۔ دن بدن اور روز بروز اسلام ترقی کی جانب گامزن ہے۔۔۔ کفر کی زمین سکڑتی اور گھٹتی جا رہی ہے بڑے بڑے اشخاص کے قلوب پر اسلام کا سکہ بیٹھ رہا ہے۔ مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج کے دل حق وصداقت کے سامنے مفتوح ہو رہے ہیں۔ کیا یہ روشن آثار ان کفار پر یہ حقیقت نہیں واضح کر رہے کہ اللہ ربُّ العزت کا حکم اور فیصلہ انکے مستقبل کے متعلق کیا ہو چکا ہے۔ اور اللہ کے اٹل فیصلے کو ٹالنے اور ہٹانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔

سورۃ التین کے اندر اللہ رب العزت نے کفار کیلئے اسفل السافلین کا تذکرہ فرمایا پھر مومنوں کیلئے بے انتہاء اور نہ ختم ہونے والے اجر وثواب کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ

کیا اللہ سب (مجازی) حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟

اللہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ میری شہنشاہی کے آگے دنیا کی سب حکومتیں ہیچ ہیں جب یہاں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اپنے وفاداروں کو انعام سے نوازتی ہیں اور مجرموں اور نافرمانوں کو سزا دیتی ہیں تو مجھ احکم الحاکمین سے یہ اُمید کیوں نہ رکھی جائے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے کیا کہا

سیدنا نوح علیہ السلام نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ اپنے رب کو یاد کیا۔۔۔ جب اُن کا بیٹا کنعان انکی آنکھوں کے سامنے غرق ہو گیا اور کشتی کنارے آ لگی تو اُنہوں نے رب کے حضور عرض کی

اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ

(ھود:48)

میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔

سیدنا شعیب علیہ السلام نے کیا کہا سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم شرک کے ساتھ ساتھ ڈاکہ زنی اور کم تولنے اور کم ناپنے کی بیماری میں بھی مبتلا تھی۔ انہوں نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے ان تمام گناہوں سے روکا اور فرمایا:

يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ (ھود 87)

اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس چیز پر ایمان لے آئے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور کچھ لوگ ایمان نہیں لائے تو ذرا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

یعنی جو احکام میں لے کر آیا ہوں اگر تم متفقہ طور پر انہیں قبول نہیں کرتے ہو بلکہ تم نے مخالفت ہی کی ٹھان رکھی ہے تو کچھ دن صبر کرو اللہ آسمان سے تمہارے اور میرے درمیان اس جھگڑے اور اختلاف کا فیصلہ کر دے گا۔

برادر یوسف یہودا نے کیا کہا سیدنا یوسف علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی تعلیم کردہ ایک تدبیر کے ذریعہ بنیامین کو اپنے پاس روک لیا تو ان کے بڑے بھائی یہودا نے کہا کہ میں مصر سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میرے والد صاحب خود مجھے اجازت نہ دے دیں۔

أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (یوسف:80)

یا میرے بارے اللہ کوئی فیصلہ کر دے وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

یعنی تقدیر سے میں یہیں مر جاؤں یا کسی تدبیر سے بنیامین کو چھڑا لوں۔

امام الانبیاء ﷺ سے کیا کہا گیا سورہ یونس کے آخری رکوع میں امام الانبیاء ﷺ سے کہا گیا کہ آپ واضح الفاظ میں لوگوں کو اپنے دین کے بارے جتلائیں

اور توحید کی دعوت دیں اور شرک سے روکیں۔

آخری آیت میں فرمایا: وَاتَّبِعْ مَا یُوحیٰ اِلَیكَ اگر یہ لوگ آپ کی مخالفت ہی پر کمربستہ رہیں اور آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں تو آپ غم زدہ اور پریشان ہرگز نہ ہوں آپ احکام الٰہی کی پیروی کرتے رہیں اور حق کے راستے میں اور دعوت تبلیغ کے نتیجے میں جو مصائب وتکالیف اور دکھ آئیں تو ثابت قدمی دکھائیں اور صبر کریں۔

حَتّٰی یَحْکُمَ اللہُ وَھُوَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ (یونس:109)

یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر حاکم ہے۔

یعنی جب وعدہ آپ کو غالب ومنصور کردے، فتح یاب کردے، عزتوں اور رفعتوں سے مالا مال کردے۔

قیامت میں مشرکین کے جواب میں کیا کہا جائے گا

مشرکین وکفار جب عذاب میں جکڑے جائیں گے تو وہ کہیں گے آج سب ہم اپنے جرموں اور گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اس خواہش کا اظہار کریں گے کہ یہاں سے بھاگ نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ مولا تو نے پہلے بھی دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ حیات سے ہم کنار کیا تو قادر اور قدیر ہے تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیکیاں سمیٹ کر لائیں اور تیری عبادت سے فیض یاب ہوں۔

اللہ رب العزت جواب میں انہیں عذاب دینے کی وجہ بیان کریں گے:

وَاِذَا دُعِیَ اللہُ وَحْدَہٗ کَفَرْتُمْ ۔۔۔۔دنیا میں جب تمہیں اللہ اکیلے کی طرف بلایا جاتا تھا، اللہ کی توحید اور وحدانیت کا تذکرہ ہوتا تھا، صرف اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا بیان ہوتا تھا تو تم منکر ہوتے تھے اور بدکتے تھے داعی توحید سے دور بھاگتے تھے۔

وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا (المومن:12)

اور اگر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا۔۔۔غیر اللہ کے اختیارات اور غلبہ کی

بات ہوتی، شرکیہ نعتیں اور نظمیں پڑھی جاتیں تو تم جھومتے تھے اور نعرے لگاتے تھے۔

فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ

پس اب حکم اور فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔

اور وہ فیصلہ یہی ہے کہ تم ہمیشہ جہنم اور آگ کے عذاب میں سڑتے اور مرتے رہو۔ یہ فیصلہ اس بڑے زبردست اللہ کی عدالت عالیہ سے جاری ہوا ہے جسکی ذات وصفات شریکوں سے بلند و بالا ہے اور وہی سب سے بڑا ہے کہ اس کے فیصلے کے خلاف کہیں آگے اپیل نہیں ہو سکتی فَھَلْ مِنْ خُرُوْجٍ سَبِیْلٍ کی تمنا عبث اور فضول ہے۔

ایک حدیث بھی سنیئے سیدنا ہانی بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں ایک وفد کے ساتھ امام الانبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے وفد کے لوگ مجھے ابوالحکم کی کنیت سے بلا رہے تھے نبی اکرم نے مجھے بلایا اور فرمایا ''اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَکَمُ ''حکم تو اللہ ہے'' وَاِلَیْہِ الْحُکْمُ '' اور تمام کے تمام حکم اسی کے ہیں۔۔۔ تم نے ابوالحکم کنیت کیوں رکھی ہے؟

میں نے کہا میری قوم میں جب کوئی اختلاف اور جھگڑا ہوتا ہے تو وہ فیصلے کیلئے میرے پاس آتے ہیں اور میں جو فیصلہ ان کے درمیان کر دیتا ہوں وہ اس پر راضی ہو جاتے ہیں اس لئے وہ مجھے ابوالحکم کے نام کے ساتھ بلاتے ہیں۔

آپ نے یہ سن کر فرمایا: مَا اَحْسَنَ ھٰذَا۔۔۔ یہ کس قدر اچھی بات ہے ۔۔۔ پھر آپ نے مجھ سے پوچھا فَمَا لَکَ مِنَ الْوَلَدِ؟۔۔۔ تیرے کتنے لڑکے ہیں؟ میں نے کہا تین بیٹے ہیں۔۔۔ شریح، حکم اور عبداللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے عرض کیا شریح سب سے بڑا ہے: آپ نے فرمایا ''فَاَنْتَ اَبُوْ شُرَیْحٍ'' پس تو ابوشریح ہے یعنی آج کے بعد تیری کنیت ابوشریح ہے۔ (ابوداود)

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا اللہ تعالیٰ نے سورہ الکہف میں اصحاب کہف کے واقعہ کو تفصیلاً بیان فرمایا اور فرمایا وہ غار میں تین سو نو سال رہے تھے۔۔۔اگر کوئی شخص ہماری بتلائی ہوئی مدت میں شک وشبہ کا اظہار کرتا ہے تو میرے پیغمبر آپ کہیں کہ اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت کو وہی اللہ بہتر جانتا ہے جو زمین و آسمان کی تمام پوشیدہ اور مخفی چیزوں کو جانتا ہے۔

اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ۔۔۔کیا خوب دیکھتا اور سنتا ہے۔مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ۔۔۔اللہ کے سوا بندوں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا(الکہف: 26)
اور اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

مشہور حنفی عالم مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب تحریر فرمایا:

اِنَّ الْحُكْمَ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِيْ حُكْمِهٖ كَمَا لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِيْ عِبَادَتِهٖ ۔۔۔قال اللہ تعالیٰ: وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا

یقیناً ہر کام کا حکم اللہ کیلئے ہے اور اللہ کے حکم میں اسی طرح کوئی شریک نہیں جس طرح اس کی عبادت میں اسکا کوئی ساجھی نہیں ہے۔اللہ نے خود فرمایا ہے کہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔(مرقاۃ ص 5,35)

شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

جس طرح اسکا علم محیط ہے اسطرح اسکی قدرت و اختیار بھی سب پر حاوی ہے۔جیسے زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزوں کے جاننے میں اسکا کوئی شریک نہیں ہے اسی طرح اسکے اختیارات وقدرت میں بھی کوئی شریک اور حصے دار نہیں ہے۔

مجازی حاکم سامعین گرامی قدر! میری گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ حاکم

حقیقی صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے یقیناً الحکم، حاکم، فیصل اور آمر صرف اور صرف وہی ہے۔

اللہ رب العزت کے علاوہ جس جس پر بھی حکم اور حاکم کا اطلاق ہوگا وہ مجازاً اور لغوی معنی میں ہوگا۔

قرآن مجید میں یہی لفظ حکم میاں بیوی کے اختلاف کے سلسلہ میں آیا ہے بمعنی فیصلہ کرنے والا چنانچہ ارشاد ہوا:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا (النساء:35)

اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان ان بن اور جھگڑے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے مقرر کرو اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں تو اللہ دونوں (میاں، بیوی) میں موافقت پیدا کردے گا۔

حاکم حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے مگر اس نے بعض انسانوں کو بھی حاکم کہا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ:188)

ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ وہ مال حاکموں کو بطور رشوت تھماؤ کہ لوگوں کے مال ظلم وستم سے دبالو اور تم جانتے ہو (کہ یہ مال تمہارا نہیں ہے)

قرآن مجید میں ایک جگہ سب لوگوں کو حکم دیا:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء:57)

اور جب لوگوں کے درمیان تم فیصل بنو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو۔ صرف لوگوں کے درمیان نہیں بلکہ ہر چیز کے بارے عدل وانصاف کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

اپنے مال و دولت کے ساتھ عدل و انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے خلاف شریعت کاموں میں نہ اڑایا جائے۔ اپنی جان کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اسے خواہ مخواہ ہلاکت میں نہ ڈالا جائے۔ اپنے کپڑوں اور جسم کے ساتھ عدل یہ ہے کہ انہیں صاف ستھرا رکھو۔ اپنے گھر اور گلی کے ساتھ عدل یہ ہے کہ انہیں صفائی کا نمونہ بنانے کی کوشش کرو۔ گھر کے سامان کے ساتھ عدل یہ ہے کہ ہر چیز طریقے سے اپنی جگہ پر رکھو۔ اسی طرح جانوروں، درختوں، دوستوں، عزیزوں، بھائیوں، برادری، کلاس فیلو غرضیکہ ہر ایک کیساتھ عدل کرو کیونکہ اسلام کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل:90)

بیشک اللہ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا۔

اللہ رب العزت اور رسول کے معاملے میں بھی عدل و انصاف پر قائم رہو۔۔۔۔نہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی کے مرتکب ہو اور نہ انہیں بڑھا کر اللہ کی صفتوں میں شریک کرو۔ اللہ رب العزت حاکم حقیقی کے بعد مخلوق میں حاکم اور فیصل نبی اکرم کی ذات گرامی ہے۔

سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب:36)

کسی مومن اور مومنہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اسکا رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو وہ صاحب اختیار بن بیٹھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب یہودی اور منافق کے جھگڑے میں آپ کے فیصلے کے بعد منافق حضرت عمر کے ہاں فیصلہ کروانے پہنچا تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے اسی منافق کا سر قلم کر دیا۔

هٰكَذَا اَقْضِيْ مَنْ لَمْ يَرْ ۔۔۔۔ جسے میرے محمد ﷺ کا فیصلہ قبول نہیں اسکا فیصلہ عمر کی تلوار کریگی۔

اللہ رب العزت نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ کی توثیق فرمائی اوران لوگوں کے ایمان دار ہونے کی واضح الفاظ میں نفی فرمائی۔ جو نبی اکرم ﷺ کو اپنے نزاع میں فیصل نہ بنائیں اور جو آپ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء:65)

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نحل:90)

یقیناً اللہ عدل کا بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی اَلْعَدْلُ کا مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ رب العزت کا یہ نام قرآن میں مستعمل نہیں ہوا مگر اس کی صفت عدل کا تذکرہ اور عدل کرنے کا حکم دینے کا تذکرہ کئی جگہوں پر ہوا۔

عدل مصدر ہے مگر فاعل کے معنی میں ہے، یعنی عدل کرنے والا۔۔۔ عدل کے لفظی اور لغوی معنی برابر کے ہیں۔ اسی معنی کی مناسبت سے حاکموں کا لوگوں کے جھگڑوں اور مقدمات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا عدل کہلاتا ہے۔

اہلسنت کے لغت کے امام صاحب مفردات کہتے ہیں:

کسی بوجھ کو برابر دو حصوں میں اس طرح تقسیم کر دینا کہ کمی بیشی نہ ہو عدل کہلاتا ہے۔

بعض علماء نے عدل کو اعتدال یعنی میانہ روی کے معنی میں بھی لیا ہے۔۔۔اعتقاد میں، اعمال میں، اقوال وافعال میں درجۂ اعتدال پر قائم رہنا عدل کہلائے گا۔

توحید عدل ہے اور شرک ظلم ہے۔۔۔صرف ظلم نہیں بلکہ ظلم عظیم ہے۔۔۔ظلم کا مفہوم ہے: وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ۔۔۔۔چیز کو اپنی جگہ پر نہ رکھنا بلکہ ایسی جگہ پر رکھنا جو اس چیز کے مناسب نہیں ہے۔

کسی عالم کو ایم۔بی۔بی۔ایس کی کرسی پر مریض چیک کرنے کے لیے بٹھانا اس کرسی کے ساتھ ظلم کہلائے گا۔۔۔کسی ڈاکٹر کو وکیل کی کرسی پر بٹھانا۔۔۔اور کسی وکیل کو انجینئر کی کرسی سپرد کر دینا ظلم کہلائے گا۔۔۔مسجد کا منبر ومحراب کسی جاہل کے حوالے کرنا بھی ظلم کہلائے گا۔

یاد رکھیے! عبادت خالق کا حق ہے نہ کہ مخلوق کا۔۔۔کسی کا حق ادا کرنا عدل ہے اور کسی کا حق دوسرے کو دیدینا ظلم ہے۔۔۔اس لیے شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ کچھ مفسرین نے عدل کی تفسیر ظاہر وباطن کی برابری سے بھی کی ہے یعنی جو کچھ دل میں ہو زبان پر بھی وہی ہو۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سورت النحل کی آیت نمبر 90 کی تفسیر میں عدل کی تفسیر کچھ یوں فرمائی ہے:

عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور جذبات اعتدال اور انصاف کے ترازو میں تلے ہوئے ہوں، افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو جو بات اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو وہ اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔

عدل اللہ کی صفت ہے جس کا ہر فیصلہ حق پر مبنی ہوتا ہے، وہ ہمیشہ حق ہی کہتا ہے اور

وہی کرتا ہے جو حق ہو۔ سورت المومن میں ارشاد ہوا:

وَاللّٰهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (المومن:20)

اور اللہ فیصلہ کرتا ہے انصاف کے ساتھ اور جن کو یہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے (کیونکہ) یقیناً ہر ایک بات کو سننے والا اور ہر کسی کو دیکھنے والا اللہ ہی ہے۔

اللہ حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا کیونکہ وہ دلوں کی دھڑکن اور وسوسے کو بھی سنتا ہے اور کوئی شخص اس سے چھپ نہیں سکتا۔۔۔ کسی نے زبان سے کوئی بات کہی، دل میں کوئی ارادہ کیا، یا کوئی وسوسہ اور خیال دل میں آیا، رات کے اندھیرے میں تہہ خانوں میں چھپ کر کوئی حرکت کی اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اسی لیے انصاف کے ساتھ فیصلہ وہی کرے گا۔

فیصلہ کرنا اسی کا کام ہو سکتا ہے جو سننے اور جاننے والا ہو۔۔۔ تمہارے معبود اور مشکل کشا جن کو تم پکار رہے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گے (پھر یہ اس کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟)

سورت الاحزاب کی ابتداء میں اللہ رب العزت نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی اور لے پالک کو بیٹا کہہ دینے سے وہ حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا۔

جس طرح ایک آدمی کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے ایسے ہی ایک شخص کی حقیقتاً دو مائیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ (الاحزاب:4)

اللہ حق و انصاف کی بات کہتا ہے (یہاں عدل قولی مراد ہے)

سامعین گرامی قدر! اللہ تعالیٰ اس معنی میں عادل ہے کہ اس نے عدل و انصاف کا

حکم دیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نحل:90)

سورت النساء میں فرمایا:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء:58)

اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے لگو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

سورت المائدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ:8)

اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے حق پر قائم رہو راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ کسی قوم کی دشمنی تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے عدل کیا کرو یہی پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اس آیت میں عدل کرنے کا حکم بڑی تاکید سے دیا جا رہا ہے کہ کسی قوم کی سابقہ مخالفت اور مخاصمت تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل وانصاف کے راستے سے ہٹ کر ظلم وعدوان کی روش کو اپنا لو۔

نیز اس آیت میں عادلانہ گواہی کی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔۔۔عادلانہ گواہی اور انصاف کی شہادت کی اہمیت کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگائیں جو حدیث میں آتا ہے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے کچھ عطیہ دیا، میری والدہ نے کہا اس عطیہ پر آپ جب تک نبی اکرم ﷺ کو گواہ نہیں بنائیں گے اس

وقت تک میں راضی نہیں ہوں گی چنانچہ میرے والد خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اسی طرح کا عطیہ دیا ہے؟ میرے والد نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو! اور اولاد کے درمیان عدل اور انصاف کرو۔۔۔ پھر فرمایا تمہارا یہ عمل ظلم ہے اور میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔

(بخاری، کتاب الھبہ)

میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ رب العزت اس معنی میں اَلْعَدْلُ ہے کہ اس نے لوگوں کو عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یتیموں کے بارے میں عدل پر قائم رہنے کا حکم دیا۔۔۔ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ (النساء: 127)

یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے والوں سے فرمایا کہ ان کے ساتھ انصاف کے تقاضے پورے کرو۔ اگر تم کو اندیشہ اور خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے عدل کے ترازو کو قائم نہیں رکھ سکو گے تو پھر دوسری عورتوں سے شادی کرو اور ایک وقت میں تمہیں چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے مگر ایک شرط کے ساتھ کہ سب بیویوں کے درمیان انصاف اور برابری کا معاملہ کرو۔

یہ برابری محبت اور دل کے تعلق میں نہیں ہے کیونکہ دل اللہ رب العزت کے قبضہ اور اختیار میں ہیں بلکہ یہ برابری کھانے پینے، رہائش، کپڑے، علاج معالجہ اور دن رات کی ان کے مابین تقسیم کے بارے میں ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء: 3)

اگر تمہیں عدل اور برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو پھر ایک بیوی ہی کافی ہے۔

عادل بادشاہ شریعت اسلامیہ نے ہر شخص کو عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔۔۔ ارشاد فرمایا:

اے ایمان والو عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور رضائے الٰہی

کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ اگرچہ وہ گواہی خود تمہارے خلاف ہو یا والدین کے خلاف ہو یا رشتے داروں عزیزوں کے خلاف ہو۔۔۔ تم خواہش نفس کی پیروی میں انصاف کو نہ چھوڑ دینا۔ (النساء:135)

مگر برسر اقتدار اور ارباب حکومت طبقہ کو بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ ہر قسم کی خواہشات سے کنارہ کش ہو کر عدل وانصاف کو اپنا وطیرہ بنائیں۔

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ (الشوریٰ:15)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں۔

تبلیغ ودعوت کے پہنچانے میں عدل اور برابری کروں، سب کو یکساں رب کا پیغام پہنچاؤں۔ مقدمات کے فیصلے کے سلسلہ میں برابری کروں۔۔۔ حق کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے اور پرائے کو نہ دیکھوں۔

حدیث میں عادل اور منصف حاکم کے بڑے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا کہ قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سائے میں جن سات خوش نصیبوں کو عزت واحترام کی جگہ عطا ہوگی ان میں ایک عادل حکمران ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ تین آدمیوں کی دعا کو اللہ رد نہیں کرتا۔۔۔ ایک روزہ دار جو افطاری کے وقت دعا مانگے۔۔۔ دوسرا مظلوم شخص۔۔۔ تیسرا عادل حکمران۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

إِنَّ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَقْرَبَهُمْ مَجْلِسًا إِمَامٌ عَادِلٌ

قیامت کے دن سب لوگوں میں سے اللہ کو پسندیدہ اور مقرب عادل حکمران ہوگا۔

ایک ارشادِ نبوی ﷺ اور سنیے:

إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ

انصاف کرنے والے لوگ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے۔

امام الانبیاء ﷺ نے کسی قبیلے کی فاطمہ نامی عورت کے چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔۔۔ اس قبیلے کے لوگ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سفارشی بنا کر لائے کہ ہمارے قبیلے کی عورت کے ہاتھ کٹنے کی صورت میں ہمارا قبیلہ بدنام ہو جائے گا لہٰذا اس سزا کو ختم کیا جائے۔

سیدنا اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش سن کر آپ شدید غصہ میں آگئے اور اللہ کی حدود کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔۔۔ تم سے پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئیں کہ ان کے بڑے اور دولتمند جرم کرتے تو انہیں سزا نہ دی جاتی اور کمزوروں اور ناداروں کو سزا دی جاتی۔

لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

یہ تو فلاں قبیلے کی فاطمہ ہے اگر میری لختِ جگر فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

اللہ رب العزت اس معنی میں بھی اَلْعَدْلُ اور اَلْعَادِلُ ہے کہ اس نے انسان کی تخلیق میں اس کے اعضاء اور جوڑوں کو کس طرح برابر اور اعتدال پر رکھا۔۔۔ چنانچہ سورت الانفطار میں ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (6) الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ (7) فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ (انفطار:6.7.8)

اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے رب سے بہکا دیا (کہ تو اس کے دروازے کو چھوڑ کر در در پر جھک رہا ہے اور غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دے رہا ہے اور مصائب میں انہیں پکار رہا ہے) جس رب نے تجھے پیدا کیا (نیست سے ہست کر دیا اور عدم سے وجود میں لایا) پھر تجھے ٹھیک ٹھاک کیا (یعنی تجھے ایک کامل انسان بنا دیا عقل وفہم کی دولت سے نوازا تجھے سننے اور دیکھنے والا بنایا) پھر تجھے درست اور برابر بنایا (تجھے معتدل قد و قامت عطا کی اور حسن

صورت سے نوازا یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو برابر بنایا اور ہر عضو کو اس کی مناسب جگہ پر رکھا، اگر تیرے اعضاء میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں خوبصورتی کے بجائے بدصورتی اور بے ڈھبہ پن ہوتا، اسی تخلیق کو دوسری جگہ پر احسن تقویم سے تعبیر فرمایا) جس صورت میں چاہا تجھے ڈھال دیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا عادل ہے جس کا ہر فعل عدل محض ہے یعنی اس کا ہر کام بے عیب اور اپنی خوبیوں کے اعتبار سے بہتر ہے۔

اللہ رب العزت سراپا عدل وانصاف ہے جس کے ہاں بے انصافی اور ظلم کا تصور اور شائبہ تک نہیں ہے، اس کی ذات اپنے افعال اور اپنے احکام میں ظلم سے کلی طور پر مبرا اور پاک ہے بلکہ اس کی طرف ظلم اور ناانصافی کی نسبت کرنا بھی کفر ہے۔۔۔وہ خود کہتا ہے:

وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (ق:29)

نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔

ایک حدیث بھی سن لیجیے! میرے محبوب پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمَاوَاتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ

اگر اللہ تمام آسمانوں اور زمین میں اپنے رہنے والوں کو عذاب دینا چاہے تو انہیں ضرور عذاب دے اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا (اس لیے کہ وہ خالق ہے اور یہ مخلوق اور خالق کو اپنی مخلوق پر ہر قسم کا اختیار حاصل ہے) اور اگر اللہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت مخلوق کے اعمال سے بہتر ہوگی۔

مگر ان تمام اختیارات اور قدرت کے باوجود اس کا عدل پر مبنی فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے صالح بندوں کو جو اس کے احکام پر کاربند ہیں جنت میں بھیجے گا بلکہ ان کی میزبانی کرے گا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ (انفطار:13)

یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش و آرام اور) نعمتوں میں ہوں گے۔

اور کفار و مشرکین کو اور اپنے نافرمانوں کو وہ جہنم کی آگ کے حوالے کرے گا۔

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (انفطار:14)

اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ عدل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے پروردگار کے درمیان عدل کرے یعنی اپنے نفس کی خواہشات اور تمناؤں کو اللہ کے احکام کے سامنے کچل ڈالے۔۔۔ اپنے نفس کی نہ مانے بلکہ رب کی مانے۔

اور عدل کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان عدل کرے۔۔۔ یعنی اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جس چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا اسے اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ ہر شخص کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ یا اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے۔

ایک موقع پر مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں ایک منافق کہنے لگا: اللہ کی قسم اس تقسیم میں عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

فَمَنْ یَّعْدِلُ اِذَا لَمْ یَعْدِلِ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ

اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کریں گے تو پھر عدل کون کرے گا؟

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی دعائیں فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْعَدْلُ فِیْ قَضَائِكَ

اے اللہ! آپ اپنے فیصلوں میں عدل کرنے والے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ

(الانعام:103)

اس کو کسی کی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی باریک بین اور باخبر ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبے میں اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَللَّطِیْفُ کی تشریح اور تفسیر بیان کرنے کا ارادہ ہے، اللہ رب العزت کے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی اور مفسر قرآن صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کا معنی حَفِیٌّ یعنی مہربان سے کیا ہے۔

حضرت عکرمہ نے اَللَّطِیْفُ معنی بَارٌّ یعنی محسن سے کیا ہے۔ یعنی اللہ رب العزت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اَللَّطِیْفُ ہے کہ اپنے بندوں کے ساتھ ایسی مہربانیاں اور ایسے ایسے احسان کرتا ہے جس کو بندے خود بھی نہیں جانتے۔

کچھ علماء نے کا اَللَّطِیْفُ معنی کیا ہے:

اَلَّذِیْ یُوْصِلُ اِلَیْکَ اَرَبَکَ فِیْ رِفْقٍ

جوذات تیری ہر حاجت اور ضرورت کو مہربانی اور نرمی سے پوری فرمادیتا ہے۔

بعض علماء نے اَللَّطِیْفُ کا معنی کیا ہے:

اَیْ کَثِیْرُ اللُّطْفِ بِهِمْ بَالِغُ الرَّاْفَةِ لَهُمْ

بندوں پر بہت زیادہ مہربانی کرنے والا اور حد سے زیادہ نرمی کرنے والا۔

کچھ علماء نے اَللَّطِیْفُ کا معنی کیا ہے:

اَلَّذِیْ یُرِیْدُ بِعِبَادِهِ الْخَیْرَ وَالْیُسْرَ

اَللَّطِیْفُ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے لیے بھلائی اور آسانی چاہتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت جس کی صفت اَللَّطِیْفُ ہے وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے یہاں تک کہ کافر و فاجر پر بھی دنیا کی رحمتوں کے دروازے کو بند نہیں کرتا جن بدنصیبوں نے اللہ کے تعالیٰ بھیجے ہوئے پیغمبروں کی صریح نافرمانی کی۔۔۔ انہیں کذاب اور مجنون کہا۔۔۔ ان کے راستے میں کانٹے بچھائے۔۔۔ ان پر پتھروں کی بارش کی۔۔۔ انہیں آگ میں جلانے اور قتل کردینے کی تدبیریں کیں۔۔۔ وقت کے پیغمبر کے مقابلے میں تلواریں سونت کر آ گئے۔۔۔ ایسا مہربان ہے کہ دنیوی نعمتیں ان پر بند نہیں کیں۔۔۔ انہیں مال واولاد، باغات اور محلات سے نوازا۔۔۔ انہیں روزی وافر حساب سے عطا فرمائی۔

انسان تو انسان رہے جنگلوں اور سمندروں میں رہنے اور بسنے والے جانوروں کو ان کے حصہ کا رزق پہنچا رہا ہے۔ ایک اللہ والے نے کتنی خوبصورت اور دلربا بات کی ہے کہ رزق کے معاملے میں اَللَّطِیْفُ مولا کی رحمت، فضل اور مہربانی بندوں پر دو طرح سے ہے۔

پہلی مہربانی پہلی یہ کہ ہر جاندار کو اس کے مناسب حال روزی اور غذا پہنچاتا ہے اور

اس کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔۔۔ بچہ ماں کے پیٹ میں ہے تین اندھیروں میں ہے۔۔۔ ماں کے پیٹ کا اندھیرا۔۔۔ رحم کا اندھیرا اور اس جھلی اور پردے کا اندھیرا جس میں لپیٹ کر اس کی تخلیق کا عمل مکمل ہو رہا ہے۔۔۔ وہاں بچے کو بھوک اور پیاس محسوس ہوئی وہ مانگنے کے قابل نہیں۔۔۔ ہاتھ اٹھا نہیں سکتا۔۔۔ مہربان مولا اس بچے کی رمزیں سمجھ کر مہربانی کرتے ہوئے ماں کا خون ناف کے ذریعہ اس کی خوراک بنا دیتا ہے۔

پیدا ہونے کے بعد ماں کی چھاتیوں میں دودھ کی دو نہریں بہا دیتا ہے اور ایسا مہربان ہے کہ ماں کے ابتدائی دنوں کے دودھ میں چکنائی نہیں بننے دیتا کیونکہ بچے کا معدہ کمزور ہے وہ بھی چکنائی کو برداشت نہیں کر سکتا۔

پھر اللہ رب العزت ایسا مہربان ہے کہ پیدا ہوتے ہی بچے کو دودھ چوسنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے۔۔۔ پھر دانت اگاتا ہے اور کھانے کی مزیدار چیزیں کھانے اور ذائقہ چکھنے کے لیے پیدا کرتا ہے۔

دوسری مہربانی دوسری مہربانی اور رحمت اَللَّطِیْفُ کی یہ ہے کہ وہ کسی کو عمر بھر کی روزی بیک وقت نہیں دیتا بلکہ ضرورت کے مطابق عطا کرتا رہتا ہے۔۔۔ ورنہ جانداروں کے لیے اس روزی کی حفاظت کرنا انتہائی دشوار بلکہ ناممکن ہوتا۔۔۔ روزی کا وہ سامان سڑتا گلتا رہتا اس سے بدبو اٹھتی اور کھانے کے قابل نہ رہتا۔ اسی حقیقت کو سورۃ الحجر میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ (الحجر:22)

رس بھری ہوائیں ہم ہی چلاتے ہیں (ایک معنی۔ ہے بوجھل کرنے والی ہوائیں) پھر ہم ہی آسمان سے پانی اتار کر پلاتے ہیں اور تم اس پانی کو ذخیرہ کر کے رکھنے والے نہیں ہو۔

یعنی برساتی ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھاتی ہیں پھر پیاسی زمین کی پیاس بجھائی جاتی ہے۔۔۔ ایک مناسب مقدار سے بارش برستی ہے جس کا پانی نہروں، کنوؤں، وادیوں، نالوں اور چشموں میں جمع ہو کر تمہارے کام آتا ہے۔۔۔ اگر اللہ چاہتا تو اسے پینے کے قابل نہ چھوڑتا۔۔۔ مگر اس اَللَّطِيْفُ (مہربان) نے کتنی رحمت اور مہربانی سے کیسا شیریں اور لطیف پانی بارہ مہینے تمہارے استعمال کے لیے زمین کے مسام میں جمع اور ذخیرہ کر دیا۔ ورنہ تم اس کو ذخیرہ کر کے رکھنے والے نہیں تھے۔ یعنی نہ اوپر بارش کے خزانوں تک تمہاری رسائی ہے کہ تم اپنی مرضی اور خواہش سے بارش کا پانی حاصل کر لو۔۔۔ اور نہ نیچے چشمے اور کنویں تمہارے قبضہ واختیار میں ہیں۔۔۔ اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی وہ خشک کر دے یا زیادہ نیچے اتار دے کہ تمہاری دسترس سے باہر ہو جائے تو تم اسے کس طرح حاصل کر سکتے ہو۔

اسی حقیقت کو ایک اور جگہ پر بیان فرمایا:

وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا (المرسلات:27)

اور ہم نے تمہیں پیاس بجھانے والا میٹھا پانی پلایا۔

یہی سمندروں میں کڑوا، کھاری اور تلخ تھا اسے بادلوں کی مشینوں سے گزار کر تمہارے پینے کے لیے لذیذ، شیریں، خوشگوار اور میٹھا بنا دیا۔

یہ تو پانی کی بات تھی۔۔۔ دن رات جو خوراک انسان کھاتا رہتا ہے جس میں اناج ہے، پھل ہیں، سبزیاں اور ترکاریاں ہیں، زیتون اور کھجور ہے، ایک لقمہ جو تیرے ہاتھ میں ہے اس کے میسر ہونے کے متعلق اللہ کی مہربانیاں کس قدر ہیں کبھی تو نے اس پر غور کیا کہ یہ لقمہ کن کن مراحل سے گزر کر آج تیرے ہاتھ میں پہنچا۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (عبس:24)

انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔

یہ کس طرح اس کے ہاتھ میں آیا ہے۔۔۔کسی نے زمین کو درست کیا۔۔۔کسی نے تخم ڈالا۔۔۔کسی نے اسے سینچا۔۔۔کسی نے ہل چلائے۔۔۔کسی نے پانی دیا۔۔۔کسی نے اسے کاٹا۔۔۔کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا۔۔۔کسی نے اس کو پیسا۔۔۔کسی نے گوندھا اور کسی نے اسے پکایا۔

اس کے علاوہ اس کی مہربانی اور رحمت دیکھ کہ جانور کے معدے میں چارہ پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ نے معدے میں ایک مشینری لگائی جس نے کام کرنا شروع کیا، کچھ چارے کو اصل غذا میں تبدیل کر دیا اور اسے جگر کی طرح دھکیل دیا اور کچھ چارے کا گوبر بنا دیا جو نیچے بیٹھ گیا۔

جگر میں بھی ایک مشینری لگائی جس نے اصل غذا پر کام کرنا شروع کیا۔۔۔کچھ کا خون بنایا جو دل کو سپلائی کر دیا گیا اور کچھ کا دودھ بنایا جو تھنوں کو سپلائی کر دیا گیا۔

اللہ رب العزت نے اپنی مہربانی سے گوبر اور خون کے درمیان سے لبناً خالصاً ہمیں عطا فرمایا۔ گوبر کا رنگ گدلا پھر وہ بدبودار۔۔۔خون کا رنگ سرخ پھر وہ پلید۔۔۔دو پلیدوں کے درمیان سے صاف اور شفاف اور مزیدار دودھ عطا فرمایا۔ اس کی مہربانی یہ ہے کہ شہد کی مکھی کی کس طرح تربیت کی اور اسے سمجھایا پھر اس کے پیٹ سے نکلنے والی غذا کو شفاء للناس قرار دیا۔

وہی اَللَّطِیْفُ ہے ہے جس نے ریشم کو کیڑے سے نکالا۔۔۔جو سخت پتھروں سے نفیس جواہر اور موتی نکالتا ہے اور سیپ سے موتی پیدا کرتا ہے اور نطفہ سے انسان کی تخلیق کرتا ہے۔ قرآن کریم نے کہا:

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ (الشوریٰ:19)

اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے جسے چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور وہ بڑی طاقت والا غالب ہے۔

اَللَّطِیْفُ کا دوسرا معنی لطیف کا ایک معنی مہربان کا ہے جس پر میں گفتگو کر چکا ہوں۔ اور اَللَّطِیْفُ کا ایک معنی ہے باریک بین۔۔۔ جس سے دنیا جہان کی اور زمین و آسمان کی۔۔۔ ماتحت الثریٰ اور ثریا کی کوئی شئی پوشیدہ نہ ہو۔۔۔ اگرچہ وہ چیز حقیر، معمولی، چھوٹی اور باریک ترین ہو، یعنی وہ ہر طرح کی باریکیوں کو جاننے والا ہو۔ قرآن کریم نے سورۃ لقمان میں ان نصیحتوں کو ذکر فرمایا ہے جو حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ سب سے پہلے عقیدہ کی اصلاح کی اور کہا:

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان:13)

بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا (کیونکہ) شرک بھاری بے انصافی ہے۔

پھر اس کے دل میں تقویٰ اور خشیت الٰہی پیدا کرنے کے لیے کہا:

يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ (لقمان:16)

اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو (یعنی ذرہ بمقدار ہو جس کا وزن بھی محسوس نہ ہوتا ہو) پھر وہ رائی کا دانہ کسی پتھر میں (چھپا ہوا) ہو یا آسمانوں (کی بلندیوں) میں ہو یا زمین کی (پستیوں) میں ہو اسے اللہ ضرور لا حاضر کرے گا (کیونکہ) اللہ باریک بین اور خبردار ہے۔

اس طرح کی بات حدیث میں بھی بیان ہوئی ہے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اگر تم میں سے کوئی شخص بے سوراخ پتھر کے اندر بھی کوئی عمل کرے گا جس کا کوئی دروازہ اور کھڑکی نہ ہو اللہ اسے بھی لوگوں پر ظاہر کردے گا چاہے وہ کیسا بھی عمل ہو۔

(مسند احمد:28/3)

سورۃ الملک میں ارشاد ہوا:

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الملک:14)

کیا خالق بھی اپنی مخلوق سے بے علم ہو سکتا ہے (یعنی سینوں اور دلوں اور ان میں پیدا ہونے والے وہم وخیالات سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو کیا وہ اپنی مخلوق سے بے علم اور بے خبر رہ سکتا ہے؟) پھر باریک بین اور باخبر بھی ہو۔ (لطیف کے معنی باریک بین کے ہیں اَلَّذِیْ لَطُفَ عِلْمُہٗ بِمَا فِی الْقُلُوْبِ۔۔۔ جس کا علم اتنا لطیف ہو کہ دلوں میں پرورش پانے والے خیالات کو بھی جانتا ہو)

اَللَّطِیۡفُ کا تیسرا معنی لطیف اس ہستی کو کہتے ہیں جو بندوں کے لیے اس طرح کی خفیہ اور باریک تدبیریں کرتا ہے جو بندے کے وہم وگمان اور ان کے فہم سے ماورا اور بالاتر ہوتی ہیں اور انسانی قدرت سے باہر ہوتی ہیں۔۔۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

جب وہ کسی شخص کو کچھ عطا کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اس کے ایسے اسباب مہیا فرما دیتا ہے کہ وہ چیز آسانی سے اس شخص کے پاس پہنچ جاتی ہے۔۔۔ اس چیز کا حصول اس شخص کے لیے کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو مگر جب اَللَّطِیۡفُ ارادہ کر لیتا ہے تو سارے موانع دور ہو جاتے ہیں اور سب مشکلات اور رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں اور آل واولاد کے ساتھ سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعوت پر مصر تشریف لائے تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان کا استقبال کیا اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا، وہ سب کے سب سیدنا یوسف علیہ السلام کے آگے جھک گئے تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا بابا! یہ میرے بچپن کے دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر ہے جسے رب نے آج سچ کر دکھایا ہے۔۔۔ اللہ رب العزت نے مجھ پر یہ احسان بھی فرمایا کہ بغیر کسی سفارش اور ظاہری وسائل کے جیل سے رہائی بخشی اور آپ حضرات کو صحراء سے یہاں شہر میں لے آیا۔

اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ (یوسف:100)

میرا رب جو چاہتا ہے اس کی باریک اور بہترین تدبیر کرنے والا ہے یقیناً وہی

بڑے علم والا اور حکمت والا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات اَللَّطِيْفُ کی خفیہ اور باریک اور بہترین تدبیروں کے نمونوں سے معمور ہیں۔ بھائیوں نے تدبیر کی اور کنویں میں پھینک کر ہلاک کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔۔۔ مگر رب نے ایسی باریک تدبیر کی کہ کنویں سے نکال کر مصر کے وزیر خزانہ کے محل میں پہنچا دیا، جس نے اپنی بیوی سے کہا:

اَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ۔۔۔ اسے بڑی عزت و تکریم کے ساتھ رکھو۔

زلیخا نے مکر وفریب سے اپنے جال میں پھنسانے کی مکروہ سازش کی مگر سیدنا یوسف علیہ السلام مَعَاذَ اللهِ کہہ کے بچ گئے۔۔۔ پھر زلیخا نے انتقاماً جیل میں ڈالنے کی تدبیر کی۔۔۔ اَللَّطِيْفُ نے اپنی بہترین تدبیر سے سیدنا یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکالا اور مصر کا وزیر خزانہ بنا دیا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں والد گرامی سے جدا کرنے کی چال چلی۔۔۔ مگر اَللَّطِيْفُ نے ایسی تدبیر کی کہ سارے خاندان کو ایک ساتھ اکٹھا کر دیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کیسے بچایا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے جواب میں تمام مخالفین نے متفقہ فیصلہ کرلیا کہ انہیں آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔۔۔ ایک مخصوص جگہ پر کئی دن آگ جلائی گئی پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے حوالے کر دیا گیا۔۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کا ورد کرتے ہوئے آگ میں کود گئے۔۔۔ اللہ رب العزت نے آگ کو حکم دیا کہ میرے ابراہیم کا ایک بال بھی بیکا نہیں ہونا چاہیے بلکہ تو میرے ابراہیم کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ (الانبیاء:70)

انہوں نے ابراہیم کے خلاف بری تدبیر کی مگر ہم نے انہیں کو نقصان میں ڈال

دیا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے بچایا مشرکین مکہ نے ایک رات دارالندوہ میں ایک میٹنگ بلائی جس میں متفقہ طور پر طے پایا کہ مختلف قبیلوں کے نوجوان یکبارگی حملہ کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کردیں، چنانچہ اس سازش پر عمل درآمد کے لیے یہ نوجوان آپ کے گھر کے باہر اس انتظار میں کھڑے رہے کہ جونہی آپ آئیں گے تو آپ کا کام تمام کر دیا جائے۔۔۔ اللہ رب العزت نے آپ کو اس سازش سے آگاہ فرمادیا اور آپ نے گھر سے باہر نکلتے وقت مٹی کی ایک مٹھی لی اور ان کی طرف پھینکتے ہوئے نکل گئے، ان میں سے کسی کو آپ کے نکلنے کا پتہ بھی نہ چلا۔ قرآن کریم نے اسے یوں بیان فرمایا:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال:30)

اس وقت کو یاد کیجیے جب کفار آپ کی نسبت تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو وطن سے نکال دیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور سب سے زیادہ بہتر تدبیر کرنے والا اللہ ہے۔

پھر آپ جب غار میں پہنچے تو مشرکین کا ایک جتھہ تعاقب کرتا ہوا غار کے دہانے پر پہنچ گیا کہ اپنے پاؤں کو دیکھیں تو آپ کو دیکھ لیں۔۔۔ اَللَّطِیْفُ نے خفیہ اور باریک تدبیر فرمائی اور مشرکین وہاں سے ناکام اور نامراد ہو کر پلٹے۔۔۔ اللہ نے فرمایا:

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (التوبہ:40)

اللہ نے کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بلند و بالا تو اللہ ہی کا کلمہ ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون نے تدبیر کی اور قتل کروانے کا فیصلہ کرلیا، اللہ رب العزت نے حسین تدبیر کر کے فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں ایک حدیث بھی سن لیجیے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں امام الانبیاء ﷺ گھر میں تشریف لائے تو فرمایا:

یَا عَائِشُ (کبھی کبھی محبت کی وجہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس طرح بلایا کرتے تھے) کیا ہوا آج تمہارا سانس پھولا ہوا ہے؟ میں نے کہا لَا شَيْءَ کچھ بھی نہیں، آپ نے فرمایا تم صحیح بات بتادو ورنہ لَيُخْبِرُنِي اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔۔۔ میرا باریک بین اور خبردار رب مجھے بتادے گا۔ (مسلم باب مایقال عند دخول القبور)

یاد رکھیے! لطیف وہ ہستی ہے جو تمام امور کی حکمتوں اور رازوں سے واقف اور باخبر ہو اور آنکھوں سے اس کا ادراک ممکن نہ ہو اور وہ جہت، جانب اور مکانیت سے پاک اور منزہ ہو جس کی نہ کوئی حد ہو اور نہ انتہاء اور جس کا ادراک عقل وفہم نہ کرسکے۔ قرآن کریم نے کہا:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

(الانعام:103)

نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ کرلیتا ہے اور بہت ہی باریک بین اور باخبر ہے۔

اللہ رب العزت کے اس اسم گرامی اَللَّطِيفُ کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنے والوں کو چاہیے کہ اَللَّطِيفُ کے بندوں کے ساتھ نرمی، مہربانی کا معاملہ کریں۔۔۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آئے گا۔۔۔ اَللَّطِيفُ بھی اس کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا معاملہ فرمائے گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اَلْحَلِيْمُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا أَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ

(البقرہ:263)

بھلی بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد (فقیر کو) ستانا ہو اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی اَلْحَلِيْمُ کی تفسیر و تشریح کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت مجھے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْحَلِيْمُ وہ ذات ہے جو دیکھتا ہے کہ بندے کفر کا ارتکاب کر رہے ہیں، اس کی مسلسل نافرمانیاں کر رہے ہیں بلکہ اس کی ذات تک کا انکار کر رہے ہیں۔ وَهُوَ يَحْلُمُ فَيُؤَخِّرُ وَيُنْظِرُ وَيُؤَجِّلُ وَلَا يُعَجِّلُ اس کے باوجود وہ حوصلے اور بردباری کا مظاہرہ کرتا ہے ان کے معاملے کو موخر کرتا ہے، ان کو مہلت دیتا ہے جلدی سزا اور عذاب نہیں دیتا پھر لطف یہ کہ دوسروں کی نظروں سے ان کے عیوب کو چھپاتا ہے اور لوگوں کو گناہوں کے ارتکاب کے

باوجود معاف کر دیتا ہے۔

کچھ علماء نے اَلْحَلِيْمُ کا مفہوم بیان کیا ہے:

هُوَ ذُو الصَّفْحِ وَالْاَنَاةِ الَّذِيْ لَا يَسْتَفِزُّهُ غَضَبٌ وَلَا يَسْتَخِفُّهُ جَهْلُ جَاهِلٍ وَلَا عِصْيَانُ عَاصٍ

اَلْحَلِيْمُ اسے کہتے ہیں جو ایسا معاف کرنے والا اور نرمی وشفقت کرنے والا ہے جس کی شفقت ونرمی پر غصہ غالب نہیں آتا اور جاہل لوگوں کی جاہلانہ باتیں اور گناہگاروں کی نافرمانیاں اس کی نرمی اور شفقت کو کم نہیں کرتیں۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْحَلِيْمُ کی تشریح یوں فرمائی ہے:

وَهُوَ الْحَلِيْمُ فَلَا يُعَاجِلُ عَبْدَهُ بِعُقُوْبَةٍ لِيَتُوْبَ مِنْ عِصْيَانٍ

وہ حلیم ہے کہ بندے کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا صرف اس لیے تاکہ بندے کو گناہوں سے توبہ کرنے کی مہلت مل جائے۔ (قصیدہ نونیہ: 2/227)

اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے قرآن میں بیان فرمایا ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (نحل:61)

اگر لوگوں کے گناہوں پر اللہ (فوراً) گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا مگر اللہ لوگوں کو ایک وقت مقررہ تک ڈھیل دیتا ہے پھر جب ان کا (وہ) وقت آجاتا ہے تو وہ ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی گستاخی اور ناانصافی پر دنیا میں فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع کردے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ دنیا کا بڑا حصہ ظالموں

اور بدکاروں کا حصہ ہے اور چھوٹے موٹے قصوروں اور خطاؤں سے تو کوئی خالی نہیں ہوگا جب خاطی و بدکار فوراً ہلاک کر دیئے گئے تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے زمین پر بھیجنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی جب نیک و بد انسان دونوں زمین پر نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بے فائدہ ہوگا نیز فرض کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ظلم وعدوان پر بارش بند کر دی تو کیا آدمیوں کے ساتھ جانور نہیں مریں گے، بہرحال اگر اللہ تعالیٰ بات بات پر دنیا میں پکڑے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے مگر وہ اپنے حلم وحکمت سے ایسا نہیں کرتا بلکہ مجرموں کو توبہ اور اصلاح کا موقع دیتا ہے اور مقررہ وقت تک انہیں ڈھیل دیتا ہے۔

اللہ رب العزت نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا

(فاطر:45)

اور اگر اللہ لوگوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے پکڑ اور دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا مگر اللہ لوگوں کو ایک مقررہ وعدے تک مہلت دیتا ہے پس جب ان کا وعدہ آپہنچے گا (انہیں پکڑ لے گا) کیونکہ اللہ کی نگاہ میں اس کے سب بندے۔

ان دونوں آیتوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کفار ومشرکین کو اور اپنے نافرمانوں کو جلدی نہ پکڑتا اور انہیں مال و دولت سے نوازتے رہنا اور دنیا کی نعمتیں ان پر نچھاور کرتے رہنا اور انہیں ڈھیل اور مہلت دیتے رکھنا یہ سب اس کی صفت حلم کا مظہر ہے۔ ورنہ جلدی گرفت نہ کرنے کی یہ وجہ ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے کرتوتوں سے اور بداعمالیوں سے العیاذ باللہ بے خبر اور ناواقف ہے۔۔۔ بلکہ وہ دلوں کے راز اور بھید اور وسوسوں سے

بھی باخبر ہے اور خیانت کرنے والی آنکھ کی حرکت سے بھی واقف ہے۔

اللہ رب العزت خود فرماتے ہیں:

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا (الاحزاب:51)

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے (کیونکہ) اللہ بڑے علم والا اور حلم والا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّھُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (58) لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَہٗ وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ (الحج:58.59)

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ مارے گئے یا (طبعی موت) مر گئے اللہ انہیں بہترین روزی عطا فرمائے گا یقیناً اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ انہیں اللہ ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ راضی ہو جائیں گے اور بیشک اللہ جاننے والا حوصلے والا ہے۔

اور جلدی گرفت نہ کرنے کی وجہ یہ بھی نہیں کہ وہ عاجز اور بے بس ہے اور پکڑنے پر قادر نہیں ہے بلکہ قدرت ہونے کے باوجود اور طاقت ہونے کے باوجود گناہوں سے درگذر کرتا ہے اور گناہگاروں کو مہلت دیتا ہے۔

اور جلدی گرفت نہ کرنے کی وجہ یہ بھی نہیں کہ اس کی کوئی حاجت یا کوئی کام بندوں سے اٹکا ہوا ہے ہرگز نہیں وہ تو مستغنی عن الناس ہے۔۔۔۔وہ خود ارشاد فرماتا ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَآ اَذًی وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ (البقرہ:263)

(فقیر کو) نرم اور اچھی بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے

بعد فقیر کو ستانا ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کی ایک دعا سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رنج و غم اور تکالیف میں گھرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (بخاری، کتاب الدعوات، مسلم کتاب الذکر)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بہت ہی عظمتوں والا بردبار ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب اور عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تمہیں کوئی ضرورت، حاجت اور مشکل پیش آئے تو دو رکعت (صلوۃ الحاجت) پڑھ کر ان کلمات کے ساتھ دعا مانگیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْاَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (ابوداؤد: 1/187)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جس حلیم بھی اور کریم بھی (نافرمانیوں پر جلدی گرفت نہیں کرتا بلکہ درگذر فرماتا ہے بلکہ اپنے کرم سے زیادہ عطا کرتا ہے) اللہ شریکوں سے پاک ہے جو عرش عظیم کا رب ہے اور تمام صفات واوصاف اللہ کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے (دعا میں یہاں تک صفات الٰہی کا تذکرہ ہوا اب آگے دعا کے الفاظ ہیں) مولا! میں تجھ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی رحمت ملنے کا سبب ہوں اور تیری طرف سے مضبوط مغفرت عطا کیے جانے کا سوال کرتا ہوں اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر بھلائی سے حصہ عطا کیجیے اور مجھے ہر گناہ سے بچا کر رکھیے میرے ہر گناہ کو معاف فرما دیجیے اور میری

ہر تکلیف اور غم کو دور کر دیجیے۔ میری ہر حاجت جس میں آپ کی خوشنودی شامل ہو اسے پورا فرما دیجیے۔

نبی اکرم ﷺ کی تلقین فرمودہ ان دونوں دعاؤں میں اللہ رب العزت کی صفت عظیم، کریم اور حلیم کو بطور وسیلہ پیش کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور ان اسمائے گرامی کے تذکرے میں کیا کیا انوارات اور کیا کیا رموز اور کیا کیا خواص پوشیدہ ہیں انہیں کما حقہ نبی اکرم ﷺ ہی جانتے ہوں گے ہم ان رموز اور انوارات کی تہہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

اللہ کیسا حلیم ہے؟ بادشاہوں کی تاریخ پڑھیں تو بندہ حیران ہو جاتا ہے کہ کئی بادشاہ اپنے درباریوں، وزیروں اور نوکروں چاکروں کو معمولی معمولی باتوں پر قتل کروا دیتے تھے۔۔۔ یا شدید ترین سزائیں دیا کرتے تھے۔۔۔ کسی کو زمین میں گاڑ کر کتے چھوڑ دیتے تھے۔۔۔ کسی کی چمڑی ادھیڑ دیتے تھے۔۔۔ آج ترقی کے اس دور میں بھی کیا کچھ نہیں ہوتا؟ مخالفین کو دی جانے والی اذیتوں کے بارے میں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مگر ہم بادشاہوں کے بادشاہ، قادر و قدیر اور مقتدر، الغالب، العزیز، ذوانتقام کی صفتوں کے مالک الحلیم کے حوصلے اور بردباری اور عفو و درگذر کو دیکھتے ہیں تو حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔۔۔ الحلیم کتنے عظیم حلم والا اور کتنے بلند ترین حوصلے والا ہے کہ قادر مطلق ہونے کے باوجود انتقام نہیں لیتا۔۔۔ حالانکہ اس کے آگے بول کوئی نہیں سکتا۔۔۔ اس کے سامنے لب کشائی کرنے کی جرأت کسی میں نہیں ہے مگر ہم دن رات بے شمار نافرمانیاں اور بے حساب حکم عدولیاں کرتے رہتے ہیں اور اپنے حلم و تحمل کی دولت سے ہمیں مزید نعمتوں سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔

آدم و حوا سے خطا حکم عدولی ہوئی تو سخت سزا نہیں دی ایسا حلیم ہے کہ صرف اتنا کہا کہ یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔۔۔ پھر آدم علیہ السلام نے جب توبہ کی تو انہیں معاف بھی فرما دیا اور خلافت کا تاج بھی ان کے سر پہ سجا دیا۔

ابلیس نے اللہ رب العزت کے حکمِ سجدہ کا انکار کیا۔۔۔اللہ تعالیٰ کے آگے دوبدو جواب دینے لگا پھر اس نے زندگی کی درازی کی دعا مانگی تو ایسا حلیم ہے کہ اس کی درخواست کو بھی شرف قبولیت عطا فرمادیا۔

اخلاقِ الٰہی اختیار کرو حدیث مبارکہ میں آتا کہ اخلاقِ الٰہی۔۔۔یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات اختیار کرو (یہ حکم ان صفات الٰہی کے بارے میں نہیں ہے جو صفات صرف اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں جیسے تکبر، جبر وغیرہ)

چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنی صفت حلم سے بعض انسانوں کو بھی بڑا حصہ عطا فرمایا ہے۔۔۔مخلوق میں سب سے اعلیٰ۔۔۔۔بلند وبالا۔۔۔۔بہتر و مہتر۔۔۔۔افضل واکمل۔۔۔اشرف واحسن ہستی یقیناً امام الانبیاء ﷺ کی ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے آپ کو بڑا حلیم بنایا ہے۔۔۔جن لوگوں نے مکہ میں ستایا۔۔۔ راہ میں کانٹے بچھائے۔۔۔پتھروں کی بارش کی۔۔۔لہولہان کر دیا۔۔۔وطن سے نکالا۔۔۔بیٹیوں کو نیزے مارے۔۔۔ہجرت کرنے کے بعد بھی چین سے نہ رہنے دیا۔۔۔مسلح لشکر لے کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے۔۔۔آپ کے چچا کے جسم کا مثلہ کر دیا۔۔۔ بدن کے بارہ ٹکڑے کر دیئے۔۔۔ گالیاں دیں۔۔۔فتوے لگائے۔۔۔ پھبتیاں کسیں۔۔۔ نام بگاڑا۔۔۔وہی لوگ فتح مکہ کے دن جب پوری طرح آپ کے قابو میں آئے۔۔۔آپ چاہتے تو ان کے بچوں کو غلام بنا لیتے۔۔۔عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتے۔۔۔ان کے مکانوں پر قبضہ کر لیتے۔۔۔جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔۔۔مگر ذرا آمنہ کے لال کا حوصلہ دیکھیے۔۔۔بردباری اور تحمل دیکھیے۔۔۔فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔۔۔آج تم پر کوئی الزام نہیں ہے تم سب آزاد ہو میں نے تم سب کو معاف کر دیا ہے۔

طائف میں طائف والوں نے ستانے اور مارنے کی حد کر دی تھی۔آپ کے بدن

سے بہنے والا خون آپ کے نعلین میں جم گیا۔۔آپ تین مرتبہ نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے۔۔آپ ﷺ کے ہم سفر سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو بہت ستایا ہے آپ ان کے لیے بددعا فرمائیں کہ اللہ انہیں ہلاک و برباد کر دے۔۔۔ایک روایت میں ہے کہ بادل سے فرشتے نے یہ آواز دی کہ آپ کا حکم ہو تو ان کی بستی کو الٹ دیا جائے۔۔۔آپ نے جواب میں دعائیہ کلمات کہے کہ مولا! ان کی ظاہری بستی نہ الٹنا ان کی دل والی بستی کو الٹ دے تاکہ یہ تیری الوہیت اور میری رسالت کو سمجھ لیں۔

قرآن کریم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ (التوبہ:114)

اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنا وہ صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انہوں نے باپ سے کیا تھا پھر جب ابراہیم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے واقعی ابراہیم بڑے نرم دل اور حلیم الطبع تھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایسے حلیم الطبع اور بردبار تھے کہ والد کی طرف سے ہونے والی سختیوں اور دھمکیوں کے باوجود حوصلے اور بردباری سے کام لیتے رہے یہاں تک کہ جذبۂ شفقت سے وعدہ کر لیا کہ میں تیرے لیے رب سے بخشش طلب کرتا رہوں گا۔۔۔اس وعدے کے مطابق وہ والد کے لیے برابر استغفار کرتے رہے۔۔۔استغفار کا مطلب یہ تھا کہ وہ کفر سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آجائے اور گمراہی سے نجات پا کر ہدایت اختیار کر لے۔ پھر جب باپ کفر اور شرک کی حالت ہی میں مر گیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس سے مکمل طور پر بیزار ہو گئے اور دعا استغفار وغیرہ ترک کر دیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایسے نرم دل اور حلیم الطبع تھے کہ قوم لوط کی غلیظ حرکتوں اور

قوم کی سیدنا لوط علیہ السلام سے شدید مخالفت و مخاصمت کے باوجود۔۔۔عذاب کا پیغام لے جانے والے فرشتوں سے جھگڑے کی حد تک بحث کرنے لگے کہ اتنی جلدی قومِ لوط کو کیوں تباہ کرتے ہو انہیں کچھ مہلت مزید ملنی چاہیے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی فطری شفقت، نرم خوئی اور رحم دلی سے اس قوم پر ترس کھا کر حق تعالیٰ سے سفارش کرنا چاہتے تھے جس کے جواب میں کہا گیا کہ اس خیال کو چھوڑیئے ان ظالموں کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اب اللہ تعالیٰ کا حکم واپس نہیں ہو سکتا عذاب آ کر رہے گا جو کسی سفارش یا دعا وغیرہ سے نہیں ٹل سکتا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ان صفات کا تذکرہ فرمایا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ (ھود:75)

یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے، نرم دل اور اللہ کی طرف جھکنے والے تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلیم الطبع

اصحابِ رسول میں امیر المومنین، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بڑے حلیم الطبع مشہور تھے۔امام الانبیاء ﷺ نے ایک مرتبہ ان کے لیے دعا فرمائی تھی:

اَللّٰهُمَّ امْلَأْهُ عِلْمًا وَحِلْمًا

اے اللہ! معاویہ کے سینے کو علم اور حلم سے بھر دے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی قبیلے کا سردار نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی غرض سے مدینہ آیا۔آپ نے مجھے حکم دیا کہ انہیں لے جاؤ اور فلاں صحابی کے گھر پہنچا دو، وہ ان کے میزبان ہوں گے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دور غربت کا دور تھا میرے پاؤں میں جوتے نہیں تھے۔راستے میں چلتے ہوئے راہ کی گرمی اور تپش کی وجہ سے میرے پاؤں

جلنے لگے، وہ سردار اونٹنی پر سوار تھا، میں نے اس سے کہا: دھوپ کی تپش اور گرمی کی شدت سے میرے پاؤں جلتے ہیں مجھے اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالو۔۔۔وہ سردار کہنے لگا تو اس لائق نہیں کہ سرداروں کے ساتھ بیٹھے۔۔۔میں نے کہا پھر پہننے کے لیے اپنے جوتے مجھے دے دیجیے۔۔۔اس نے کہا تو اس قابل نہیں کہ سرداروں کے جوتے پہنے۔۔۔۔ہاں تم میری اونٹنی کے سائے میں چل سکتے ہو۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ وقت آیا کہ میں امیر المومنین اور خلیفۂ وقت بنا، وہی سردار ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا، میں نے اسے عزت وتکریم سے اپنی مسند پر اپنے ساتھ بٹھایا اور یہ بھی بتایا کہ میں وہی جوان ہوں جس کے پاؤں میں جوتے نہیں تھے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے حلیم الطبع اور بردبار تھے۔ایک مرتبہ ایک حریف پہلوان کو چاروں شانے چت کردیا۔سرتن سے جدا کرنا چاہتے تھے کہ اس نے آپ کے روئے انور پر تھوک دیا تو سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے غصے سے مغلوب ہوکر بری طرح قتل کرتے، اس کے سینے پر سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے کہ اب اس حالت میں قتل کرنے میں نفس کی خواہش شامل ہوجائے گی۔

سیدنا حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما وضو فرما رہے تھے کہ لونڈی کے ہاتھ سے مٹی کا کوزہ آپ کے ہاتھوں پر آگرا۔۔۔ایک لمحہ کے لیے معمولی غصہ سے اس کی طرف دیکھا اور پھر معاف کرکے آزاد فرمادیا۔

حلم اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ صفت

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللَّهِ إِنَّهُمْ لَيَدْعُونَ لَهُ وَلَدًا وَإِنَّهُ لَيُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ (بخاری: 2/901)

اللہ سے بڑھ کر صبر کرنے والا (حلم والا) کوئی نہیں جو اپنے بندوں سے یہ باتیں

ستا ہے کہ وہ بندے اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں اس کے باوجود اللہ ان کو عافیت بھی عطا کرتا ہے اور روزی بھی دیتا ہے۔

قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد امام الانبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے تمام لوگ سواریوں سے کود کر بھاگتے دوڑتے آپ کی خدمت میں آگئے۔ مگر وفد کے قائد منذر انہوں نے جلد بازی نہیں کی۔۔۔ سواری سے اتر کر اپنے سامان کو یکجا اور محفوظ کیا۔۔۔ پھر نہائے۔۔۔ کپڑے تبدیل کیے۔۔۔ اس کے بعد بڑی متانت اور وقار کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس طریقہ اور رویہ کو پسند کیا اور فرمایا:

اِنَّ فِیْکَ لَخَصْلَتَیْنِ یُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْاَنَاۃُ (مسلم:1/35)

تم میں سے دو عادتیں اور خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں ایک بردباری اور دوسری جلد بازی نہ کرنا۔

سامعین گرامی قدر! انسان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کی غلطیوں کو معاف کردے اور لوگوں کی زیادتیوں سے درگزر اور انتقام لینے کے بجائے نیک سلوک کرے اور ہر معاملہ میں حوصلے اور بردباری کو حرز جان بنائے رکھے۔

ایک صحابی نے بار بار نصیحت کرنے کی درخواست کی اور امام الانبیاء ﷺ نے ہر بار فرمایا:

لَا تَغْضَبْ (بخاری:2/903)

غصہ نہ کیا کرو۔

ایک صحابی نے آپ سے پوچھا میں اپنے غلام کی غلطیاں کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے فرمایا ایک دن میں ستر بار۔

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْأَمِیْنِ وَعَلٰی آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِیْنَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ذٰلِکُمْ بِأَنَّهٗ إِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ کَفَرْتُمْ وَإِنْ یُّشْرَکْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُکْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ (المومن:12)

یہ عذاب تمہیں اس لیے ہے کہ جب اللہ اکیلے کا تذکرہ کیا جاتا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے شریک ٹھہرائے جاتے تو تم مان لیتے تھے پس اب حکومت بلند و بزرگ ہی کی ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبہ میں کوشش کروں گا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک حسین نام اَلْعَلِیُّ کی تشریح و تفسیر بیان کروں۔

اَلْعَلِیُّ عُلُوٌّ سے ماخوذ ہے جس کا معنی بلندی، برتری اور بزرگی کے ہیں۔۔۔ اس مادہ سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام اَلْأَعْلٰی بھی قرآن میں مستعمل ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وَالْعَلِیُّ ذُو الْعُلُوِّ وَالْاِرْتِفَاعِ عَلٰی خَلْقِهٖ بِقُدْرَتِهٖ

اَلْعَلِیُّ اس ہستی کو کہتے ہیں جو اپنی مخلوق پر اپنی قدرت کی وجہ سے بلند و بالا ہو۔

ہر ذی عقل شخص یہ حقیقت سمجھ سکتا ہے کہ علو یعنی بلندی کی کئی قسمیں ہیں۔

عُلوِ مکانی ایک دس منزلہ بلڈنگ کو ہم سطح ادنیٰ پر کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں اور سب سے پہلی منزل کی چھت جو پندرہ فٹ پر ہے ایسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے ہمارے فرش سے کمرے کی چھت بہت بلند ہے مگر جب پہلی منزل کی چھت پر چلے جاتے ہیں تو یہی چھت جو پہلے عالی تھی اب سافل نظر آتی ہے اور اس سے اوپر والی منزل کی چھت اس کے مقابلے میں عالی ہو جاتی ہے، یہی حال باقی منزلوں کا ہے۔۔۔ معلوم ہوا عُلو مکانی ایک اضافی چیز ہے۔۔۔ پہاڑ زمین سے بلند ہیں اور پہاڑوں کی چوٹی ان سے بلند ہے۔۔۔ درحقیقت بلند و بالا وہی اَلْعَلِیُّ ہو سکتا ہے جو مکان کی قید سے برتر و بالا ہے۔۔۔ باقی چیزوں کی بلندی اضافی اور غیر حقیقی ہے۔

عُلو رتبی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تھانیدار کانسٹیبلوں کے سامنے بلند معلوم ہوتا ہے مگر وہی تھانیدار جب ڈی۔ پی۔ او کے سامنے جاتا ہے تو حقیر ہو جاتا ہے اور جب ڈی۔ پی۔ او۔۔۔ ڈی۔ آئی۔ جی کے ہاں حاضر ہوتا ہے تو بڑا ہونے کے باوجود چھوٹا ہو جاتا ہے۔ اور وہی ڈی۔ آئی۔ جی۔۔۔ آئی۔ جی کے سامنے حقیر ہو جاتا ہے۔۔۔ اور یہی آئی۔ جی کسی وزیر کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو حقیر لگتا ہے اور وزیر، وزیر اعظم کے آگے چھوٹا لگنے لگتا ہے۔ ہر افسر اپنے سے اعلیٰ افسر کے سامنے ذلیل و حقیر معلوم ہوتا ہے۔۔۔ ثابت ہوا عُلو رتبی بھی بے حقیقت ہے۔۔۔ بس بلند و بالا وہی اَلْعَلِیُّ ہے جو رتبوں سے بالا و برتر ہے اور اس کے اوپر کوئی نہیں۔

عُلو زمانی کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جب تک کوئی افسر حاضر سروس ہو اور اس کے نیچے کرسی ہو تو لوگ جھک جھک کے اسے سلام کرتے ہیں اور اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔۔۔ اس کی دعوتیں کرتے اور تحفے تحائف پیش کرتے ہیں۔۔۔ مگر وہی افسر جونہی ریٹائرڈ ہوا اور افسری کا زمانہ ختم ہوا تو کوئی اسے پوچھتا تک نہیں۔۔۔ معلوم ہوا کہ عُلو زمانی بھی غیر حقیقی ہے

اور بلند و بالا اور برتر صرف وہی اَلْعَلِیُّ جو زمانے اور وقت کا پابند نہیں ہے۔

بندہ اپنی اولاد پر علو زمانی رکھتا ہے اسی لیے اولاد والدین کا احترام کرتی ہے۔۔۔ مگر یہی شخص اپنے والدین کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے۔۔۔ یہ علو زمانی ایک اضافی چیز ہے حقیقتاً وہی ہستی بلند و بالا ہے جو زمانے کی قیود سے آزاد ہے۔

علو وصفی ہم ایک شخص کو اس کے وصف، کمال اور ہنر کی وجہ سے بڑا سمجھتے ہیں مگر کسی حادثے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے وہ وصف اور کمال اس میں نہیں رہتا تو پھر لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔۔۔ معلوم ہوا علو وصفی بھی غیر حقیقی اور فانی ہے۔۔۔ درحقیقت بلند و بالا وہی جو علو ذاتی رکھتا ہے۔

یاد رکھیے! کسی کو بلندیٔ مرتبہ نصیب ہوتی ہے مگر وقتی ہوتی ہے، عارضی ہوتی ہے، نسبی، جاہی اور مالی ہوتی ہے یہ سب علو اور بلندیاں عارضی اور فانی اور زوال پذیر ہیں۔ دراصل بلندی، علو اور برتری اس ذات ہی کی ہے جس کا نام اَلْعَلِیُّ ہے جو حسب و نسب، جاہ و مال، عزت و اولاد، مکان و جائیداد سے بلند و بالا ہے۔۔۔ اس کا علو اور اس کی بلندی ذاتی ہے کسی وصف کی وجہ سے نہیں۔۔۔ اگر وہ خالق، رازق، مالک، مختار، محیی، ممیت، مدبر نہ بھی ہوتا تب بھی اَلْعَلِیُّ اور اَلْاَعْلٰی ہوتا کیونکہ علو اس کا ذاتی لازمہ ہے عارضی، وصفی، زمانی، مکانی یا وقتی نہیں ہے۔۔۔ وہ آل، اولاد، مال و جاہ اور کرسی کی وجہ سے بلندی نہیں ہے بلکہ وہ بذات خود اَلْعَلِیُّ ہے۔

بلند و بالا ہونے کے باوجود قریب اللہ رب العزت اَلْعَلِیُّ، اَلْعَالِیُّ اَلْمُتَعَالُ اور اَلْاَعْلٰی ہونے کے باوجود۔۔۔ بلند و بالا، برتر و اعلیٰ ہونے کے باوجود ہمارے انتہائی قریب بھی ہے۔ اس نے خود کہا ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید:4)

تم جہاں کہیں بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ ساتھ ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق:16)

ہم انسان کی رگ حیات سے بڑھ کر اس کے نزدیک ہیں۔

ایک صحابی نے سوال کیا یا رسول اللہ! اگر ہمارا پروردگار دور ہے تو اسے بلند آواز سے پکاروں اور اگر قریب ہے تو آہستہ آواز سے اسے یاد کروں۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ (البقرہ:186)

اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے پوچھیں (تو آپ کہہ دیں) میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی مجھے پکارے میں قبول کرتا ہوں۔

ایک نکتہ اس آیت کریمہ کو غور سے سنیں اور اس میں پوشیدہ نکتے کو سمجھیں۔۔۔

کہ قرآن کریم میں جہاں بھی یَسْئَلُوْنَكَ کے ساتھ کسی سوال کا ذکر ہوا تو اس کا جواب قُلْ (میرے پیغمبر جواب دے) کے لفظ کے ساتھ دیا گیا۔۔۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ۔۔۔ آپ سے مالِ غنیمت کا حکم پوچھتے ہیں۔۔۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔۔۔ آپ کہیں یہ غنیمتیں اللہ اور رسول کے لیے ہیں۔۔۔ اسی طرح یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ۔۔۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی۔۔۔ یَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ۔۔۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ۔۔۔ ان تمام سوالوں کے جواب قُلْ کے ساتھ دیے گئے۔

مگر وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ۔۔۔ اس سوال کے جواب میں قُلْ نہیں کہا گیا کہ یہ میرا اور میرے بندے کا تعلق ہے اس میں جواب کے لیے بھی کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔

احکام اور مسائل میں میرے محبوب نبی محترم ﷺ ہی میرے احکام بتانے اور

مخلوق تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں اور دعاو پکار میں میرے اور میرے بندے کے درمیان کسی واسطہ اور ذریعہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اَلْعَلِیُّ کا ایک اور معنی صاحب بحر محیط نے اَلْعَلِیُّ کا معنی کیا ہے۔

اَلْعَلِیُّ الرَّفِیْعُ فَوْقَ خَلْقِہٖ اَلْمُتَعَالِیْ عَنِ الْاَشْبَاہِ وَالْاَنْدَادِ

اَلْعَلِیُّ وہ ہستی ہے جو مخلوق سے برتر ہے اور اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک اور ساجھی ہو۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْعَلِیُّ کا معنی یوں کیا ہے:

اَلْمُتَعَالُ عَنِ الْاَنْدَادِ وَالْاَمْثَالِ وَالْاَضْدَادِ

اَلْعَلِیُّ وہ ذات ہے جو شریکوں، مثیلوں اور ہم سروں سے پاک اور بلند وبالا ہے۔

سورت یونس میں اللہ رب العزت نے مشرکین مکہ کے شرکیہ عقیدے اور نظریے کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ جن جن کی پوجا پاٹ کرتے ہیں ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں، ان کے آگے سجدہ ریزیاں کرتے ہیں اور مصائب میں ان کو پکارتے ہیں۔۔۔ان کے متعلق مشرکین کا نظریہ اور عقیدہ یہ ہوتا ہے:

هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔۔۔۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔۔۔۔یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی بات کو رد نہیں کرتا۔۔۔آیت کے آخر میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (یونس:18)

اللہ پاک اور برتر ہے ان کے شریک بتانے سے۔

اسی حقیقت کو سورت الاعلیٰ کی ابتداء میں بیان کیا گیا۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى

اپنے بہت ہی بلند و بالا رب کے نام کی پاکی بول۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی کے جواب میں پڑھا کرتے تھے: سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (ابوداؤد، باب الدعا فی الصلوۃ)

اَلْعَلِیُّ کا ایک اور معنی بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اَلْعَلِیُّ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العزت برتر و بالا اور بلند شان ہے اس بات سے کہ کوئی تعریف و ثنا کرنے والا اس کی تعریف و ثنا کا حق ادا کر سکے۔۔۔ کیونکہ تعریف کرنے والا اپنے علم اور طاقت کے مطابق تعریف کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات تک کسی کا علم پہنچے یہ ناممکن ہے۔

امام الانبیاء ﷺ جن کا نام ہی احمد ہے یعنی سب سے بڑھ کر اللہ رب العزت کی حمد و ثنا اور مدح و تعریف کرنے والا۔۔۔ پھر آپ ﷺ نے سب سے بڑھ کر اللہ کی حمد و ثنا فرمائی۔۔۔ نماز میں کھڑے کھڑے پاؤں مبارک پر ورم آ گیا، طویل رکوع اور طویل ترین سجدوں میں راتیں بسر کیں۔۔۔ مگر اس کے باوجود کہتے ہیں:

لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ

جس طرح تیری حمد و ثنا کرنے کا حق ہے وہ مجھ سے ممکن ہی نہیں تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے اپنا وصف بیان فرمایا ہے۔

اَلْعَلِیُّ کا ایک اور معنی کا ایک معنی غالب کا بھی ہے۔ عُلو غلبہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ عرب کے لوگ کہتے ہیں۔۔۔ عَلَا النَّهَارُ۔۔۔ دن چڑھ آیا ہے۔۔۔ عَلَا الدَّابَّةَ۔۔۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔۔۔ عَلَا فِی الْاَرْضِ۔۔۔ زمین میں مغرور بن گیا۔۔۔ عَلَا فِی الْمَكَارِمِ۔۔۔ عادات و اخلاق میں برتر ہو گیا وغیرہ۔۔۔۔۔ اللہ اس معنی میں بھی اَلْعَلِیُّ ہے کہ وہ سب پر غالب و توانا ہے۔

سامعین گرامی قدر! اَلْعَلِیُّ وہ ہے جس کا نام بلند ہے، جس کا حکم بلند ہے، جس کی

شان بلند ہے اور جس کا فرمان بلند ہے۔ ہجرت مدینہ کے سفر میں اس نے کس تدبیر سے اپنے پیغمبر ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ مشرکین غار کے دہانے پر پہنچ گئے تھے۔۔۔اس نے فرشتے اتار کر غار کے منہ پر ان کی قطاریں بنا دیں اور اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو کفار کی نظروں سے بچا لیا۔۔۔کفار کی تدبیر تھی محمد عربی ﷺ کو قتل کر دیں گے۔۔۔ان کی تدبیر ناکام ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی قائم و دائم ہوا۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (التوبہ:40)

اللہ نے کفار کی بات کو پست کر دیا اور بلند و بالا تو اللہ کا فرمان ہی ہے۔

اَلْعَلِیُّ وہ ہے جو اپنے پیارے، مقرب، خاص اور برگزیدہ بندوں کے لیے تعریف دنیا والوں کی زبانوں پر جاری و ساری رکھتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق ارشاد ہوا:

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (مریم:50)

اور ہم نے ان سب کا نام نیک اور بلند کر دیا۔

لسان صدق سے مراد ثنائے حسن اور ذکر جمیل ہے۔ چنانچہ آج تک تمام ادیان سماویہ انہیں اپنا پیشوا مانتے ہیں اور اپنے آپ کو ابراہیمی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور خاص کر کے مسلمان ہر نماز میں درود پڑھتے ہوئے كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ بھی پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا فرد سمجھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

یاد رکھیے! اَلْعَلِیُّ کی مانند اللہ رب العزت کا ایک نام اَلْاَعْلٰی بھی قرآن میں مستعمل ہے۔ یعنی بہت بلند۔۔۔سب سے بلند۔ قرآن کریم نے کہا:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (اعلیٰ:1)

اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (الیل:20)

(یعنی جو کچھ خرچ کرتا ہے) اپنے بلند و بالا رب کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔

جس طرح اس کی ذات اعلیٰ ہے اسی طرح اس کی صفات بھی اعلیٰ ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (النحل:60)

اور اللہ ہی کے لیے بلند و بالا صفت ہے۔

یعنی اس کی ہر صفت مخلوق کے مقابلے میں اعلیٰ، برتر اور بلند و بالا ہے مثلاً اس کا علم وسیع ہے۔ قدرت لامتناہی ہے، اس کی سخاوت وعطا بے مثل ہے، اس کی رزاقیت بے نظیر ہے۔

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (الروم:27)

اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے۔

حدیث نبوی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العزت جب کوئی حکم دیتا ہے تو فرشتے ہیبت اور عاجزی سے اپنے پنکھ مارنے لگتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان سن کر جس میں ایسی آواز ہوتی ہے جیسے لوہے کی زنجیر چکنے پتھر پر مارو، یہ آواز ان کے دلوں تک پہنچتی ہے (فرشتے ہیبت وخوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے) جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے اور ہوش میں آتے ہیں تو وہ مقرب فرشتوں سے پوچھتے ہیں:

مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۔۔۔۔۔ بتلاؤ تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟

قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (سبا:23)

مقرب فرشتے جواب میں کہتے ہیں حق ارشاد فرمایا اور بلند و بالا اور بہت بڑا ہے۔

(بخاری، کتاب التوحید)

سیدنا عبدالرحمن بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے معراج کی رات آسمانوں میں جو تسبیحات سنیں وہ یہ تھیں:

سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْأَعْلٰى سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى

(شریکوں، نقائص اور عیوب سے) کہ پاک ہے وہ ذات جو بلند، سب سے برتر، پاک اور عالی شان ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی دعا اس تسبیح سے شروع فرماتے:

سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْأَعْلٰى الْوَهَّابِ (مستدرک حاکم:1/682)

میرا رب پاک ہے بلند اور سب سے برتر اور سب سے بڑھ کر دینے والا۔

اللہ رب العزت کا اسم گرامی اَلْعَلِيُّ قرآن کریم میں آٹھ مقامات پر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مختلف ناموں کے ساتھ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام اَلْحَكِيْمُ کے ساتھ بھی اسے ذکر کیا گیا ہے۔

إِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (الشوریٰ:51)

بیشک وہ برتر حکمت والا ہے۔

سورت زخرف میں ارشاد ہوا:

لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ (زخرف:4)

یقیناً وہ بالاتر حکمت والا ہے۔

کبھی اسے اللہ رب العزت کے نام اَلْكَبِيْرُ کے ساتھ لایا گیا ہے:

لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (المومن:12)

(آج) حکم اللہ ہی کے لیے جو برتر اور بڑا ہے۔

سورت لقمان میں اللہ رب العزت نے اپنی صفات اور تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور اس کے بعد ارشاد ہوا:

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (لقمان:30)

یہ سب کاریگری اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں سب باطل ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلندیوں والا بزرگ و برتر ہے۔

اسی حقیقت کو سورت الحج میں بیان فرمایا اور آخر میں فرمایا:

وَأَنَّ اللهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (الحج:62)

اور بیشک اللہ ہی بلندی والا اور کبریائی والا ہے۔

کبھی اسے اللہ رب العزت کے اسم گرامی اَلْعَظِیْمُ کے ساتھ لایا گیا:

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (البقرہ:255)

اور وہ بلند و بالا عظمت والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! اللہ رب العزت اَلْعَلِیُّ اور اَلْاَعْلٰی ہے۔۔۔اور اس تک رسائی حاصل کرنے کا ایک طریقہ سورت الاعلیٰ میں بیان ہوا:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۔۔۔اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھ اور اسے ذات اور صفات کے اعتبار سے وحدہ لاشریک سمجھ۔

اور اس طرح رسائی کا دوسرا طریقہ سورت اللیل میں بیان ہوا:

اور اس آگ سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو متقی ترین ہوگا جو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہوگا اور کسی کا اس پر احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو بلکہ صرف اپنے پروردگار بزرگ و برتر کی رضا مطلوب ہوتی ہے یقیناً اللہ تعالیٰ بھی عنقریب راضی ہو جائے گا (یا اللہ کی عطا شدہ نعمتیں دیکھ کر وہ بندہ عنقریب خوش ہو جائے گا)

گویا کہ اَلْعَلِیُّ اور اَلْاَعْلٰی تک پہنچنے کا طریقہ تقویٰ و پرہیزگاری کو حرز جان بنانا ہے اور اپنا پاکیزہ مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اَلشَّكُوْرُ، اَلشَّاكِرُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (فاطر:34)

اور (جنتی) کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا یقیناً ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا قدردان ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ کے سامنے اللہ رب العزت کے مبارک اور مقدس نام اَلشَّكُوْرُ کی تفسیر وتشریح بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

امام شرف الدین حسین بن محمد رحمۃ اللہ علیہ مشکوۃ کی شرح میں اَلشَّكُوْرُ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اَلَّذِيْ يُعْطِي الثَّوَابَ الْجَزِيْلَ عَلَى الْعَمَلِ الْقَلِيْلِ (شرح طیبی: 5/37)

اَلشَّكُوْرُ وہ ذات ہے جو بندے کے تھوڑے اور معمولی عمل پر بہت زیادہ اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔

اَلشَّكُوْرُ اس قدردان کو کہتے ہیں جو لوگوں کے اعمال کی قدر ان کے استحقاق

سے بڑھ کر کرتا ہے۔ الشَّکُوْرُ اس ہستی کو کہتے ہیں جو چھوٹے سے چھوٹے اور معمولی سے معمولی عمل کو بھی شرف قبولیت سے نوازتا ہے اور حقیر عمل پر بھی زیادہ اجر دینے والا ہے۔

یاد رکھیے! چھوٹی اور معمولی نیکی کو بھی کم تر سمجھ کر ترک نہ کیا جائے۔۔۔ کیا معلوم الشَّکُوْرُ (قدر دان، قبول کرنے والا، حق ماننے والا، نہایت قدر کرنے والا اور تھوڑے پر بہت دینے والا) اس معمولی سی نیکی کی قدر کرتے ہوئے اسے درجۂ قبولیت بخشے اور نیکی کرنے والے کی مغفرت کر دے اور اس کا دامن اپنی رحمت سے بھر دے۔

امام الانبیاء ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

نیکی کے کسی کام کو حقیر اور معمولی نہ سمجھ اگرچہ اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔ (مسلم: 2/329)

بنی اسرائیل کی ایک عورت کا واقعہ نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا کہ وہ فاحشہ تھی، اس نے دیکھا کہ کتا سخت پیاسا ہے اور پیاس سے زبان لٹکائے بیٹھا ہے۔۔۔ وہ اسے دیکھ کر بے چین ہو گئی، اس نے دیکھا کہ کنوئیں میں نہ ڈول ہے اور نہ رسی۔۔۔ پانی نکالے تو کیسے؟ پھر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، اپنے جوتے کو ڈول بنا کر دوپٹے کی رسی بنائی اور جوتے میں پانی نکال کر کتے پلایا۔۔۔ اتنی سی بات پر الشَّکُوْرُ کی ذات نے اس کی مغفرت فرما دی۔ (مسلم: 2/237)

امام الانبیاء ﷺ نے ایک اور واقعہ اسی سے ملتا جلتا بیان فرمایا:

ایک شخص سفر میں جا رہا تھا اسے شدید پیاس لگی، ایک کنواں نظر آیا تو کنوئیں میں اتر کر پانی پیا اور پیاس بجھائی، کنوئیں سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے بے حال ہو رہا ہے، اسے خیال آیا کہ جس طرح یہ کتا پیاس سے ہانپ رہا ہے میں بھی کچھ دیر پہلے اسی طرح پیاس سے مدہوش تھا۔۔۔ اس نے اپنی جوتی اتاری اس میں پانی بھرا اور جوتی کو منہ سے پکڑ کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا، الشَّکُوْرُ نے اس عمل پر خوش ہو کر اس کی بخشش فرما

دی۔(بخاری:1/318)

یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریے اور غور فرمائیے کہ کتا ایک نجس اور ناپاک جانور ہے جس گھر میں شوقیہ کتا رکھا جائے رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔۔۔ طبعاً انسان کتے سے نفرت کرتا ہے پھر خاص کر گلیوں اور جنگلوں میں پھرنے والا آوارہ کتا۔۔۔۔ مگر مخلوقِ الٰہی کی تکلیف کو دور کرنا اور ان کی بے چینی کو ہٹا دینا الْغَفُوْرُ کے ہاں ایسا عمل ہے جس کی بنا پر وہ فاحشہ عورت تک کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت اسی کو بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ

(الشوریٰ:23)

اور جو شخص کوئی نیکی کمائے گا ہم اس کے لیے بڑھا دیں گے اس میں خوبی (کیونکہ) بیشک اللہ معاف کرنے والا بہت قدردان ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی انسان بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی کو بڑھاتا ہے آخرت میں تو اجر و ثواب کے اعتبار سے اور دنیا میں نیک خوئی عطا کر کے اور ایسے آدمی کی لغزشوں کو بھی معاف فرماتا ہے۔

اللہ رب العزت نے دوسرے مقام پر اسے یوں بیان فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ (29) لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (فاطر:30-29)

بیشک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں اور ایسی تجارت کے

امیدوار ہیں جس میں کبھی نقصان نہیں ہوگا (وہ یہ سب اعمال اس لیے کرتے ہیں) تاکہ اللہ ان کو ان کا اجر (ثواب) پورا دے اور ان کو اپنے فضل سے زیادہ دے (کیونکہ) یقیناً وہ بخشنے والا قدر دان ہے۔

مسلمانوں کو جب جنت میں داخل فرما دیا جائے گا وہاں ہمیشگی کے باغ ہوں گے ہاتھوں میں پہننے کے لیے سونے کے کنگن ہوں گے، گلے میں لؤلؤ و مرجان کے ہار ہوں گے، ریشم کے لباس ہوں گے۔۔۔ یہ سب نعمتیں پا کر جنتی بول اٹھیں گے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ
(فاطر:34)

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا یقیناً ہمارا رب بڑا بخشنے والا قدردان ہے۔

کچھ علماء نے الشَّکُوْر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

اَصْلُ الشُّكْرِ فِي اللُّغَةِ هُوَ الزِّيَادُ وَالظُّهُوْرُ
شکر کے لغوی معنی زیادتی اور ظہور پذیر ہونے کے ہیں۔

یعنی الشَّکُوْر وہ ہے جو تھوڑے عمل پر زیادہ اجر دے اور بندے کو مانگنے پر مانگے سے زیادہ عطا کرے۔ سیدنا ایوب علیہ السلام نے اٹھارہ سال بیمار رہنے کے بعد رَبِّ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ کے ساتھ شفا اور صحتیابی کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مانگے سے زیادہ عطا فرمایا۔

فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ (الانبیاء:84)

ہم نے ان کا دکھ اور تکلیف بھی دور کر دی اور انہیں گھر والے بھی عطا کیے اور اتنے ہی ان کے ساتھ اپنی طرف سے رحمت کرتے ہوئے اور بندگی کرنے والوں کے لیے

نصیحت۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی کے آخری حج سے واپس آتے ہوئے دعا مانگ رہے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ شَھَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَوَفَاةً فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ

مولا! مجھے شہادت کی موت عطا فرما اور عطا بھی مدینہ کے اندر فرما۔

مانگے سے زیادہ دینے والے قدردان اَلشَّکُوْرُ نے کہا۔۔۔۔۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم نے اپنے ظرف کے مطابق مانگا ہے اور ہم اپنی رحمت کے حساب سے عطا کرتے ہیں۔۔۔ تم نے دو چیزوں کا سوال کیا ہے ایک شہادت کی موت کا اور دوسری مدینہ کے اندر مرنے کا۔۔۔ ہم تجھے شہادت کی موت بھی دیں گے، مدینہ کے اندر دیں گے اور تیرا مدفن محمد عربی ﷺ کے مدفن کے ساتھ بنا دیں گے جس جگہ کو ہم نے روضۃ من ریاض الجنۃ بنایا ہے۔

شکر کا ایک اور معنی قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے معارف الاسماء میں لکھا ہے:

شکر کا ایک معنی ہے مدح وثنا اور تعریف کرنا۔۔۔ اللہ رب العزت اس معنی میں بھی اَلشَّکُوْرُ ہے کہ اس نے خود اپنی ذات کی مدح سرائی اور ثنا خوانی کی ہے۔

قرآن کریم میں انتہائی بلاغت سے اور بڑی فصاحت سے اپنی صفات عالیہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورت الفاتحہ قرآن کریم کی ابتدائی سورت میں اس نے اپنی صفات، کمالات اور اوصاف کا کتنی خوبصورتی کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے۔

رب العالمین میں ہوں۔۔۔ الرحمن الرحیم میری صفت۔۔۔ مالک یوم الدین میری شان ہے۔۔۔ معبود اور مستعان صرف میں ہوں۔

قرآن کریم کے بعض مقامات پر مختصر الفاظ میں اپنی کثیر صفات کا یوں تذکرہ فرمایا

کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ سورت حم مومن کی آیت نمبر 64 اور 65 میں کتنی خوبصورتی کے ساتھ اپنی صفات (زمین کو فرش بنایا۔۔۔ آسمان کو چھت بنایا۔۔۔ تمہاری اچھی اچھی صورتیں بنائیں۔۔۔ تمہیں روزی عطا کی۔۔۔ تمہارا پالنہار ہوں۔۔۔ برکات دہندہ ہوں۔۔۔ رب العالمین ہوں۔۔۔ المحیی میری صفت ہے۔۔۔ معبودِ حقیقی ہوں۔۔۔ پکارے جانے کے لائق ہوں) کو بیان فرمایا۔

سورت الفاطر کی آیت نمبر 9 سے لے کر آیت نمبر 13 تک اپنی صفات واوصاف کا تذکرہ کتنے حسین انداز میں فرمایا۔ ہواؤں کو چلانے والا میں ہوں۔۔۔ بادلوں کو ہانک کر زمین کی پیاس بجھانے والا میں ہوں۔۔۔ مردہ اور بنجر زمین کو پانی کے ذریعہ زندہ کرنے والا میں ہوں۔۔۔ قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرنے والا میں ہوں۔۔۔ عزت دینے والا میں ہوں۔۔۔ اعمال میری جانب ہی پہنچتے ہیں۔۔۔۔ مٹی سے بابا آدم کو اور حقیر نطفہ سے انسان کو تخلیق کرنے والا میں ہوں۔۔۔ تمہارے جوڑے (بیویاں) بنانے والا میں ہوں۔۔۔ مادہ کے پیٹ میں ٹھہرنے والی امانت کو جاننے والا میں ہوں۔۔۔ دو دریاؤں کو ملا کر چلانے والا میں ہوں۔۔۔ ایک کا پانی میٹھا، پیاس بجھانے والا، خوشگوار۔۔۔ دوسرے کا پانی کھاری، کڑوا اور تلخ۔۔۔ دونوں میں مچھلیاں پالنے والا میں ہوں۔۔۔ سمندروں میں کشتیاں میرے حکم سے چلتی ہیں۔۔۔ رات اور دن کو بڑھانے اور گھٹانے والا میں ہوں۔۔۔ سورج اور چاند کو مسخر کرنے والا میں ہوں۔۔۔ تم سب کا مالک میں ہوں۔

میں آپ حضرات کے سامنے کتنی آیات پیش کروں۔۔۔ قرآن کریم بھرا بڑا ہے۔۔۔ اللہ نے ہر سورت میں اپنی تخلیق اور کاریگری کا تذکرہ فرمایا ہے۔۔۔ اپنے خالق ورازق اور مالک ومختار ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔۔۔ اپنی طاقت، قوت اور قدرت کا تذکرہ فرمایا ہے۔۔۔ اپنے سمیع وعلیم، خبیر وبصیر ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس معنی میں بھی اَلشَّکُوْرُ ہے ہے وہ خود اپنی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس معنی میں بھی اَلشَّکُوْرُ ہے کہ نعمتوں کے شکر کرنے پر مزید نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو انعامات الٰہیہ یاد دلائے اور یہ بتایا کہ تمہارے رب نے حکم دیا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم:7)

اگر تم شکر کرو گے تو یقینا میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقینا میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (النساء:147)

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور باایمان رہو اللہ بہت قدر دان اور مکمل علم رکھنے والا ہے۔

اللہ رب العزت اس معنی میں بھی اَلشَّکُوْرُ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شکر کرنے کی توفیق دیتا ہے اور شاکرین کے شکر کو درجۂ قبولیت عطا کرتا ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اللہ کی معبودیت اور الوہیت کو بیان فرمایا اور اس راستے میں ہر قسم کے دکھ اور مصائب اٹھائے، وہ اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرتے اور اس کی نعمتوں کا بھرپور انداز میں شکر کرتے، وہ ہر نعمت کے استعمال پر الحمد للہ کہتے۔۔۔

اسی بنا پر اللہ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (بنی اسرائیل:3)

بیشک وہ نوح بہت شکر گزار بندے تھے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرہ:152)
تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میری شکر گزاری کرو اور میری ناشکری سے بچو۔

سامعین گرامی قدر! شکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔۔۔ بندے کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔۔۔ زبان سے شکر ادا کرے کہ ہر نعمت کو استعمال کرتے ہوئے الحمدللہ کہے۔۔۔ صبح بیدار ہوا طبیعت مکمل طور پر درست ہے تو الحمدللہ کہے۔۔۔ اہل وعیال پر نظر پڑی سب صحیح ہیں اس پر الحمدللہ کہے۔۔۔ صبح ناشتہ میں کھانے کے لیے معقول غذا مل گئی تو الحمدللہ۔۔۔ ٹھنڈا پانی پینے کو نصیب ہوا تو بول اٹھے الحمدللہ۔۔۔ بیماری کے بعد صحت عطا ہوئی تو الحمدللہ۔۔۔ اچھا لباس پہنا تو بے اختیار زبان سے نکلے الحمدللہ۔۔۔ تجارت میں نفع ہوا تو الحمدللہ۔۔۔ زبان کے علاوہ مال ودولت کے ذریعہ اللہ کا شکر یہ ہے کہ اسے اللہ کی راہ میں نیک کاموں میں خرچ کرے۔۔۔ غریبوں، محتاجوں، مساکین اور فقراء کی ضروریات کا خیال رکھے۔

اعضاء بدنی کے ذریعہ اللہ کا شکر یہ ہے کہ انہیں اطاعت الٰہی ہی میں مشغول اور مصروف رکھے، عبادات سرانجام دے اور اعضاء کو گناہوں کے کاموں سے بچا کر رکھے۔

سب سے بڑا شکر اللہ رب العزت کا سب سے بڑا شکر اس کی معبودیت والوہیت کو ماننا اور خالص اسی کی عبادت وپکار کرنا ہے۔۔۔ یعنی سب سے بڑا شکر یہ ہے کہ بندہ اللہ کی توحید کو مانے۔۔۔ اپنے اوپر ہونے والی نعمت کو اللہ ہی سے منسوب کرے۔۔۔ ہر انعام کو عطاء الٰہی سمجھے۔۔۔ اپنے پاس موجود ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی کو مانیں۔۔۔ اور ہمیشہ یہی کہے کہ مجھے جو کچھ دے رکھا ہے سب میرے اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔۔۔ مجھے جو کچھ دیا ہے میرے اللہ ہی نے دیا ہے۔۔۔ میرا داتا اللہ ہے۔۔۔ مجھے دینے والا اللہ ہے۔۔۔ سب سے بڑا شکر یہ ہے کہ اپنے مال میں سے بطور نذر و نیاز حصہ صرف اسی کے نام کا

نکالے۔۔۔ مصائب وحاجات میں صرف اسی کو پکارے۔۔۔ اپنا سر صرف اس کے آگے جھکائے۔۔۔ اپنی امیدیں صرف اسی سے وابستہ کرے اور غائبانہ خوف اس سے کھائے۔۔۔ اور اس کی ذات وصفات میں مخلوقات میں سے کسی کو بھی شریک نہ بنائے۔

مصیبت پر شکر نعمت وانعام اور احسان پر شکر کرنا بہت آسان اور سہل ہے مگر مصیبت اور دکھ میں گھر کر شکر ادا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں یہ بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اہل اللہ مصیبت اور تکلیف میں بھی رب کا شکر ادا کیا کرتے ہیں کہ دوست نے یاد تو کیا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کے بیٹے مکان کی چھت کے نیچے دب کر مر گئے۔۔۔ کاروبار ختم ہو گیا۔۔۔ مال مویشی برباد ہو گئے۔۔۔ زمینداره، فصلیں معدوم ہو گئیں۔۔۔ مال ودولت کی جگہ فقر وفاقہ نے لے لی۔۔۔ صحت خراب ہو گئی۔۔۔ اٹھنے بیٹھنے سے عاجز آ گئے۔۔۔ کروٹ تبدیل کرنے سے معذور ہو گئے۔۔۔ مگر وہ ہمیشہ اور ہر حالت میں اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔

ایک اللہ والے کو چیتے نے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔۔۔ نہر کے کنارے بے سہارا پڑے ہوئے تھے۔۔۔ جسم سے خون بہہ رہا تھا۔۔۔ مگر زبان سے حمد وثنا اور شکر کے ترانے اُبل رہے تھے۔ کسی شخص نے کہا حضرت! کیا یہ شکر کا مقام ہے؟ کہ یوں بے یار ومددگار پڑے ہو اور زخموں سے خون ٹپک رہا ہے۔ جواب دیا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیوں نہ کروں مبتلائے مصیبت ہوں گرفتار مصیبت نہیں ہوں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

من آن مورم کہ در پایم بمالند نہ زنبورم کہ از نیشم بنالند

میں وہ چیونٹی ہوں کہ جس کو لوگ پاؤں کے نیچے روند دیتے ہیں، میں وہ بھڑ نہیں ہوں کہ جس کے ڈنگ سے لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔

چگونہ شکر ایں نعمت گزارم کہ زور مردم آزادی ندارم

میں اس نعمت کا شکر کس طرح ادا نہ کروں، کہ لوگوں کو تکلیف اور اذیت پہنچانے کی مجھ میں طاقت ہی نہیں ہے۔

ناشکری کا انجام سورت سبا میں اللہ رب العزت نے قومِ سبا کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ان پر نعمتوں کی بارش برسائی۔۔۔ مال و دولت وافر حساب سے عطا کیا۔۔۔ باغات اور پھلوں کی فراوانی تھی۔۔۔ دور دراز کے سفر پُرامن تھے۔۔۔ پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیم تھے۔۔۔ یہ سب نعمتیں عطا کر کے انہیں حکم ہوا:

كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهٗ (سبا:15)

اپنے رب کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ (یعنی ہماری ہی عبادت کرو اور ہماری اطاعت کرو)

پھر قومِ سبا نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا، نافرمانی اور ناشکری پر کمربستہ ہو گئے تو اللہ نے اسی ڈیم کو توڑ ڈالا جو ان کے باغات، درختوں اور مال مویشی کو بہا کر لے گیا۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ (سبا:17)

ہم نے ان کی ناشکری کا انہیں یہ بدلہ دیا اور ہم ناشکروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

آخر میں فرمایا:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (سبا:19)

ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لیے اس واقعہ میں بڑی عبرتیں ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ سامعین گرامی قدر! بیان کے آخر میں امام الانبیاء ﷺ کا ایک ارشاد گرامی بھی سن لیجیے۔ آپ نے اپنے ایک صحابی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا لازماً پڑھا کرو:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ (ابوداؤد:1/213)

اے اللہ! میری مدد فرما اپنے ذکر کرنے میں، اپنے شکر کرنے میں اور اچھی طرح اپنی عبادت کرنے میں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر وہی بندہ کرے گا جو والدین کا شکر مانے۔۔۔۔ أَنِ اشْکُرْلِی وَلِوَالِدَیْکَ (لقمان:14)۔۔۔۔ میرا بھی شکر ادا کر اور ماں باپ کا بھی شکر ادا کر۔

حدیث میں آتا ہے:

مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللہ (ترمذی:217)

جس نے لوگوں کا احسان نہیں مانا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔

ایک اللہ والے کی بات پر گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔۔۔۔ آج ہمارے دانت طرح طرح کے کھانے کھاتے کھاتے گھس گئے ہیں مگر زبان ناشکری کرتے کرتے نہیں گھسی۔

وماعلینا الا البلاغ المبین

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

اَلْحَفِيْظُ، اَلْحَافِظُ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (الشوریٰ:6)

اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں اللہ ان پر نگہبان ہے اور آپ ان کے کوئی ذمہ دار نہیں ہیں۔

سامعین گرامی قدر! آج میں آپ حضرات کے سامنے اللہ رب العزت کے ایک بڑے پیارے اور حسین نام اَلْحَفِیْظُ کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ نونیہ میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی اَلْحَفِیْظُ کا معنی کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَهُوَ الْحَفِيْظُ عَلَيْهِمُ وَهُوَ الْكَفِيْلُ بِحِفْظِهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ عَانِ
(النونیہ:2/228)

اللہ اپنی تمام مخلوق پر حفیظ ہیں (بایں طور کہ ساری مخلوق اور مخلوق کی ایک ایک شئی اس کی حفاظت، نگرانی اور نگہبانی میں ہے) اور ہر ناگہانی مصیبت و آفت سے جو پیش آ گئی

ہے یا جس کے پہنچنے کا اندیشہ ہو وہی ان کی حفاظت کرتا ہے۔

اَلۡحَفِیۡظُ وہ ہے جو انڈوں کے اندر پلنے والے بچوں کی اور ماؤں کے رحم میں پرورش پانے والے نطفوں کی ایسے حیران کن انداز سے حفاظت کرتا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

انڈے اور رحم کے اندر بچہ کتنی آسائش و آرام سے اور کتنی حفاظت کے ساتھ دن گزارتا ہے کہ وہی قرارگاہ اسے ایک وسیع اور آرام دہ دنیا محسوس ہوتی ہے۔۔۔ یہ سب کچھ کتنے اہتمام سے ہوتا ہے۔ پھر کتنی حفاظت سے اَلۡحَفِیۡظُ اسے ماں کے پیٹ سے باہر کی دنیا میں لاتا ہے تو اس کے ماں باپ اور شمس و قمر اس کی حفاظت میں مگن ہو جاتے ہیں۔۔۔ اس کے آرام و آسائش کا کیسے خیال رکھتے ہیں۔۔۔ اگر وہ اَلۡحَفِیۡظُ ذرا سے قطرے کی یوں اہتمام سے حفاظت نہ کرتا تو وہ تین اندھیروں میں کیسے نشوونما پاتا۔

اسی طرح آپ نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک تخم اور بیج ایک کونپل اور انگوری اور ایک نرم و نازک پتے کی صورت میں سخت زمین کے سینے کو چیر کر باہر نکل آتا ہے۔۔۔ زمین کے اندھیروں میں اَلۡحَفِیۡظُ ہی تھا جس نے اس کی حفاظت بھی کی اور اسے خرابی سے بچایا۔۔۔ پھر اس کمزور اور ناتواں کو اتنی قوت و طاقت اور صلاحیت بخش دی کہ وہ سخت زمین کے سینے کو چیر کر فضاؤں میں نمودار ہوا۔۔۔ پھر اس کمزور کونپل کی آفتاب و ماہتاب کے ذریعہ حفاظت و پرورش ہوتی رہی اور ایک دن تناآور درخت کی صورت اختیار کر گیا، وہ پھلتا اور پھولتا رہا اور بلندی سے باتیں کرنے لگا۔

ذرا غور تو فرمایئے! سمندروں کی تہوں میں لاتعداد مخلوق بستی ہے اور اَلۡحَفِیۡظُ سب کی حفاظت انتہائی کاریگری سے کرتا رہتا ہے۔۔۔ خشخاش کے دانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی چھوٹے انڈوں میں وہ کتنی کاریگری سے اور کتنے کمال کی حفاظت سے ماں باپ کے نطفوں کو محفوظ کر کے۔۔۔ رحموں میں ان کی نشوونما کر کے مختلف قسم کی صورتیں عطا کر

کے۔۔۔دنیا میں لاتا ہے۔۔۔پھر اس کے کھانے پینے کے انتظام کر کے طاقتور اور زورآور مخلوق بنا دیتا ہے۔

غرضیکہ اللہ رب العزت ہی الحفیظ ہے جو ہر چیز کا نگہبان اور ہر شئی کا نگران ہے۔۔۔ چاہے وہ زمین کے اوپر ہو یا زمین کے سینے میں ہو۔۔۔ چاہے وہ آسمان میں ہو۔۔۔ یا ماتحت الثریٰ میں ہو یا ثریا میں ہو۔۔۔ پتھر کے اندر ہو۔۔۔ یا پتھریلی زمین پر ہو۔۔۔ پہاڑوں کی غاروں میں ہو۔۔۔ یا سرنگوں میں۔۔۔ وہی سب کا محافظ اور نگران ہے۔

مومن ہو یا کافر۔۔۔ فرمانبردار ہو یا نافرمان۔۔۔ ہر ایک اسی کی نگہبانی میں ہے۔۔۔ ہر ایک کو ہلاکت دیتا ہے۔۔۔ اور بربادی سے محفوظ رکھنے والا۔۔۔ بندوں کے اعمال کی حفاظت کرنے والا صرف اور صرف الحفیظ ہی ہے۔

اسی حقیقت کو سیدنا ھود علیہ السلام نے بیان فرمایا اور اپنی قوم کو دعوت وتبلیغ کرتے ہوئے کہا کہ میرے اتنے سمجھانے اور ڈرانے کے باوجود تم پھر بھی اعراض اور روگردانی کی روش اختیار کرو گے تو میں نے تو حق رسالت (دعوت وتبلیغ) ادا کر دیا ہے۔۔۔ تم نہیں مانو گے، تو اللہ رب العزت تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر تمہاری جگہ دوسری قوم کو لائے گا اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکو گے۔ آخر میں سیدنا ھود علیہ السلام نے کہا:

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ (ھود: 57)

یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگران ونگہبان ہے۔

یعنی وہ مجھے تمہاری سازشوں اور مکروفریب اور تدبیروں سے بھی محفوظ رکھے گا۔۔۔ جن معبودانِ باطلہ کی پکڑ سے تم مجھے ڈراتے رہتے ہو۔۔۔ ان بے بس اور عاجزوں میں کیا طاقت کہ کسی کا کچھ بگاڑ سکیں۔۔۔ میرا محافظ میرا رب ہے۔۔۔ اس کے علاوہ ہر ایک کی نیکی اور بدی اس کے ہاں محفوظ ہے۔۔۔ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق

جزا اور سزا دے گا۔

سورت الانبیاء میں سیدنا سلیمان علیہ السلام پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ فرمایا۔۔۔ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا۔۔۔سرکش جنات کو ان کے تابع کر دیا جو سمندروں میں غوطہ خوری کر کے ہیرے اور جواہرات نکال لاتے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام ان سے لیتے، مثلاً بڑی بڑی عمارات کی تعمیر اور نقش ونگاری، حوض کے برابر تانبے کی پراتیں اور بڑی بڑی دیگیں جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں، جنات ہی انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تھے۔آخر میں ارشاد ہوا:

وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ (الانبیاء:82)

اور ہم ہی ان (جنات) کی نگہبانی کرنے والے تھے۔

یعنی ہم ہی ان جنات کی حفاظت کرنے والے اور نگران تھے تاکہ وہ کام سے بھاگ نہ جائیں۔۔۔یا سیدنا سلیمان علیہ السلام کے احکام کو ماننے سے انکار کی ہمت نہ کریں۔۔۔اس سے ثابت ہوا کہ حقیقی محافظ اور نگران ونگہبان وہی ہے جس کا نام اَلْحَفِيْظُ ہے۔

سورت صافات میں آسمان دنیا پر ستاروں کا جگمگانا زینت کے طور پر ہے اور اس کے علاوہ دوسرا مقصد سرکش جنات سے حفاظت بھی ہے تاکہ کوئی شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جائے تو ستاروں کے ذریعے اسے وہاں سے بھگا دیا جائے۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ (6) وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ (صافات:6.7)

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت بخشی اور ہر شریر شیطان سے اس کی حفاظت کی۔

سورت سبا میں قوم سبا کی ناشکری اور نافرمانی کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا کہ وہ

شیطان کی سوچ اور شیطان کے فرمان کے تابع ہوئے، پھر اگلی آیت میں بیان فرمایا کہ شیطان کا ان پر کوئی زور اور دباؤ تو نہیں تھا کہ وہ اس کے پیچھے چلنے پر اور اس کے فرمانبردار بننے پر مجبور ہو گئے ہوں؟ اس کے ہاتھ میں کوئی لاٹھی تو نہیں تھی کہ وہ ان کو زبردستی حق کے راستے سے روک دیتا ہاں وہ بہلا، پھسلا سکتا ہے اور اتنی طاقت بھی اسے صرف اس لیے دی گئی۔

لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (سبا:21)

تاکہ ہم معلوم کرلیں (یعنی ممتاز طور پر ظاہر کردیں) ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے جو اس میں شک کر رہے ہیں (ورنہ تو) تیرا رب ہر چیز پر نگہبان اور محافظ ہے۔

قرآن کی حفاظت

سابقہ آسمانی کتب کی حفاظت کی ذمہ داری علمائے امت پر ڈالی گئی مگر قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ رب العزت نے خود اٹھائی۔ ارشاد باری ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:9)

قرآن کو اتارنے والے بھی ہم ہیں اور ہم آپ ہی اس کے محافظ بھی ہیں۔

پھر غور فرمائیے کہ اللہ الحفیظ نے کتنے خوبصورت انداز میں اور حسین طریقے سے قرآن کریم کی حفاظت فرمائی۔۔۔ اسے صرف کاغذوں میں محفوظ نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے سینوں کو قرآن کے سفینے بنا دیا۔ چھ، سات سال کا معصوم بچہ جو اپنی مادری زبان میں تسلسل کے ساتھ گفتگو نہیں کرسکتا وہ قرآن کو ایسے پڑھنے لگتا ہے جیسے زمین سے چشمہ پھوٹ پڑا ہو۔

امام الانبیاء ﷺ سے لے کر آج تک مسلمانوں پر کیسے کیسے دور اور کیسے کیسے

حالات گذرے ہیں، فتنوں کے سیاہ بادل ان پر چھائے رہے۔۔۔ نفس پرست لوگوں نے دین کا حلیہ بگاڑنے کی بھرپور سعی کی۔۔۔ اہل بدعت نے دین کے مقدس نام پر بدعات کو رواج دیا۔۔۔ سنت وسیرت کی حقیقی تصویر کو مسخ کرنے کی مذموم کوششیں ہوئیں۔۔۔ لاتعداد احادیث وضع کی گئیں۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کی جانب جھوٹی باتیں منسوب کی گئیں۔۔۔ مگر اس کے باوجود کوئی شخص بھی قرآن کریم کے ایک حرف کو اور زبر وزیر کو تبدیل نہ کرسکا۔۔۔ وہ آج بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح پہلے دن جبریل امین لے کر اترا تھا۔۔۔ قرآن کریم میں تحریف، تغیر وتبدل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس ذات نے اپنے ذمہ لی ہے جس کی صفت الحفیظ ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرعون نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کے گھر جنم لینے والا ہر نومولود قتل کر دیا جائے۔۔۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو ان کی والدہ محترمہ پریشان ہوگئیں۔۔۔ اللہ رب العزت نے الہام کے ذریعہ یا خواب کے ذریعہ یا کسی ذریعہ سے انہیں سمجھایا کہ اسے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔۔۔ موسیٰ کی جدائی کا یا دریا کی لہروں کا خوف نہیں کرنا، ہم بہت جلد اسے تیری آغوشِ شفقت میں پہنچا دیں گے۔ صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ پر جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا، انہوں نے پالنے کی غرض سے اٹھالیا۔۔۔ یوں الحفیظ نے دشمن کے گھر میں موسیٰ کی پرورش کروا کے اس کی حفاظت فرمائی۔

پھر ایک موقع پر فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بحفاظت مدین پہنچایا اور سیدنا شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچا دیا۔

الحفیظ وہی ہے جس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی جلتی ہوئی آگ میں حفاظت فرمائی۔۔۔ ساری قوم اور اربابِ اقتدار جو بڑی تیاریوں کے ساتھ آئے تھے اور دیکھنا چاہتے تھے کہ ابراہیم چند لمحوں میں راکھ کا ڈھیر بن جائے گا۔ الحفیظ نے آگ کو حکم دیا:

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ (الانبیاء:69)

پھر سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور آگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر باغ و گلزار بن گئی۔

ہاں اَلْحَفِیْظُ وہی ہے جس نے ہجرت کی رات مشرکین مکہ سے اپنے پیارے پیغمبر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرمائی، جب انہوں نے ننگی تلواریں لے کر آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ یہ لوگ کس کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔۔۔؟ یہ کس کے خون کے پیاسے ہیں۔۔۔؟ اس معصوم ہستی کہ جس نے ساری زندگی ظالم سے ظالم ترین شخص پر بھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔۔۔ جس نے انسانی خون کا احترام سکھایا۔

پھر جبرئیل اترے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ باہر تشریف لے جائیے اور کاشانہ صدیق سے اپنے باوفا ساتھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمسفر بنا کر مدینہ کی طرف ہجرت کیجیے۔ باہر نکلتے ہوئے سورت یٰسین کی ابتدائی آیات فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ تک تلاوت کر کے خاک کی مٹھی کفار کی جانب پھینک دیں۔۔۔ پھینکنا آپ کا کام ہوگا اور محاصرہ کیے ہوئے مشرکین کو اندھا کرنا میرا کام ہوگا۔

میرے پیارے! اب تک مشرکین بصیرت کے اعتبار سے فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ کا مصداق تھے۔۔۔ اب آپ مشت خاک پھینکیں گے تو کچھ دیر کے لیے ہم ان کی بصارت پر بھی لَا یُبْصِرُوْنَ کا پردہ ڈال دیں گے۔

گھر سے نکلتے ہوئے اَلْحَفِیْظُ نے اپنے نبی کی کیسے حفاظت فرمائی؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر جب غار میں پہنچے، مشرکین بھی تعاقب کرتے ہوئے۔۔۔ قدموں کے نشانات تلاش کرتے ہوئے غار کے دہانے تک جا پہنچے۔۔۔ کہ اپنے پاؤں کو دیکھیں تو غار میں چھپے ہوئے نبی و صدیق کو دیکھ لیں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پریشانی دیکھ کر نبی اکرم ﷺ نے انہیں تسلی دیتے

ہوئے فرمایا:

مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا

ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہو؟

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا (التوبہ:40)

غم نہ کھا یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اللہ رب العزت نے کتنے عجیب انداز میں نبی وصدیق کی حفاظت فرمائی کہ مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا تن دیا۔۔۔ تعاقب کرنے والے کفار نے سوچا کہ اگر غار کے اندر کوئی داخل ہوا ہوتا تو مکڑی کا یہ جالا کیسے سلامت رہتا۔ سبحان اللہ! الحفیظ نے اَوْهَنَ الْبُيُوْت (گھروں میں سب سے کمزور گھر) کے زریعہ کفار کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے اور الحفیظ نے کمزور مخلوق اور اس کے بنائے ہوئے کمزور ترین گھر سے وہ کام لیا جو بڑی سے بڑی قوت بھی نہیں کرسکتی۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مشکل کی اس گھڑی میں میرے محبوب پیغمبر ﷺ نے جب مجھے پکارا اور صدا لگائی تو میں نے اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔۔۔ وہ اپنے پیغمبر کی ایسے لشکروں کے ذریعہ مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا۔

صاحب تفسیر مدارک کا خیال ہے:

هُمُ الْمَلَائِكَةُ صَرَفُوْا وُجُوْهَ الْكُفَّارِ وَأَبْصَارَهُمْ عَنْ أَنْ يَّرَوْهُ

اللہ نے غار کے منہ پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا جنہوں نے غار کے دہانے پر پہنچنے والے مشرکین کی آنکھیں اور چہرے پھیر دیئے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کی جلد 7 صفحہ نمبر 187 میں اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی کی جلد 10 صفحہ نمبر 88 میں یہی تحریر فرمایا ہے۔

تین دن کے بعد غار ثور سے نکل کر ساحلی راستے مدینہ کی راہ لی تو سراقہ بن مالک ایک تیز رو گھوڑے پر ہتھیار سجائے تعاقب میں نکلا اور نبی اکرم ﷺ کے قریب جا پہنچا، آپ ﷺ کی زبان سے نکلا:

اَللّٰھُمَّ صْرِعْہُ (بخاری)

اے اللہ! اس کو پچھاڑ دے۔

یہ کہنا تھا کہ سراقہ کے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔۔۔ اس طرح سراقہ بھی اپنی کوشش میں ناکام اور ارادے میں نامراد ہوا اور الحفیظ نے اپنی حفاظت میں اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو مدینے پہنچا دیا۔

کسی نے سچ کہا ہے:

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے کیا کہا؟ سیدنا یوسف علیہ السلام نے غلہ لینے کے لیے آنے والے بھائیوں سے کہا کہ دوبارہ غلہ لینے تب آنا جب اپنے ساتھ اپنے بھائی بنیامین کو لانا، برادرانِ یوسف نے بنیامین کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی اور ساتھ ہی کہا:

وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (یوسف:63)

ہم بنیامین کی حفاظت و نگہبانی کرنے والے ہیں۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی درخواست سن کر فرمایا:

کیا میں تم پر اسی طرح اعتبار کرلوں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے معاملے میں کیا تھا۔

مگر اس وقت حاجت سخت اور ضرورت شدید تھی جس سے اغماض اور چشم پوشی ممکن ہی نہیں، بنیامین کو تمہارے ساتھ بھیجنا میری مجبوری ہے۔۔۔ تمہاری حفاظت کیا حفاظت

ہے؟

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا (یوسف:64)

پس اللہ بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔

قرآن کریم کی سب سے عظیم آیت۔۔۔آیت الکرسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کئی عقلی دلائل کے ساتھ اپنی الوہیت ومعبودیت کو بیان فرمایا ہے، ان میں ایک دلیل دی:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

وسیع ہے اس کی کرسی (قدرت اور علم) آسمانوں میں اور زمین میں۔

وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا

اور اللہ زمین وآسمان کی حفاظت کرنے سے نہ تھکتا ہے اور نہ اکتاتا ہے۔

ایک حدیث آخر میں نبی اکرم ﷺ کا ایک فرمان بھی سن لیجیے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ میں تجھے باتیں بتاتا ہوں:

اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ

ہمیشہ اللہ کو یاد کرو گے تو اللہ تیری حفاظت فرمائے گا۔

إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ

جب بھی مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو۔

وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ

اور جب بھی مدد مانگو تو فقط اللہ سے مدد مانگو۔

ابن عباس! جان لے کہ اگر پوری امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچائیں تو بھی وہ اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے تیرے لیے لیے مقدر کیا ہے۔ اور اگر وہ سب کے سب تجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو بھی اس سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا

کہ اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے۔اس لیے کہ

رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ (ترمذی، باب صفۃ القیامۃ)

قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔

سامعین گرامی قدر! الحفیظ نے ہی حکم دیا:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ (البقرہ:238)

نمازوں کی حفاظت کرو۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (المومنون:9)

(کامیاب وکامران ہوئے صرف وہ مومن) جو اپنی نمازوں کی حفاظت اور خبر گیری کرتے ہیں۔

اسی الحفیظ نے فرمایا:

وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ (المائدہ:89)

اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْحَفِيْظُ لَا حَفِيْظَ اِلَّا اَنْتَ

وما علینا الا البلاغ المبین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ الْأَمِيْنِ وَعَلٰی آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا (النساء:86)

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اسے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

سامعین گرامی قدر! آج کے خطبۂ جمعۃ المبارک میں آپ حضرات کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ایک حسین نام اَلْحَسِیْبُ کی تشریح وتفسیر کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ مہربان مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلْحَسِیْبُ۔۔۔ حَسْبٌ سے ہے جس کے معنی کفایت کے ہیں یعنی سب کے لیے کافی ہو جانے والا اور سب کی کفایت کرنے والا۔۔۔ مراد یہ ہے کہ اَلْحَسِیْبُ وہ ہستی ہے جو اپنی مخلوق کو وہ تمام چیزیں عطا کرتا ہے جو انہیں ان کی زندگی میں اور زندگی کی ضروریات میں کفایت کر سکیں۔

عربی میں ایک محاورہ ہے:

هٰذَا يَحْسُبُكَ مِنْ غَيْرِهٖ۔۔۔ یہ تجھے غیر سے کفایت کر جائے گا۔

قرآن کریم میں یہود ومنافقین کے لیے سزا اور عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۔۔۔ان کے لیے جہنم کافی (سزا) ہے۔

بعض علماء نے اَلْحَسِیْبُ کا معنی کیا ہے:

هُوَ الْكَافِي لِعِبَادِهِ الَّذِي لَا غِنًى لَهُمْ عَنْهُ أَبَدًا أَبَلْ لَا يُتَصَوَّرُ لَهُمْ وُجُودٌ بِدُونِهِ

اَلْحَسِیْبُ وہ ہستی ہے جو اپنے بندوں کے لیے کافی ہے ایسی ہستی کہ لوگ ہر وقت اسی کے محتاج ہیں کیونکہ لوگوں کا وجود اسی کی عطا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْحَسِیْبُ کا معنی کافی ہونے والا۔۔۔۔ یعنی ایسا کافی کہ جس کا وہ ہو جائے اسے پھر کسی اور کی ضرورت اور حاجت نہیں رہتی۔۔۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اکیلا کسی دوسرے کے لیے کافی ہو۔۔۔ بلکہ مخلوق کا ہر فرد کسی نہ کسی معاملے میں دوسرے کا محتاج ہے۔ اور اَلْحَسِیْبُ ہی ہے جو ہر ایک کے لیے بغیر اسباب ووسائل کے کافی ہے۔۔۔ اسی کی حفاظت کافی ہے۔۔۔ اسی کی پناہ کافی ہے۔۔۔ وہی ہے جو لوگوں کی پریشانیوں، غموں، مصائب ومشکلات اور حاجات میں کافی ہے۔۔۔ جس نے اَلْحَسِیْبُ (سب کے لیے کافی ہو جانے والا، سب کی کفایت کرنے والا) پر توکل اور بھروسہ کیا تو نصرت الٰہی اس کے ساتھ رہی، کامیابیوں نے اس کے قدم چومے، فتوحات نے اس کے راستے میں آنکھیں بچھائیں اور دکھوں میں وہ سرخرو ہو کر نکلا، مصائب اس کے راستے کی دیوار نہ بن سکے، مسلح لشکر کی دھمکیاں اس پر اثر انداز نہ ہوئیں، مادی قوتیں اور ظاہری طاقتیں اسے مرعوب نہ کر سکیں۔۔۔ بڑا خوش نصیب اور بڑا بخت آور ہے وہ شخص جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو گیا۔

سورت الانفال کی آیت نمبر 60 میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کفار و مشرکین کے مقابلے میں ہر قسم کی تیاری کریں جس کے ذریعہ کفار پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ اور دھاک بیٹھ جائے اور وہ سمجھ جائیں کہ مسلمان اپنے دفاع سے غافل نہیں بلکہ مدافعت کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔

اگلی آیت میں فرمایا کہ اگر تمہارے مخالفین کفار تم سے صلح کرنے پر آمادہ ہوں تو تم بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان سے صلح کرلو۔ اگر پیغام صلح سے کفار کا مقصد تمہیں دھوکہ دینا ہوگا کہ تم جنگی تیاریوں سے غافل ہوجاؤ تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں:

فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (الانفال:62)

آپ کو اللہ کافی ہے اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ آپ کی تائید کی۔

آگے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الانفال:64)

اے میرے نبی! آپ کے لیے اور ان مومنوں کے لیے جو آپ کے پیروکار ہیں اللہ کافی ہے۔

یاد رکھیے! مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔۔۔۔۔۔ حَسْبُكَ میں کاف ضمیر پر معطوف ہے۔۔۔۔۔ ترجمہ کرتے ہوئے اسے ہی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے: أَيْ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ كَذٰلِكَ أَيْ حَسْبُهُمُ اللّٰهُ تعالیٰ۔۔۔ یعنی اسی طرح تیرے پیروکار مومنوں کو بھی اللہ ہی کافی ہے۔

یہی تفسیر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں فرمائی، یہی تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں فرمائی، تفسیر بحر محیط اور مدارک نے بھی یہی تحریر فرمایا۔

کچھ لوگوں نے اسے لفظ اللہ پر معطوف مانا ہے اور معنی اس طرح کیا ہے۔۔۔

اے نبی! اللہ تجھے کافی ہے اور وہ مومن جو تیرے پیروکار ہیں۔

اگرچہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں اس پر تفصیلی گفتگو کر کے ثابت کیا ہے کہ اس کا عطف لفظ اللہ پر صحیح نہیں ہے۔۔۔ لیکن اگر یہ عطف صحیح بھی ہو تو مطلب ہو گا کہ فی الحقیقت آپ کو اللہ تعالیٰ اکیلا کافی ہے اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے مخلص مومنوں کی جماعت خواہ کتنی ہی کمزور اور تھوڑی ہو کافی ہے۔ آیت نمبر 62 میں جو کہا گیا ہے یہ اسی کا بیان اور خلاصہ ہے کما قالہ الشیخ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کفایت کے ساتھ مومنین کی کفایت کو اس لیے فرمایا کہ کفایت کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی کفایت کہ اصل میں تو اللہ تعالیٰ ہی بندہ کے لیے کافی ہے لیکن ایک کفایت ظاہری بھی ہوتی ہے، فوج و لشکر کی طاقت بھی ہوتی ہے تاکہ ظاہری طور پر دشمنوں پر رعب جم جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی! اصل کافی تو آپ کے لیے اللہ ہی ہے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا بہادر صحابی اور دیگر صحابہ آپ کو دے رہا ہوں تاکہ ظاہری طور پر بھی دشمنوں پر رعب طاری ہو جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا وظیفہ غزوۂ احد میں درّہ چھوڑنے والے صحابہ کی اجتہادی خطا کی بنا پر ایک مرتبہ جنگ کی بساط الٹ گئی، ستر صحابہ جامِ شہادت نوش کر گئے، سیدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم کے بارہ ٹکڑے کر دیے گئے، ان کے اعضاء کاٹ دیے گئے، کئی صحابہ زخمی ہوئے، خود نبی اکرم ﷺ کا دانت مبارک ٹوٹ گیا، سر پر زخم آئے اور آپ گڑھے میں گر گئے۔

کفار کے لشکر کے سالار ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق ایمان دی اور بعد میں انہوں نے اسلام کی ترقی اور نشوونما کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب احد سے مکہ کو

واپس گئے تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم سے بڑی غلطی ہوئی کہ ہزیمت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یونہی چھوڑ کر چلے آئے، سردارانِ مکہ نے مشورہ کیا کہ ابھی مدینہ چل کر مسلمانوں کا قصہ تمام کر دیا جائے، نبی اکرم ﷺ کو لشکر کفار کی پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو اعلان فرمایا کہ جو لوگ اور جو صحابہ کل غزوۂ احد میں شریک تھے وہ دشمن کے تعاقب کے لیے تیار ہو جائیں۔۔۔ بجائے اس کے کہ وہ مدینہ پر حملہ کریں ہم آگے جا کے ان سے دو دو ہاتھ کریں گے۔

مسلمان مجاہدین باوجود اس کے کہ زخموں سے چور اور تھکاوٹ سے نڈھال تھے، نبی اکرم ﷺ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے نکل پڑے۔ نبی اکرم ﷺ ان مجاہدین کی معیت لے کر حمراء الاسد تک (مدینہ سے بارہ تیرہ میل کے فاصلے پر ایک مقام) پہنچے۔ ابوسفیان کی توقع کے برعکس اسے جب معلوم ہوا کہ مسلمان ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں تو اس پر سخت رعب اور دہشت طاری ہو گئی۔

ابوسفیان نے اپنی ساکھ بچانے کے لیے مدینہ کی جانب آنے والے ایک قافلہ کو کچھ دے دلا کر آمادہ کیا کہ مدینہ پہنچ کر اور راستے میں ملنے والے مسلمانوں کے آگے پروپیگنڈہ کریں کہ مکہ والے بھاری لشکر اور سامانِ حرب کے ساتھ تمہیں نیست و نابود کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ ابوسفیان کا خیال تھا کہ یہ خبر سن کر وہ مرعوب ہو کر اور ڈر کر واپس ہو جائیں گے اور میرے لکھ رہ جائیں گے۔ مگر یہ خبر سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوشِ ایمان بڑھ گیا اور وہ بول اٹھے:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران:173)

ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا خوب کارساز ہے۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔۔۔ دلیل ہے کہ میرے تمام امور اسی کے حوالے ہیں۔ انہوں نے اللہ اَلْحَسِيْبُ پر بھروسہ کیا تو اللہ نے ان کی غیبی مدد فرمائی کہ

انہیں کوئی تکلیف اور برائی نہ پہنچی اور اللہ کی نعمت یعنی تجارت میں منافع حاصل کر کے مدینہ پلٹے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم سورت التوبہ کے آخر میں لوگوں سے کہا گیا کہ ہم نے تم پر بہت بڑا انعام کیا کہ ایک عظیم المرتبہ اور رفیع الشان پیغمبر تم ہی میں سے تم میں مبعوث فرمایا، جس کے حسب ونسب کو تم اچھی طرح جانتے ہو، جس کے اخلاق وعادات سے تم واقف ہو، جس کی امانت ودیانت کے تم خود گواہ ہو، وہ پیغمبر تم پر شفیق بھی ہے اور مہربان بھی، تمہاری تکلیف اور تم پر آنے والے سختی سے وہ پریشان ہو جاتے ہیں لہٰذا تمہیں چاہیے کہ ایسے عظیم الشان پیغمبر پر ایمان لے آؤ، آگے فرمایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا۔۔۔اگر وہ لوگ آپ کی عظیم الشان شفقت، خیر خواہی اور دلسوزی کی قدر نہ کریں اور ایمان نہ لائیں اور بجائے ایمان لانے کے مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں۔۔۔آپ کے خلاف تدبیریں اور سازشیں کریں اور لشکر کشی کریں تو آپ واضح طور پر کہہ دیں:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (التوبہ:129)

مجھے میرا اللہ کافی ہے (دنیا کے تمام لوگ مجھ سے اعراض کرلیں۔۔۔سب کے سب میری مخالفت میں اکٹھے ہو جائیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے میرے لیے تنہا اور اکیلا میرا مولا ہی کافی ہے)

پھر اس کی دلیل دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کیوں کافی ہے؟ اس لیے کہ کائنات میں اس کے علاوہ معبود اور الٰہ اور بندگی کے لائق کوئی نہیں ہے۔۔۔اسی لیے بھروسے کے لائق بھی وہی ہے۔۔۔زمین وآسمان کی سلطنت تو رہی ایک طرف عرشِ عظیم (تختِ شہنشاہی) کا مالک بھی وہی ہے۔

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص صبح وشام سات سات مرتبہ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ پڑھے اللہ اس کے ہموم وغموم (فکر و پریشان اور مشکلات) کو کافی ہو جائے گا۔ (ابوداؤد)

سورت الزمر کی آیت نمبر 37 میں ارشاد ہوا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰہُ بِضُرٍّ ھَلْ ھُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّہٖٓ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَۃٍ ھَلْ ھُنَّ مُمْسِکٰتُ رَحْمَتِہٖ (الزمر:37)

(میرے پیغمبر!) آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے؟ تو جواب میں وہ کہیں گے اللہ نے (پھر) آپ کہیں بھلا تم دیکھو کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو وہ معبود ایسے ہیں کہ اس تکلیف کو مجھ سے ہٹا دیں؟ یا اللہ مجھ پر کچھ مہربانی کرنا چاہے تو ان میں طاقت ہے کہ اس کی مہربانی کو روک دیں؟

قُلْ ۔۔۔ میرے پیغمبر کہہ دیجیے ۔۔۔ جب تم خود مانتے ہو کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہے اور دوسری طرف تمہارے عاجز اور بے بس معبود ہیں جو سب مل کر بھی اللہ کی طرف سے آنے والی ادنیٰ اور معمولی تکلیف اور راحت کو روک نہ سکیں پھر تم خود فیصلہ کرو کہ دونوں میں سے کس پر بھروسہ کرنا چاہیے اور کس کو اپنی مدد کے لیے کافی سمجھنا چاہیے؟ تم چاہے جس پر بھروسہ کرو اور جسے چاہو اسے اپنے لیے کافی سمجھو۔۔۔ رہ گئی میری بات تو:

حَسْبِیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ یَتَوَکَّلُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ (الزمر:38)

میرے لیے میرا اللہ کافی ہے بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وظیفہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے حوالے کیا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْوَاحِدُ فِي السَّمَاءِ وَاَنَا وَاحِدٌ فِي الْاَرْضِ لَيْسَ اَحَدٌ يَعْبُدُكَ غَيْرِيْ

اے اللہ! آسمان میں تو اکیلا معبود ہے اور زمین میں مَیں اکیلا تیرا عابد ہوں میرے علاوہ تیری خالص عبادت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔

پھر انہوں نے یہ کلمات کہے: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل۔۔۔ میرے لیے میرا اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔۔۔ پھر اللہ نے ان کی کیسی کفایت فرمائی کہ دہکتی ہوئی اور آسمان سے باتیں کرتی ہوئی آگ کو ان پر باغ و بہار بنا دیا۔

سورت الطلاق میں اللہ رب العزت نے ایک قاعدہ بیان فرمایا کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی اور رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (طلاق:3)

اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ (تمام مہمات میں اسے) کافی ہے۔

اَلْحَسِيْبُ، اَلْحَاسِبُ کا دوسرا معنی

اَلْحَسِيْبُ کا ایک معنی حساب کنندہ کے بھی ہیں۔ اَلْحَسِيْبُ بمعنی مُحاسِب ہے جو ہر مخلوق کے ہر فرد کے سانس بھی شمار کر رہا ہے۔

سورت الرحمٰن میں ارشاد ہوا:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرحمٰن:5)

سورج اور چاند کے لیے ایک حساب ہے۔

یعنی دونوں کا طلوع وغروب، گھٹنا، بڑھنا، یا ایک حالت پر قائم رہنا پھر ان کے ذریعہ فصلوں اور موسموں کا بدلنا یہ سب کچھ ایک خاص حساب سے ہے۔

اَلْحَسِیْبُ۔۔۔حساب لینے والا یا حساب جاننے والا۔۔۔یعنی ایسی ہستی کہ ایک ایک نیکی اور بدی کا حساب لے اور پھر اس پر سزا اور جزا بھی عطا فرمائے۔۔۔قیامت کے دن جب عدل کا ترازو قائم کیا جائے گا تو ہر بندے کے تمام اعمال بلا کم وکاست اسی میں تولے جائیں گے اور اَلْحَسِیْبُ۔۔۔حساب لیتے ہوئے کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ (الانبیاء:47)

اور ہم انصاف کا ترازو قیامت کے دن رکھیں گے پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔

سورت النساء میں ارشاد ہوا: وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (النساء:6)

اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا (النساء:86)

بیشک اللہ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔

سورت الانشقاق میں ارشاد ہوا: فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ (7) فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيْرًا (الانشقاق:8-7)

جس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں عطا ہوگا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے

فرمایا:

مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ۔۔۔جس سے حساب کیا جائے گا اسے عذاب ہو گا۔میں نے یہ سن کر عرض کیا یارسول اللہ! کیا اللہ نے قرآن میں نہیں کہا: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا۔۔۔عنقریب حساب کیا جائے گا آسانی کے ساتھ۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ذَالِكَ الْعَرْضُ۔۔۔اس حساب سے مراد پیشی ہے۔

سورت الانشقاق کی اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آسان حساب یہی ہے کہ بات بات پر گرفت نہ ہو محض کاغذات پیش ہو جائیں گے اور بدون بحث ومناقشہ کے سستے چھوڑ دیے جائیں گے۔

اللہ رب العزت کے بارے میں قرآن کریم نے أَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ۔۔۔۔بہت تیزی سے حساب لینے والا کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔۔۔سَرِيْعُ الْحِسَابِ کے الفاظ کئی جگہوں پر استعمال ہوئے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ قیامت میں سب کا حساب یکبارگی کس طرح لیا جائے گا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا۔۔۔ يُحَاسَبُوْنَ كَمَا يُرْزَقُوْنَ۔۔۔جس طرح یہاں دنیا میں تمام مخلوق کو یکبارگی رزق عطا ہو رہا ہے اسی طرح وہاں بھی سب کا حساب یکبارگی لیا جائے گا۔

سامعین گرامی قدر! آخر میں ایک ارشاد نبوی بھی سماعت فرمائیے:

غزوۂ احزاب میں جب عرب کے تمام مشرک قبائل اکٹھے ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو امام الانبیاء ﷺ نے دعا کرتے ہوئے کہا:

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ (مسلم: باب الجهاد)

اے اللہ! کتاب کے اتارنے والے اور جلد حساب لینے والے ان لشکروں کو بھگا دے یا اللہ! انہیں بھگا دے اور ان کو ہلا دے۔

اللہ رب العزت کے اس نام اَلْحَسِیْبُ سے تعلق پیدا کرنے والوں کو رب العالمین سے ہمیشہ حِسَابًا یَسِیْرًا کی درخواست کرتے رہنا چاہیے۔ اسے یوم الحساب پر پختہ یقین رکھنا چاہیے۔

اَلْحَسِیْبُ کا ایک معنی علماء نے شرف وعزت والا بھی کیا ہے۔۔۔ ایک معنی بدلہ لینے والا بھی کیا گیا ہے۔۔۔ میرے لیے میرا اللہ ہی کافی ہے۔۔۔ حَسْبُكَ اللّٰه۔۔۔ حَسْبِیَ اللّٰه۔۔۔ یہی نعرہ اور یہی عقیدہ ہر کلمہ پڑھنے والے کا ہونا چاہیے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی کی مدلل، پُر مغز اور معلوماتی تقاریر کا مجموعہ

۸ جلدوں میں

پہلی جلد آیۃ الکرسی کی تفسیر پر مشتمل ۲۵ تقاریر میں توحید الٰہی کے تقریباً تمام پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے

دوسری جلد امام الانبیاء ﷺ کی سیرت و عظمت کو قرآن و حدیث کے دلائل سے ۱۹ تقاریر میں بیان کیا گیا ہے

تیسری جلد: سیرت انبیاء کرام از سیدنا آدمؑ تا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عنوان پر ۱۶ تقاریر

چوتھی جلد سیرت انبیاء کرام کے سلسلہ میں از سیدنا شعیب علیہ السلام تا امام الانبیاء ﷺ ۱۸ تقاریر کا مجموعہ

پانچویں جلد نماز میں پڑھے جانے والے کلمات کا ترجمہ و تفسیر اور مختلف فیہ مسائل میں مسلکِ احناف کی ترجیح کے موضوع پر ۴۲ تقاریر کا مجموعہ

چھٹی جلد سیرت و عظمتِ امیر معاویہؓ و عظمت و شہادتِ سیدنا حسینؓ اور واقعہ کربلا کے عنوان سے ۱۲ تقاریر کا مجموعہ

ساتویں جلد صحابہ کرامؓ قرآن کے آئینے میں
عظمت اصحاب رسول ﷺ کے عنوان پر انتہائی مدلل، معلوماتی اور اچھوتے انداز میں ایک لاجواب اور بے مثال شاہکار جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عوام الناس یکساں مستفید ہوں گے۔

آٹھویں جلد اللہ رب العزت کے ستر حسین اور دلنشین ناموں کی تفسیر و تشریح پر مشتمل چالیس خطبات کا مجموعہ

شعبہ نشر و اشاعت
جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ
سرگودھا پاکستان